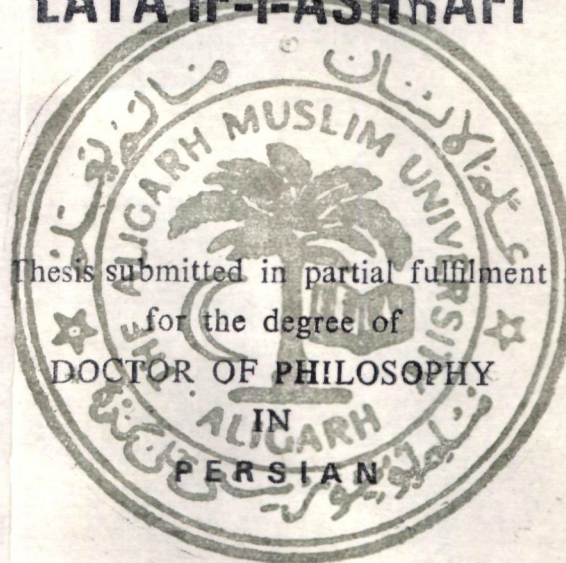




A CRITICAL EVALUATION OF LATA'IF-I-ASHRAFI



Thesis submitted in partial fulfilment
for the degree of
DOCTOR OF PHILOSOPHY
IN
PERSIAN

By
MOHIUDDIN AZHAR

Under the Supervision of
DR. SAMIUDDIN AHMAD

**DEPARTMENT OF PERSIAN
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH**

1982

فہرست

۱۷۰۰۰ /	...	ہمشکفتار
		باب اول
۱۸۰۰۰ ۱۸	حضرت سید اشرف جہا دگیر سمنانی کی شخصیت	
	(۱) حالات زندگی کا اجمالی جائزہ	
	(۲) خلفائے نامدار	
	(۳) علمی تہذیب اور شاعری	
		باب دوم
۱۷۲۰۰۰ ۲۰۹	لغات کا تاریخی جائزہ	
۱۳۰ - - ۱۱۵	(۱) تصانیف	
۱۴۳ - - ۱۳۱	(۲) شخصیات	
۱۷۲ - - ۱۶۴	(۳) واقعات	
		باب سوم
۲۷۹۰۰۰ ۱۷۳	لغات کی مسمولاتہ اہمیت	
		باب چہارم
۲۸۳۰۰۰ ۲۷۷	لغات کی ادبی قدر و قیمت	
۲۸۶۰۰۰ ۲۸۷	...	کتابیات

بسم الله الرحمن الرحيم

ہمشکلتار

ہندوستان کی تہذیبی و تمدنی تاریخ کی تشکیک و تعمیر میں فارسی زبان نے جو نمایاں رول ادا کیا ہے اس کا اندازہ اس عظیم سرمایہ علم و ادب سے لگایا جاسکتا ہے جو گذشتہ تقریباً "سات سو سال کی مدت میں وجود میں آیا ہے اور جس کو ہم "ہند ایرانی" یا "ہندوستانی فارسی" ادبیات کا نام دیتے ہیں۔ فارسی زبان کی ہمہ جہتی اور ہمہ گیر نگاہ عالم ہے کہ اس کے وسیلے سے جن گونا گون موضوعات و مضامین اور افکار و خیالات کی ایجاد و تخلیق ہوئی وہ ان کا دایمی نقش آج بھی ہماری کٹھن زندگی کے نائب میں ہمہوست اور رنگارنگ جلوؤں کی صورت میں نمایاں ہے۔

ہندوستان میں فارسی زبان و ادب کا نقشہ اوجین لاہور اور ملتان میں سلفیہ غزنوی کے دور افتداری میں قائم ہوا۔ ان دونوں شہروں کو اس وقت سیاسی نیز ثقافتی اعتبار سے وہی نمایاں حیثیت حاصل تھی جو خود غزنہ کو۔ آخر د و غزنوی حکمرانوں یعنی خسرو شاہ اور خسرو ملک کے عہد میں خصوصاً "دہور کو علمی و ادبی تہذیبی و ثقافتی اور سیاسی سطح پر ایسا امتیاز حاصل ہوا کہ اس پر "غزنوی خرد" کے نام سے یاد کیا جائیگا۔

ہندوستان کے دور اور کے عمرا و ادب میں جو اس عہد کے پروردہ اور برداشتہ تھے ابو عبد اللہ النکتی، ابوالفرج رونی، محمود سعد سلمان اور علی ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری۔ وغیرہ کے نام خاص اور سیر نابینا کر ہیں۔

عورت خاندان کے فرمائروا بھی جو بااگر غزنویوں کے زواں کا سبب بنیے تھے اور جن

کا عہد سلطان نہایت مختصر تھا، علم و ادب کی بہت پناہی اور معارف پرورن میں

آل غزنہ سے کم نہ تھے۔ ان کے درباروں میں بھی ایسے بہت سے علما و فنلا اور ارباب فن

ہر وقت موجود رہا کرتے تھے جن کے دم میں علم و فن اور شعر و ادب کی نعمین روشن تھیں۔

ہندوستان کی تہذیبی و ثقافتی تاریخ کے اوراق میں امر کا ثبوت ملتا ہے کہ علوم و فنون

اور شعر و ادب کی سرپرستی کی جو روایت آل غزنہ سے شروع ہوئی تھی، اس کا سلسلہ عورتی

حکمرانوں کے عہد میں اور پھر غزنویوں کے زواں کے بعد بھی برابر جاری رہا۔

تیسرے صدی عیسوی کے آغاز میں معزالدین محمد بن سام عورتی کے نائب قنبدالدین

ایب کے ذریعہ دہلی میں ایک مستقل اسلامی حکومت کی تاسیس کے وقت سے لے کر تیسویں

صوم کے زواں تک اور فارسی زبان و ادب کے ارتقا کے لحاظ سے بہت اہم ہے۔ کئی

سوسال کو محیط اس دور میں ہندوستان کے مختلف حصوں میں شعر و ادب اور علم و فن کے

بہت سے مراکز قائم ہوئے اور مختلف موضوعات و مضامین سے متعلق بہت سی کتابیں

تالیف اور تالیفات اور مجموعہ ہائے شعر و سخن وجود میں آئیں۔ اس سلسلے میں مشہور

ایرانی ادیب و شاعر آقای محمد علی اسمعی ندوشن کی حسب ذیل رائے قابل توجہ ہے۔

”زیر جہت فرہنگ ایران کہ زبان و ادبیات فارسی

بہ صورت عنصر مرکزی آن قرار میداشت کشور ہند فرنگ و سالہا

مانند آغوش مادر گہوارہ تمدن ایرانی بودہ است“

برسیر ہند میں فارسی زبان و ادب کے فروع کا ایک اہم اور بنیاد و سبب یہ تھا

کہ مسلمان حکمرانوں کے درباروں میں فارسی کو رسمی اور سرکاری زبان کے ساتھ ساتھ

تہذیبی و ثقافتی زبان کا بھی درجہ حاصل تھا۔ سہاگن دہلی مثلاً التمش و ناصرالدین

محمود و عیال الدین بلبن وغیرہ کے زمانہ حکومت میں اور پھر بعد میں خلجیوں

خانوادہ* تمدن و سہد اور لودی حکمرانوں کے عہد سلطنت میں ہندوستانی فارسی ادب کو سو ب سو ب پھلنے پھولنے کا موقع ملا اور اس کی ترقی کی رفتار تیز سے تیز تر ہو گئی۔ ان خاندانوں کے بعد گورگانی خاندان کے فرمانرواؤں نے یعنی بابر اور ابراہیم ورفا نے اپنی سیاسی بصیرت و ملکی فتوحات و علم و فن اور عمر و ادب کی سرپرستی سے امرزمین کو آسمان بنا دیا۔ ان کے سانداز عہد حکومت میں فارسی عمر و ادب اور دیگر علوم و فنون کو جو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی و اس کی مثال معاصر ایران میں بھی نہیں ملتی۔

ہندوستانی فارسی میں مختلف النوع مباحث و موضوعات کی ایک طویل فہرست ہے جس میں تصوف و اخلاق و تاریخی و جغرافیہ و مصوری و نقاشی و تذکرہ و شعر و علم کلام و مذہبیات و قواعد و علم شعر و ترسیل و انشا و آئین و قوانین حکومت و موسیقی و طب و سیع زاد تحقیقات اور تراجم وغیرہ سبھی شامل ہیں۔ تصوف کی قدیم ترین کتاب فارسی "کشف المحجوب" اور شعرائے فارسی کے اوجین تذکرے "لباب الدہا" کی تصنیف ہندوستان ہی میں ہوئی۔ شاعری کے میدان میں قسیدہ و غزل و رباعی و قطعہ اور ——— رزمیہ و بزمیہ اور تاریخی مثنویاں ——— گویا جملہ اصناف سخن کو قادر الکلامی کے ساتھ برنا کیا ہے۔ اس کے علاوہ کون ہے جو امیر خسرو و حسن بصری و منہاج سراج و شمس الدین برنی، فیضی و ابوالفضل و عربی و نسیری و شہوری و کاکم و نالپ آملی و صائب و بیدل و غالب اور ادیبان جیسے بلند مرتبت اور صاحب کمال شاعروں اور ادیبوں سے واقف نہ ہو۔ خاص کلام یہ ہے کہ ہندوستان میں جو فارسی ادب پھل پھولا اور پروان چڑھا وہ اپنی کیفیت اور قیمت و ثناء و اعتبار سے حد درجہ قابل لحاظ اور درخور اعتنا ہے اور اس کی اہمیت و افادیت سے کسی طرح بھی انکار ممکن نہیں۔

ہند ایرانی ادبیات کی تاریخ میں قصود اور اس کے مسائل اور موفیائے کرام کے ملفوظات و ارشادات کو زبردست اہمیت حاصل ہے و کیونکہ غزہ* سندھ پر محمد بن قاسم

یہ ہاتھوں اسام کا ہرجم لہرایا جائے سے لیے کر چود موہن مد۔ عیسوی تند مسلمان علما و فضلا اور سونہ و مٹاپے نے سرزمین ہند کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنایا رکھا تھا۔ مختلف اسمی مجالہ سے آکر لوہ پھان بود و ہا را اختیار کرتے اور راہ راست سے بھٹکے ہوئے ہندوستان خدا کی اسام نذر کر ناموں میں مصروف ہو جاتے تھے۔ بعض مشایخ ایسے بھی تھے جنہوں نے اسماء میں آکر کچھ عرصے تک تبلیغی فراہم انجام دیے اور پھر اپنے وطن کو لوہا نہیں پا کر کسی دوسرے علاقے میں چلیے گئے۔

ہوں تو ہندوستان میں تصور کیے تشریفاً تمام خانوادوں نے مشایخ نے آکر اسام کی تبلیغی سرگرمیوں کو تیز کیا لیکن بعض مہندہ رشی منیوں کی امر سرزمین میں جہاں پہلے ہی سے مختلف مذاہب و ممالک اور مکاتیب فکر کی مبلغین اور پھر سرگرم تبلیغ و عمل تھے۔ انہوں نے عام کا درجہ صرف جنتی سلسلے کو خاص ہوتا اور امر کی وجہ شاید یہ تھی کہ امر سلسلے کی تعلیمات دوسرے سلسلوں کے مقابلے میں نسبتاً آسان اور عام فہم تھیں۔ بارہویں صدی عیسوی کے اواخر میں حضرت خواجہ عبد الدین چشتی نے اجمیر میں انسان دوستی اور اخوت و عہد ریزی جیسے سیدھے سادے اصولوں پر اپنی تعلیمات کی بنیاد رکھ کر اسام کی تبلیغ و اشاعت کا جو کام شروع کیا تھا وہ خواجہ قطب الدین بھار کا کی کے ذریعہ دہلی اور پھر بابا فرید الدین گنج شکر کی کوششوں سے "بابا بہمن" کی تعلیمات سے اور جب بابا فرید نے خواجہ قطب الدین اولیا کو اپنا نائب مقرر کر دیا دہلی پہنچا تو ان نے دم سے اس سلسلے کی سرگرمیاں اتنی تیز ہوئیں کہ دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستان کے تقریباً تمام ماہور مراکز میں چشتی مشایخ کی خانقاہیں وجود میں آئیں۔

ہندوستان پر اسام کے اثرات کا تنقید و بایزہ لہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امر کے لیے عوام کو علما و فقہاء سے زیادہ سونہ و مٹاپے نے متاثر کیا اور تصور کے حصہ خانوادوں میں عام اور پھر سرور و اور چشتی مشایخ کے افکار و نظریات اور معتقادات کا

بہان کیے باغندون کی سماجی و اخلاقی اور مذہبی زندگی پر بہت بُرا اور دہریہ انداز ہوتا ہے۔
 حد اکثر یہ برکزیدہ بندہ مہربان و مہذب و ذات ہات اور رشتہ و نسب کی امتیاز کی احاس
 کی بھر تمام بنی نو انسان کی مدد ایت واسطہ کیے اپنے اپنی خانقاہوں میں تلقین و
 ارشاد کی جو مجلسین منعقد کرتے تھے وہ ان کی کتابیں سے فارسی زبان میں ایہ عام رسم کا
 نشر و ادب وجود میں آیا یہ تو "ملفوظ لقرہچر" کا نام دیا جاتا ہے۔

ایہ عام روایت ہے مابقی حضرت قطب الدین بختیار خاں کا کہ ہے اپنے مرشد روحانی
 حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے ملفوظات و بہ عنوان "دلیل العارفین" اور خود ان کے
 مرید و خلیفہ بابا فرید نے "نواہد النوار" لکھ کر اس فن کی ابتدا کردی تھی و لیکن
 از روئے تعدیل ان دونوں تصانیف کی نسبت ان دونوں بزرگوں کی جانب مکتوب ہے۔ البتہ
 اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ ملفوظ لقرہچر کا تذکرہ اوّلین امیر حسن دہلوی کی کتاب
 نواہد النوار (آغاز ۳۷ ہجری و تکمیل در شعبان ۷۲۲ یا ۷۲۵ ہجری) ہے جو ان کے
 پھر طریقت حضرت نظام الدین اولیا کے ملفوظات پر مشتمل ہے اور چرمین تصوف کے مختلف
 دہلی مساجد اور نکات بھان لکھے ہیں۔ ہندوستانی فارسی کے اس مکتوب سرمایہ ادب
 یعنی ملفوظ لقرہچر کے ارتقا اور اس کی اہمیت کو بہان کرتے ہوئے پروفیسر خلیفہ احمد نظامی
 رقمراز ہیں۔

"امیر حسن کے اس نامیاب تجربے نے دوسرے مساجد کو اس طرف متوجہ
 کیا اور اوچے (سندھ) سے لے کر مشرق (بہار) تک ملفوظات کی
 ترتیب و تدوین کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ خود حضرت خلیفہ نظام الدین
 اولیا کے مریدون میں خواجہ محمد بن مولانا بدایین اسحاق نے
 انوارالمجالس و خواجہ عزیزالدین سرفراز نے تحفۃ الابرار و کرامۃ الاعلام

اور مولانا علی چاند آر بیر در نظامیہ لکھ نرائن کو آ کرے پڑھا یا۔
 راجپوتانہ مین شیخ حمید اندین نا کوری حنیفہ شیخ معین الدین چشتی
 اجمیری کرا یا۔ ہوتیر نیر سروالد ور فی انوار البید ور مین اہنیے دادا
 کیر حالات اور ملفوظات جمع کھیر۔ دکن مین شیخ برہان الدین عرب
 کیر منسلکین مین تین پھانچون مولانا عماد الدین ہ مولانا رکن الدین
 اور مولانا عبد الدین نیر کئی زائقہ ر ملفوظات ترتیب دیے۔ سندھ
 مین سہروردی سلسلہ کیر بزرگ سید جمال الدین بخاری المعروف بہ
 مددوم جہانپان کیر تین ملفوظات ——— جامع العلوم ہ سراج الہدایا
 اور مناقب مددوم جہان ترتیب دیے۔ دہرا۔ مین شیخ احمد کھٹو
 کرا یا۔ مرید محمود بن سعد صدر موئی اہرجی نیر تحفہ المجالس مرتب
 کی۔ بہار مین شیخ عرف الدین بھی منہرہ کیر کئی ملفوظات جمع
 کھیر تھیر۔۔۔۔۔

امیر حسن کی تصنیف فوائد الفوائد کیر بعد حمید قلندر کی نامی موئی کتاب
 حیرالمبائر کو جو خواجہ نظام الدین اولیا کیر خلیفہ و جانشین شیخ نصیر الدین محمود
 اودھی جراح دہلی کیر احوال و ملفوظات پر مشتمل ہے اور جمعے پروفیسر خلیفہ احمد نظامی نیر
 مع تصحیح و تعلیقات شعبہ تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کیر سلسلہ مسبوعات کیر تحت
 شایع کیا ہے۔ عہد وسطی نیر ہندوستان کی تہذیبی و ثقافتی تاریخ کیر ایک زائقہ ر مآخذ
 فی عیشہ نیر مورخین نیر خاصی اہمیت دی ہے۔

ملفوظات تریچر کی علمی و ادبی اور تاریخی اہمیت اس بنا پر ہے کہ ان تصانیف کیر
 د ریمہ مہین تصور کیر آغاز و ارتقا کی تاریخ ہ مختلف خانوادہ ہ تاریخ تصور کی ابتدا اور

نظرواغات اور ان کے مصور افکار و معتقدات و سونہ کی مصور اسطحات کی تفریح و توضیح اور ان کے اوراد و وائیف اور اعتنائ و اذکار — اور ان سب سے بڑھ کر عہد وسطی کے ہندوستان کی تہذیبی و ثقافتی تاریخ کا علم ہوتا ہے۔

چودھویں صدی مسوی میں لکھی گئی تصوف کی ایک اہم ہندوستانی کتاب "لطائف اشرفی فی بیان طوائف صوفی" بھی ہے جو مشہور جتنی بزرگ حضرت سید اشرف جہاںگیر سمنانی کے حادث و ملفوظات پر مشتمل ہے اور جس کو ان کے مرید و خلیفہ مولانا سید نظام الدین عربی یعنی میر مدون کیا تھا۔ یہ کتاب دوبارہ سندھوستان میں سید محمد اشرف حسین اور سید علی حسین اشرفی کچھوچھوئی فریس آبادی کی کوششوں سے "نصرت المطالعہ دہلی" سے چھپ چکی ہے۔ پہلی بار ایک جلد میں ۱۲۹۵ ہجری میں اور دوسری بار دو جلدوں میں ۱۲۹۸ ہجری میں، جو نہایت مغالطہ ہے۔ — مابوعہ نسخے کی پہلی جلد

نظام یعنی کہ لکھی ہوئے دہاچے اور مقدمے اور شروع کے ہندو رہ ابواب پر مشتمل ہے جب کہ دوسری جلد میں بقیہ بہتالیہ ابواب شامل ہیں۔ مقدمہ و لطائف کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خاتمہ کے طور پر اس سے ایک شیعہ بھی منسلک تھا جو نایاب ہے۔ اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے اور مابوعہ نسخہ مولانا آزاد دہلیہری و مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ہندوستان کے دیگر مشہور کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

ملفوظ اشرفی کی تاریخ میں ایک اہم کتاب ہونے کے باوجود گذشتہ تقریباً اسی سو سال کی مدت میں لکھنا اشرفی تقریباً بار نہیں چھپ سکی اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ فارسی زبان اور علم تصوف کے علما نے اس کی جانب سے بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا ہے۔ سونہ و منایہ کے احوال و آثار کی فراہمی کے واسطے محققین نفحات انور ہی کو اب قدس تاب توجہ سمجھتے رہے ہیں و چنانکہ نفحات کے چند بنیادی مآخذ میں سے ایک اہم مآخذ خود لکھنا بھی ہے اور اس لیے نفحات کے منایہ میں یہ کتاب نسبتاً زیادہ قابل اعتنا ہے۔

لہایف کی بانیسیر دانشوروں کی پیر اعتقائی کا یہ خان میر کہ ایران کے دانشمند
 ارجمند آٹای د کٹر رکن اندین ہمایون فرج الدینے مقالے میں جو د کٹر منصور رشکار کی
 کوہ میر شایع شدہ کتاب بنام "حافا" (ع ۱۸۳ - ۱۹۲) میں شامل ہے ہ لہایف اعرفی اور
 مکتوبات اعرفی (مصلحہ سید ابرہ جہانگیر سمنانی و مرتبہ سید عبد الرزاق نورالعین)
 د ونون ہی کتابوں کو نہ صرف جعلی قرار دیا ہے بلکہ سید ابرہ جہانگیر سمنانی نام کی
 عصیت کے وجود کے متعلق بھی شکوک کا اشار کیا ہے۔ چنانچہ بروئیسر ندیر احمد^۱ نے
 ہی جنھوں نے "حافا" کے د و قدیم ترین ماخذ^۲ کے عنوان سے ۱۹۶۵ عیسوی میں ایک مقالہ
 مکر لہایف و مکتوبات کی عصیت کو سب سے پہلے د نہای علم و ادب کے سامنے پیش کیا تھا
 آثار د کٹر رکن اندین ہمایون نے کے اعتراضات کے جواب اور ان کے نقطہ نظر کی تردید
 میں بنی ایک مقالہ بہ عنوان "امالت لہایف اعرفی و مکتوبات اعرفی تاحیف سید اعرف
 جہانگیر سمنانی"^۳ لکھا ہے جس میں ان د ونون ہمایون کی داخل شہاد تون اور صوبہ کے
 تہ نرون کے حوالے سے مزید یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ د ونون تاحیف اعلیٰ میں اور
 سید ابرہ جہانگیر نام کی ایک عارف باللہ عصیت کا وجود بھی تھا۔ چنانچہ مناسب معلوم
 ہوتا ہے کہ موصوف کے مورخ الذکر مقالے سے چند اقتباسات ذیل میں پیش کیے جائیں۔
 "نوہندہ در این قون کہ لہایف اعرفی و مکتوبات اعرفی تاحیف
 د و نوہندہ است د چار انتباء شدہ در اصل این د و انرا ز
 آثار خود سید اعرف جہانگیر سمنانی است اما ہر د و را د و نوہندہ
 جدا گانہ فراہم آوری نمودہ بود ندہ لہایف اعرفی بوسلہ سید نظام
 یمنی و مکتوبات اعرفی بوسلہ سید عبد الرزاق حنی حنی جمع آوری
 شدہ و ہرچہ در لہایف و مکتوبات است از دقتہ سید اعرف جہانگیر

* تاحیف صد رعبہ فارسی منہم ہونیورسٹی عی کڑہ
 ۱۔ مدعہ ہو۔ یہ ماحی "ذکر و نذر" منہم ہونیورسٹی عی کڑہ بابت جنوری ۱۹۶۵ عیسوی
 ۲۔ ماحی "اند و ایرانہا" ایران سوسائٹی للکثہ بابت مارچ و جون ۱۹۶۵ عیسوی

ایست نه از هر دو مرتب و جامع و سید ابرو یعنی موافق هر دو کتاب
هم زمان حافظ بود و ع

«آقای فرح» که هر دو کتاب تالیف عبد ابرو از حنفی حنفی است
حنفی تعجب آور است زیرا جامع تالیف که درباره حافظ اسماعیل بهشتی
تأریف آورده سید نام یعنی است نه عبد ابرو از که مکتوبات را
جمع آوری نموده و هر دو مرتب هم زمان و از مریدان سید ابرو جهانگیر
بوده اند و بر هر دو بدون قرینه یکی از انتساب نموده غلط و
از اعتبار ساقط است ع

«آقای همایون فرح اسم موند را اکثرا» ابرو الدین نوشته و این
غلط است و تقریبا در هر صفحه هر دو کتاب لطایف و مکتوبات و
اسم موافق سید ابرو جهانگیر نوشته نه ابرو الدین و نمی دانم که
این اشتباه ناشی از کجا آمده است ؟

«از ضالعه» دقیق تالیف ابرو رفی و مستویا ابرو رفی دانستند محترم
آقای همایون فرح بدین نتیجه رسیده که نه نقد این دو کتاب مجبوس
و ساختگی است بلکه خود بحسب سید ابرو جهانگیر مشهور بنظر می آید و

در قطره نام سید ابرو جهانگیر تعریفی با د از نام جهانگیر هاشمی
کرمانی عارف قرن دهم زیرا که شخصی بنام سید ابرو الدین جهانگیر
(صاحب ابرو جهانگیر) اسمانی تا شتون شناخته نه شده و قطعا در
تذکره های احرار و هند از او ذکری و نامی بهمان نیامده است ع

« لایف اشرافی دارای اهمیت بود العاده میباید و بلمصی به همین جهت بشماره یکی از منابع عمده* مورخان و تذکره نویسان واقع شده و از این جمله هست عارف و نویسند ه شهر علی عبد الرحمن جامی که در نفعات ازین کتاب استفاده نموده اما نام کتاب نه نویسنده - چون معصوم است که - لایف اشرافی از نفعات ازیر قدیم تر است در مورد استفاده نمودن جامی ازین کتاب هیچ تردیدی باقی نماند - »

« همچنین اقوال هر دو نویسند ه درباره* کتاب خبند ی ه فرید الدین عارف ه غیر سعدی ه عراقی ه امیر حسینی ه نامده* یکنان است و هیچ شک نیست که یکی از آن از دیگری استفاده نه کرده باشد و چون لایف اشراف قدیم تر است باید تیار کرد که جامی ازو استفاده نموده - »

« اما نسخه های این کتاب خیلی مطلوب کتابخانه و نسخه جایی نیز بسیار غلط ها دارد - در نتیجه آن بعضی صاحب آ، کتاب غلط بنظر می آید و نیز در بعضی از بابها چیزها الحاقی هم دیده میشود - اما بنا بر اعتدال در نسخه ها و مطبوعات متون الحاقی که نتیجه غلط نویسی و عدم توجهی کاتبان بوده است نه نباید خود کتاب را مردود دقت و صاحب کتاب را محضیت فرنی قرار داد - »

« مقدمات نفعات ازیر که درباره* تصوف است کامده* به لایف اشرافی سابق دارد - »

پروفیسر نذیر احمد نے مندرجہ بالا اقتباسات میں لطایف کی اہمیت کی ثبوت میں جو دلائل پیش کیے ہیں، ان کے علاوہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اس کتاب میں پھمبیر اسلامؐ خلفائے راشدین اور بعد مشہور صحابہؓ کرامؓ، تابعینؓ، تبع تابعینؓ، ائمہ اثنا عشری اور بیشتر معاصر علما و فضلا و صوفیہ و مشائخ اور بعد بادشاہوں اور امرا کے نسب نامے، سیرت اور حالات زندگی درج ہیں۔ تصوف کے تمام خانوادہ دار اور ان کی مختلف شاخیں جو آج دنیا کے گوشہ و کنار میں پھیلی ہوئی ہیں اور جن سے بے شمار بلند گان خدا وابستہ رہے ہیں، اور تصوف کے جملہ اہم اور متنازعہ فیہہ مسائل و صوفیہ کے عقائد و نظریات اور ان کی مخصوص اصطلاحات کا مفصل بیان اس کتاب میں ہوا ہے۔ لیکن دقیق اور مشک مسائل کی تشریح و توضیح کے وقت بھی یہ امور ملحوظ رکھا گیا ہے کہ تصوف و شریعت سے جدا کا نہ کوئی سرپرست زندگی نہیں بلکہ پھمبیر اسلامؐ اور صحابہؓ کرامؓ کی سیرت طیبہ کی تقلید سے عبارت ہے۔

اگرچہ بیشتر صوفیائے کرام بالصورت حقیقی مشائخ دلی سے وحدت الوجود کے قائل تھے مگر اس پر باوجود وہ اپنے اس عقیدے کے اظہار کرنے سے اس لیے اجتناب کرتے تھے کہ اس کی نزاعوں اور باریکیوں سے ناواقفیت کی بنا پر عوام کے ہمراہ موبانیے یا خطرہ ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ ملفوظ لکھنؤ کی کتابوں میں بھی اکبر کے اس نظریے کا ذکر خاصاں میں ملتا ہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں جب کہ بہرون مند اور خود مند وستان کے علما و صوفیہ ابن العربی کے افکار و نظریات کے رد میں کتابیں اور رسالے لکھ رہے تھے، حضرت سید اعرف نے بہت عذ و مد سے توحید وجود کی تبلیغ و حمایت کی حتیٰ کہ ان کے مرید و خلیفہ نظام یحییٰ نے اس مسئلے سے متعلق ان کے افکار و عبادات اور دلائل و براہین کو ایٹ مستند باب یعنی لیلیٰ بہت و مفتاح کے تحت لطایف میں چم کر دیا۔

عربی و فارسی زیر وہ اشعار و غزلیات و قصائد و رباعیات اور مثنویان جن کو حضرت سید اشرف نے متصوفانہ مابیل کی تشریح و توضیح اور سلفیہ کے حاتم اور احوان و مقامات کے بیان کے ضمن میں بھی لکھے تھے و لٹایف میں نقل کردہ ہیں۔ اس کتاب نے مآخذ میں قرآن و حدیث و فقہ و اصول فقہ و علم کلام و طب و نجوم و منطق و فلسفہ اور تاریخ و تصوف کی قدیم ترین کتابیں شامل ہیں جن میں سے بعض مآخذ کے لحاظ سے پہلے درجہ پر ہیں و بعض دوسرے درجہ پر اور بعض تیسرے درجہ پر۔ لٹایف میں جن کتابوں کے اقتباسات موجود ہیں یا جن کے مآخذ مآلب بیان کیے گئے ہیں ان کے ناموں کی طویل فہرست کو دیکھ کر ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ملفوظ لغریجر کی تاریخ میں شاید ہی کوئی کتاب موضوعات و مضامین کے تنوع کے لحاظ سے اس سے ہم پلہ ہو۔

حضرت سید اشرف نے ہندوستان اور بھرون ہند کی اپنی دونوں مسافرتوں میں جن بلاد عربیہ کی سیر و سیاحت کی تھی ان کا جغرافیہ اور ان کی سیاسی و تاریخی حیثیت و اہمیت و عمان کے لوگوں کے رہن سہن کے طور طریقے اور ان کی مذہبی اور معاشرتی حالتوں کا بیان لٹایف میں جایا ہوا ہے۔ جن عجائبات روزگار کا انھوں نے مشاہدہ کیا تھا ان کی تفصیلات کے بیان پر مستعدا ہے۔ مستقل باب قائم کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں سلطان ابراہیم شاہ شرقی فرمانروایہ شہراز ہند جو نیپور اور امیر تیمور لندرا صاحبقران اور ہندو کے چھوٹے بڑے امرا و رؤسا اور ہند و راجاؤں سے متعلق بہت سی مفید اطلاعات درج ہیں۔ یہی نہیں بلکہ لٹایف غالباً تصوف کی وہ پہلی کتاب ہے جس میں وزراء امرا اور رعایا کی نفسیات کا لحاظ رہتے ہوئے بادشاہوں کے فراموش اور ان کی ذمہ داریوں سے بحث کی گئی ہے۔ ————— کوہا لٹایف موضوعات و مضامین کے تنوع اور بعض علمی و ادبی روایات اور تاریخی مواد کے لحاظ سے ملفوظات کی فہرست میں ایک امتیاز و حیثیت کی حامل کتاب ہے۔

درجہ لطائف کو علمی و ادبی دنیا میں متعارف کرائیے کی اولیت کا عرف
 پروفیسر نذیر احمد کو حاصل ہے مگر بعد میں خانوادہ "اعرفیہ" کے ایہ فرد سید وحید
 اعرفی نے موسوف ہی کی نثرانی میں اس کتاب کی پہلی جلد کا تنقیدی ایڈیشن تیار کر کے
 مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں جمع کیا جو ران کو ہی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی گئی۔
 ڈاکٹر سید وحید اعرفی نے ہی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے مذکورہ بالا تنقیدی ایڈیشن کو
 تیار کرنے کے علاوہ جو دیگر کتاب اور مضامین لکھے ہیں ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

(۱) صفحات ۱۱۰ پر تعلیمی نظر

ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ بابت جنوری و فروری ۱۹۶۶ء

(۲) تاریخ ہمدانہ و وفات حضرت سید اعرفی جہا نکیر سمنانی

ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ بابت مارچ ۱۹۶۶ء

(۳) تصوف اسمی کی ایہ ہندوستانی کتاب

(اعلامد اعرفی)

ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ بابت اگست و ستمبر ۱۹۶۸ء

(۴) حیات سید اعرفی جہا نکیر سمنانی

(کتاب)

۱۹۷۰ء

مطبوعہ سرفراز قوی پریس، لکھنؤ

پروفیسر نذیر احمد اور ڈاکٹر وحید اعرفی نے اب تذلل لطائف اعرفی ہو جو کام کیا ہے

اس کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس کتاب کے متنوں، موضوعات و مضامین کے بہتر نظر اس
 تحقیقی و تنقیدی تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے راقم الحضور نے ہی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے

• ریڈر و صدر شعبہ عربی و فارسی و مدرائے یونیورسٹی (مدراس)

جہوریہ ۱۹۷۸ء سے ڈاکٹر سمیع الدین احمدؒ کی ڈکرائی میں "لٹریچر عرفی کا تنقیدی جائزہ" کے مونی پر کام کرنا شروع کیا اور اس موضوع کے تحت جو مقالہ تیار ہوا ہے وہ حبذِ یل چار ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول۔

حضرت سید اعرف جہا نکیر سمنانی کی شخصیت

اگرچہ عمارا موضوع حضرت سید اعرف کے حالاتِ زندگی کی ترتیب و قد و بن نہیں ہے مگر چونکہ لٹریچر عرفی ان کے حالات و ملفوظات پر مشتمل ہے اس لیے اس کتاب کے تنقید کا جائزہ کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے یہ باب قائم کرنا ضروری سمجھا گیا۔
 ڈاکٹر وحید اعرف کی کتاب "حیات سید اعرف جہا نکیر سمنانی" کی موجودگی میں حضرت سید اعرف کے حالات اور ان کی تاریخ پیدائش و وفات پر متعلق مسائل سے تکرار کے خوف سے صرف نو تشریحیں بحیثیت مجموعی ان کی شخصیت کو یہ سرفہر کی کوشش کی گئی ہے۔ اس ضمن میں ان کے مشہور خطا کی علمی و ادبی حیثیت اور ان کے حالات کا جائزہ بھی مختصراً دیا گیا ہے۔
 حضرت سید اعرف البغدادی عہد کے ایک جلیل القدر صوفی اور عالم و فقیہ صوفیہ کے ساتھ ساتھ ایک ہر کو شاعر بھی تھے اور چونکہ ان کا "دیوان اشعار" نایاب ہے اس لیے دیوان مذکور سے ماخوذ جو اشعار موزونین و مثنویان اور رباعیات و قصائد لطیفہ کے اور ان میں جا بجا پتھرے ہوئے ہیں ان سب کو اس باب میں یکجا کر دیا گیا ہے تاکہ صوفی شاعروں کی فہرست میں ان کے مقام کا تعین کیا جاسکے۔ اس طرح یہ باب لطائف کے ان ابواب کا جو حضرت سید اعرف کے حالات و کوائف پر مشتمل ہیں وہ نہ صرف ایک تنقید کا جائزہ ہے بلکہ اسیران کی شخصیت کے تمام احوال اور مطلق کوشش بھی اس پر کرنا چاہیے ہیں۔

* ریڈر شعبہ فارسی و مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

باب دوم

لٹریچر کا تاریخی جائزہ

اس کتاب میں مذکورہ شخصیتوں کے حادثات اور واقعات اور بعض روایات

کے بیان میں تعریفات ملتی ہیں لہذا اس باب میں تاریخ کی کتابوں اور صوفیہ کے تذکروں کی روشنی میں ان کی نشاندہی کی گئی ہے اور صاحب مملوکیات کے معاصرین جو ترکستان و عرب و ایران اور ہندوستان کی علمی و مذہبی اور سیاسی تاریخ میں اہمیت کے حامل ہیں ان کے حالات اور ان سے متعلق بعض اطلاعات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ البتہ صرف انہیں شخصیات کے ذکر پر اکتفا کیا گیا ہے جن سے حضرت سید اشرف کی ملاقات ہوئی یا جن سے ان کے گہرے مراسم تھے یا جن کے بارے میں انہوں نے کوئی رائے پیش کی ہے۔ حضرت سید اشرف نے ہندوستان اور بھرون ہند کے جن بلاد شرقیہ کی سیر و سیاحت کی وہ ان سے متعلق لٹریچر کے مند ریات میں سے صرف انہیں کو اس باب میں شامل کیا گیا ہے جن سے عہد وسطی کے ہندوستان اور ایران کی تہذیبی و ثقافتی اور سیاسی تاریخ کو ترتیب دینے میں مدد ملنے کا امکان ہے۔

باب سوم

لٹریچر کی متصوفانہ اہمیت

اندرجہ لٹریچر میں تصوف پر تقریباً تمام مسائل کا احاطہ کیا گیا ہے

لیکن اس باب میں صرف انہیں مسائل کو زیر بحث لانا مناسب سمجھا گیا جو صد ہوں سے اہل صرف تصوف کے مختلف خانوادوں اور دوسری طرف علما و صوفیہ کے درمیان تنازعہ کا باعث بنے رہے ہیں اور جن کے منہ عام ہر آجائے سے مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے مابین اختلاف و بنیادی وجوہ کا علم ہوتا ہے۔

باب چہارم

لٹایف کی ادبی قدر و قیمت

اس باب میں لٹایف کی مختلف ادوار میں درج شدہ ایسے اشعار کو نقل کیا گیا ہے جن میں شاعروں کا نام یا تخلص ملتا ہے۔ اگرچہ نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید اشرف کی احباب اور ہم نشینوں میں کھیر کھیر کیسے ملے المرتبت عمرا عامر تھے بلکہ عمر و ادب پر ان کی گہری نظر اور نقد عمر کی استعداد کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ لٹایف نے ماحوذ ایسے د و اشعار کی تشریح کیے نمونے بھی اس باب میں نقل کیے ہیں جو مودنا روم سے منسوب ہیں اور جن پر بظاہر کفر و زندقہ کا اظہار ہوتا ہے لیکن حضرت سید اشرف کی بہت کردہ تشریحات کی روشنی میں وہ توحید و معرفت کا کنبہ معلوم ہوتے ہیں۔ لٹایف نے مسلسل "لٹایف پنجاہ و چہارم" سے جس میں تیرہ مولف شاعروں کا مختصر تذکرہ موجود ہے اس کتاب کی ادبی قدر و قیمت اور بھی برہنہ جاتی ہے۔ کیونکہ تحقیق و تنقید کی روشنی میں "لباب الالباب" کے بعد عمرائے فارسی کا یہ دوسرا تذکرہ ہے جو ہندوستان میں لکھا گیا اور اس شرح اگر^۱ باب کو علاحدہ کر دیا جائے تو "لباب الالباب" اور "تذکرہ دولت شاہ" کے درمیان ایسا بہت اہم کڑی کی حیثیت حاصل ہو جائے گی۔

زیر نظر مقالے کی تیاری میں رائف السطور کو ضروری اور اہم مواد کی فراہمی کیے گئے جن مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتابوں اور رسائل کی ضرورت پڑی وہ سب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مرکزی کتاب خانے سے دستیاب ہو گئے۔ —————

اجتہاد یہاں اس بات کی توضیح ضروری ہے کہ لٹایف کا تنقیدی جائزہ لیتے وقت اس کے بعض ہندو رجاء کو سمجھنے کے لیے مذتوبات اترنی (قلبی) کو بہتر نظر رکھنا ناگزیر ہے۔ مثلاً لٹایف کی تالیف کے آثار و اختتام کا سن یا تاریخ اس کتاب کے کسی بھی نسخے میں درج نہیں اور یہ بات

مرد منتویا سے معلوم ہوتی ہے کہ ۷۸۷ ہجری۔ قبل از اسلام تا بعد از اسلام کا نام ختم ہو چکا تھا۔
 چونکہ عرب سید اعراب تھے اپنے جن خزانوں میں مریدوں اور معتقدین کو تصور و تربیت کے
 واسطے یہ بارگاہ میں لایا گیا ہے وہاں کی ہدایت کی ہے وہ سب سے مذکورہ بالا کے
 بعد یہ لکھ ہو رہے ہیں۔^۱ مولانا صاحب نے چونکہ سید اعراب تھے ابتدائی حالات
 تو یہ نہ اور مرشد کی تدبیر میں سفر ہند کی تفسیر۔ دوسرے اصحاب سے سن کر لکھے ہیں
 اور حیران کن متعلق تاریخ و سائنس اور واقعات کے بیان میں جو یہ ترتیبی ملتی ہے اس کی
 تصدیق تو سچائی میں مکتوبات کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

اب میں اپنے استاد اور نگران ڈاکٹر محمد الدین احمد کا شکریہ ادا کرنا
 اپنا سوسوار فریضہ سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنی توانا علمی و تدبیری مصروفیات
 میں باوجود ہر ہر قدم پر میری رہنمائی فرمائی۔ ان کے اس سچے ندرانی اور مصداقہ فرائض
 سامنے نہ ہوتی تو اتنا جلد اس مقالے کو تیار کرنا میرا لیے مشکل تھا۔
 برویسر نذیر احمد اور برویسر حفیظ احمد دہلوی کا شکریہ ادا کرنا بھی
 میرا سوسوار فریضہ ہے کہ ان دونوں بزرگ اساتذہ نے مجھے ہمہ گیر مشق اور سمجھتی
 محوروں سے نوازا۔ ڈاکٹر (میر) ام حانی عراقی زمان کا بھی میں شکر گزار ہوں کہ
 انہوں نے اپنے غفلت آمیز شکامات سے مجھے اس مال کے کو بیابان تھماتے پہنچانے کا حوصلہ
 بخشا۔

آس میں مستقیم بھائی*** کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے بہت
 سی تحریروں میں اس مقالے کو قایم رکھا۔ یہ عوار مرحلوں سے گزار کر جمع کرنے کے
 نایب بنایا۔
 محی الدین اشہر

۱۔ مکتوبات اشرفی، مکتوب نمبر ۱۹۵۶/۳۲۲۰۰۰۰

* صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی ٹرہ

** صدر شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی ٹرہ

*** سینئر اسٹنڈنٹ ایڈمنسٹریٹیشن شعبہ فارسی مسلم یونیورسٹی علی ٹرہ

باب اول

حضرت سید اعرف جہا دیگر سعادتی کی خصوصیت

حالات زندگی کا اجمالی جائزہ

حضرت سید اشرف سمنان کے غامی خاندان میں پیدا ہوئے^۱ ان کے مورث اعلیٰ

۱۔ یہ قدیم شہر آج بھی ایران کے رقبہ* مملکت مین ایٹ قصبے کی شگن مین موجود ہے۔ اور دریائے مازندران سے کم و بیش ۱۰۰ میل واصلہاں سے ۳۰۰ میل اور کاغان سے ۵۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ طول البلد ۵۳ اور عرض البلد ۲۵ کا درمیانی حصہ اس تاریخی شہر کی نشاندہی کرتا ہے۔

۲۔ لایف اشرفی مین حضرت سید اشرف کی تاریخ پیدائش درج نہیں ہے اور سن وفات اس کتاب کے مابینہ اور مختلف قلمی نسخوں میں صوفیہ کے تذکروں میں اختلاف کے ساتھ ۷۹۲ ہ ۸۹۸ ہ ۸۰۸ ہ اور ۸۱۰ ہ ہجری پایا جاتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر سید وحید اشرف نے واضح دلیل کی روشنی میں سن پیدائش ۷۹۹ اور ۷۸۲ ہجری کے حدود میں اور سن وفات ۸۲۹ اور ۸۳۲ ہجری کے درمیان متعین کیا ہے۔ جہاں تک تاریخ و ماہ وفات کا تعلق ہے تو اسر بابت لٹایف کا بیان یعنی ۲۸ محرم الحرام بعد نماز شہر درست اور قابل تسلیم ہے۔ ————— مدحہ ہو* حیات سید اشرف جہا نکیر سمنانی* از ڈاکٹر وحید اشرف و ~~محقق~~ مہاراجہ ساجی راو* یونیورسٹی ہرودہ (کجرات) ۲۸ - ۳۰

سید تاج الدین بہلول^۱ کو جو سید محمود نور بخشی^۲ کے صاحبزادے تھے وہ سامانی خاندان کے دیر - و سرور حکمران امیر احمد بن اسماعیل^۳ نے مسند فرمان دہی پر جلوہ افروز ہوتے ہی اپنا فلعدان وزارت حویہ دیا اور اس کے تین سال بعد عراق عجم اور خراسان کے عدقیر بھی انھیں جا کبیر مین عطا کیے۔ امیر مذکور کے انتقال کرتے ہی سید تاج الدین بہلول نے خود مختاری کا اعلان کر کے اپنے نام کا خطبہ و سکہ جاری کر دیا اور عراق عجم اور خراسان کے درمیان واقع ایران کے تاریخی شہر سمنان کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ چونکہ

۱۔ حضرت سید عبدالرزاق نورالعین کی روایت کے مطابق سید تاج الدین بہلول کا نسب نامہ حسب ذیل اٹھارہ واسطوں سے حضرت سیدہ فاطمہ زہراؑ تک پہنچتا ہے۔
سید تاج الدین بہلول بن سید محمود نور بخشی بن سید علی اکبر بلبل بن سید مہدی بن سید اکمل الدین مبارز بن سید جہاں الدین بن سید عبداللہ بن سید حسین بن سید ابو حمزہ بن سید ابوموسیٰ علی بن سید اسماعیل ثانی بن سید ابوالحسن بن سید اسماعیل اعرج بن سید امام جعفر صادق بن سید امام محمد باقر بن سید نا امام زین العابدین بن سید نا امام حسین بن سیدہ فاطمہ زہرا۔ منقول از خاتمہ* مکتوبات اعرافی (مرتبہ سید عبدالرزاق نورالعین) مخلوطہ سبحان اللہ کلپکشن و مولانا آزاد لائبریری و مسلم یونیورسٹی علی ٹرڈ۔

۲۔ حضرت سید محمود نور بخشی کے متعلق مرتب مکتوبات اعرافی نے رہاست سمنان کی تاسیس کا ذکر کرتے ہوئے خاتمہ* مکتوبات اعرافی میں صرف اس قدر لکھا ہے کہ جب بھارا کے تخت کے لیے اسماعیل سامانی (متوفی ۲۹۵ ہجری) اور اس کے پٹائی محمود میں تنازعہ شروع ہوا تو اس نے اپنے وزیر نظام الدین ہرمکی کے منورے سے وقت کے مشہور خدا رسیدہ بزرگ سید محمود نور بخشی سے رجوع کر دیا ان سے دعا کی درخواست کی اور آخر کار جبر میں اس کو محمود پر فتح نصیب ہوئی۔ اسماعیل کی وفات سے بعد جب اس کا بیٹا احمد تخت نشین ہوا تو اس نے عہد تہمدی کے اظہار کے طور پر سید محمود نور بخشی سے صاحبزادے سید تاج الدین بہلول کو اپنا وزیر بنایا اور عراق عجم اور خراسان کے کچھ عدقیر بھی جا کبیر مین دے دیے۔

۳۔ عہد حکومت ۲۹۵۔۳۰۱ ہجری

سامانی خاندان اور نوربخشی خاندان میں آپس میں عقیدت و محبت اور قرابت داری بھی تھی۔ اس لیے سلطنت سامانیہ کے پٹان سے وجود میں آئی ہوئی یہ ریاست کبھی خود مختار اور کبھی باجگزارانہ طور پر تقریباً "چار سو برس تک قائم رہی۔"

ریاست سمنان کے موسر اعلیٰ سید تاج الدین بہلول کی نسل میں کئی پشتوں کے بعد ایبٹ شجر سید ابراہیم پیدا ہوئے جنہوں نے ساتویں صدی ہجری کے آخری ربع میں تخت سمنان پر جلوس کیا اور آٹھویں صدی ہجری کے پہلے نصف تک جود و سطا اور علم و عرفان کے دریا بہا تیر رہے۔ وہ اپنے خلیفہ اور نیک طبیعت حکمران تھے کہ کوئی

۱۔ سید عبد الرزاق نورالعین نے ریاست سمنان کی جو تفصیلات پیش کی ہیں ان سے اس کے وجود میں آمد اور اس کی بقا کے تسلسل کا علم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ لطائف کی ایٹ عبارت سے جو حضرت سید اشرف سے منقول ہے یہ مزید معلوم ہوتا ہے کہ نوربخشی سادات کو یہ ریاست مان کی طرف سے ترکہ میں ملی تھی۔ مسئلہ ہو

"حضرت قد وہ الکبرا میفرمودند کہ سلطنت ما از طرف مادر میراث رسیدہ چہ اجداد مادر ما از سلاطین سامانیہ دوہیت سال چہزی کم سلطنت در عراق و خراسان کردند"۔ (لطائف ج ۲ ص ۲۲۶)

اس عبارت سے اگرچہ یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ جرمان کی طرف سے ترکہ میں ریاست سمنان ملی تھی وہ حضرت سید اشرف کے اجداد میں سے کر کی مان اور سامانی خاندان کے کہ بادشاہ کی بیٹی یا قرابت دار تھیں مگر کم از کم یہ ثبوت مل جاتا ہے کہ اس ریاست کی بقا میں قرابت داری کا دخل ضرور تھا۔

۲۔ سید تاج الدین بہلول سے لے کر سید ابراہیم تک کئی پشتیں گزریں لیکن ان میں سے صرف چار حکمرانوں کے نام کا پتا چلتا ہے جو خاتمہ "مکتوبات اشرفی میں اس طرح در ہے۔"

سید ابراہیم بن سید عماد الدین بن سید نظام الدین علی شہر بن سید شہر الدین از اوداد سید تاج الدین بہلول۔

سلطان سید ابراہیم کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے مدخلہ ہو "لطائف اشرفی" (مطبوعہ نصرت المطابع دہلی ۱۹۸۵ ہجری) ج ۲ ص ۹۰-۹۱

سایں کبھی د ربار میر عالی طبع واپس نہیں لیا اور ان کو ایسی مقبوضت اور مردن عزیزی
 حاصل نہ تھی کہ رعایا کے جسموں میں ہر نہیں بلکہ دلون پر بھی حکومت کرتے تھے۔
 ان کی علمی دلچسپی کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں جب کہ تعلیم کا چرچا
 اتنا عام نہ تھا وہ ان کے عہد حکومت میں صرف سمنان کے مدارس سے بارہ ہزار طلباء مختلف
 علوم و فنون میں فارغ التحصیل ہوئے۔ سمنان کی مشہور خانقاہ کا گاہک چر کو
 شیخ علاء الدولہ سمنانی نے سولہ برس تک اپنے تلمیذ و ارشاد اور طالبان معرفت کی
 تعلیم و تربیت پر آباد رکھا وہ کی از سر نو تنظیم بھی انھیں کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی تھی
 اور اس کے سارے اخراجات ان کے خزانہ غامی سے ہی پورے کیے جاتے تھے۔ فقرا و مظاہر
 اور علما و فضلاء کی عقیدت مندی کا حال شیخ سمنانی اور ابراہیم مجذوب سے
 ان کے تعلق کی تفصیلات کو بڑھ کر معلوم ہوتا ہے۔ ان کے زمانہ میں عوامی فوج و بے ہودہ
 غوغالی اور عدل و انصاف کا ہر طرف چرچا تھا۔ لیکن حکومت و رعایا کی یہ ذمہ داریاں

- ۱۔ ابوالعکاسم رکن الدین علاء الدولہ سمنانی ہ سمنان کے ایک قریہ "بہا بانٹ" میں
 ذی الحجہ ۶۵۹ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۷۷ سال کی عمر پا کر ۲۲ رجب ۷۳۱ ہجری کو
 وفات پائی اور سمنان کے قریہ "صوفی آباد" میں مدفون ہوئے۔ ان کی شخصیت آٹھویں
 صدی ہجری کے علما و مشائخ میں بڑی امتیازی حیثیت رکھتی ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ
 ہو اس مقالہ کا باب دوم۔
- ۲۔ شیخ ابراہیم مجذوب بھی شیخ علاء الدولہ سمنانی کی طرح سلطان سید ابراہیم کے معاصر
 تھے۔ ان کے متعلق یوں تو بہت سی روایتیں مشہور ہیں لیکن صوفیہ کے بیشتر تذکروں
 میں یہ روایت تواتر کے ساتھ پائی جاتی ہے کہ وہ ہمہ وقت عالم جذب میں
 رہا کرتے تھے اور چند روز تو کچھ بھی نہیں کھاتے بھتیرے مکر یہ کھانے پر آجاتے تو
 سو سو من غلہ اپنے ہی نشست میں کھا جاتے تھے۔ لہذا یہ روایت یہ بھی منعوں
 ہے کہ سلطان سید ابراہیم کے یہاں دو تین ہفتیوں کے بعد جب کوئی اودد نہ رہتا
 پیدا ہوئی تو ابراہیم مجذوب ہی کی دعا سے حضرت سید اعرف اور ان کے چھوٹے بھائی
 سلطان سید محمد پیدا ہوئے۔ ملاحظہ ہو "لغات" ص ۲۰۹

ان کی دیندارانہ زندگی میں کبھی خارج نہ ہو سکیں و حتیٰ کہ سلو۔ میں بھی ان کو وہ بلند مقام حاصل تھا کہ ان کی چشمہ^۱ ریحانیت سے نہ جائے کتنیے تشنگان علم معرفت نے سہرا ہی حاصل کی۔

لائیف کی دوسری جلد (ص ۹۰) میں درج ہے کہ سلطان سید ابراہیم کی زوجہ^۲ محترمہ سیدہ خدیجہ بیگم کو بھی جو خواجه احمد یسوی کی اولاد سے تھیں، اپنے شوہر کی روح زہد و عبادت سے بڑا کھرا لٹاؤ تھا۔ وہ اکثر روزے رٹھا کرتی اور ان کے دن کا بڑا حصہ دعوت قرآن اور نوافل کی ادائیگی میں صرف ہوتا اور راتیں قیام و سجود میں۔ رجب گذرتی کہ نماز تہجد کبھی ترو نہ ہوئی۔ سو یا جملہ سامان تعمیر کی فراوانی کر باوجود سلطان و ملکہ نے دنیا کی رنگینوں سے کبھی اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دیا اور خود خدا کو اپنے دلوں میں اس طرح راسخ کر لیا کہ ان کی زندگی نامانہ جاہ و جلال اور فقر و استغنا کا حسین ترین امتزاج بن گئی۔

سلطان و ملکہ کو دنیا میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ ان کی چشم و ابرو کے انوار پر لوٹ پھٹ کی گہرائیوں بھائیے کو تھار رہے تھے۔ دربار شاہی میں سلطان پر سامنے علما و فضاہ امرا و رؤسا اور خواہ و عوام مدبستہ کھڑے رہتے۔ ملکہ کی

۱۔ مسند شوکتیہ۔ مکتوب دوم

۲۔ خواجه احمد یسوی و خواجه یوسف ممدانی کی چار جلدی القدر خلفا میں سے ایک تھے۔ وہ دین کی تبلیغ و اناعت کیلئے ترکستان گئے اور وہاں ننانوے ہزار مشایخ کی پیشوائی کی۔ اتر لہیران کو بھی خواہر عارفین و مقتدائے کاملین ترکستان کہا جاتا ہے۔ ان کی وفات ۵۶۲ ہجری میں ترکستان سے مقام "بہ" میں ہوئی اور وہیں سپرد خاک بھی کیے۔ لائف (مطبوعہ نعت احادیث دہلی ۱۲۹۸ ہجری) ص ۲۸۶۔

خدا مت میں شب و روز ہزاروں خادماؤں کا مجموعہ ہوتا — عجمی مذاہن کے موافق بنیے ہوئے
 قصر شاہی کی مضبوط فصیلوں کے اندر جمنا گئیے کا حوصلہ کسی عم و اند وہ میں نہ تھا —
 مگر جب دو تین ماحیزاد ہون کے بعد آئندہ ہر سبب ملکہ کی کوکھ نے کسی بچے کو جنم
 نہ دیا تو اولاد نرینہ سے محرومی کے غم نے تقاضائے بشریت کے تحت سلطان و ملکہ دونوں
 کو اندر رہی اندر کھانا غروں کر دیا — کبھی کبھی دونوں کے چہروں پر غم کی ہرچھانچان
 نمایاں ہو جاتیں مگر کسی کی زبان پر کبھی حرف شکایت نہ آیا کہ لونوں کو روح کی
 سہرا شیون میں ہلنے والے جان لیوا غم کا علم ہو سکے — البتہ راتوں کو ملکہ اپنے
 خاندانی بزرگوں کی ارواح کی رت متوجہ ہوتیں اور ان کے وسیلے سے بارگاہ ایزدی میں
 اپنے عم کا حال بیان کرتیں — اسی طرح نہ جانے کتنی راتیں نذر کشمیں کہ اپنے شب کو
 جب نہ بعد نماز عشاء روتیر روتیر ان کی ہچکچان بندھ گئی تھیں اور اسی حالت میں عنود کی
 طائر ہوتی تو خواب میں خواجہ احمد یسوی کو دیکھا کہ وہ فرما رہے ہیں —
 " ترا فرزند و نسب نمود کہ آفاق از سورتید و دیت

او منور گردد "۱

آٹھویں صدی ہجری کے تیسرے دہے کے قریب جب ملکہ سیدہ خدیجہ بیگم کی
 نود میں حضرت سید اسرف نے آنکھیں کھولیں تو ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں
 شادانہ رہیں زندگی کو برتتیر کے ساتھ ہی خدا رسیدہ و اندین نے ہر شے میں ان کے
 نرم و نازک دل میں خدا کی کبریائی اور پیغمبر اسلم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی
 محبت و عہد کا نقشہ چھائیے کی بھرپور کوشش کی — جہاں کی عمر بار بار ہ چار مہینے
 اور چار دن کی ہوئی تو مودنا میں سجاد اندین تبریزی کے درہمہ بسم اللہ

۱۔ لایف ج ۲ ص ۹۰

۲۔ ایضاً ص ۹۲

نرائی گئی جو ان پر پہلے استاد ہوئے۔ حضرت سید ارم کی ذہانت و ذکاوت کا حال یہ تھا کہ سات سال کی ہی عمر میں قرأت سبعہ میں کامل دسترس کیے ساتھ قرآن حفظ کر لیا۔ جب چودہ برس کے سن کو پہنچے تو علوم متداولہ میں وہ کام حاصل کیا کہ ان کا تبحر علمی دیکھ کر بڑے بڑے علماء و محدثین حیرت لائے۔ مان باب فی تعلیم و تربیت زیر بحث ہی سے ان کی طبیعت میں فقر و درویشی کا مہین پیدا کر دیا تھا۔ چہرہ کا نتیجہ یہ ہوا کہ تحصیل علم کے بعد جب مدرسہ بھی چھوڑ دیا تو اب اس سے وہ مسجد ہی میں معتکف ہو گئے۔ صرف وادعین کے رسم و خدمت کو محض اس میں شریک لے جاتے اور بغیر سارا وقت مسجد ہی میں عبادت کرتے ہوئے گزار دیتے۔ لہذا فرائض علمی کے لیے ہی سات بعد چھپا، اس لیے سربراہ تھا تو اس صدمہ کا نگاہ کو سہارنے کے ساتھ ہی ہندوہ برسر کی دھنسی میں ان کو حکومت سمنان کی باگدور بھی سنبھالنی پڑی۔^۱

حکومت کی مصروفیات پر ماضی وجود جب کسی درویش یا عارف کی حیرت سید اشرف کو ہوتی تو اس کی خدمت میں حاضر ہو کر سلوک کی بابت استفسار کرتے، مگر یہ سمجھ کر یہ انہیں دنیادار و رعایا کی دماغ داریانہ درپہ، مین و نوگ گاہا کرتے تھے۔ بادا ہتھی پر زمانہ پر سلوک کا داعیہ پیدا کرنے والی کتابیں ان کے سامنے میں رہنے لگی تھیں۔ چنانچہ ابتدا میں جن کتابوں کے صاحب سے اس کے دل کا غرار عشق بھڑک کر نکلے، نور بن دیا، ان میں مشنوی، مشنوی الشہداء کا نام خاص طور سے فائدہ دے رہے۔ تدریس میں ترو و ن سے پہلے سمنان میں چرموفی بزرگ نے سلوک میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ان کی رہنمائی کی، وہ خانقاہ سناکیہ کے روضہ روان شیعہ^۲ اندونہ سمنانی تھے

۱۔ "چوں و متولد شد و سن مبارک بچہ ارسا و چہار ماہ و چہار روز رسید بحد صغیر" عماد الدین تبریزی دربر آغاز سرد۔ "مسحہ ہو۔" صحیفہ اشرفی (علمی)

مولدہ مولانا سید نذراشرف قاضی و سن تالیف ۸۱۱ ہجری و ورق ۱۸

نیز مسحہ ہو مستویات اشرفی و ورق ۱۸۱

۲۔ لایف ۲ و ۹۳

۳۔ مسنفہ خواجہ شیعہ تبرید الدین عار

شہر سمنانی کے ایک معصوم بزرگ شیخ عبدالرزاق کا شی^۱ کی مجلس درس میں بھی ان کو شریعت
 عونیر کا شرف حاصل تھا۔ جہاں پہلی مرتبہ میر سید علی محمد ان^۲ کی ملاقات ہوئی۔
 شیخ عبدالرزاق کا شیخ نے حضرت سید ابرار کو "سبھا" "سبھا" تصور الحکم پڑھایا اور ان کے
 دل میں عقیدہ^۳ وحدت الوجود کو اتنی مضبوطی سے راس کر دیا کہ وہ زندگی بھر اسے
 جزو ایمان بنائیں رہے اور اس تعریف کی تبلیغ و مدافعت اسے دین و دنیا کی
 ہر اکبر پر کفر و زندہ کا فتویٰ لانیے والے بڑے بڑے علماء کے دہش و براہمن
 کی قیمت کے سامنے جواب دہ ہوئے۔^۴

حضرت سید ابرار کا دل جو ہر وقت عدل و انصاف اور خدمت کے فرائض کی
 انجام دہی میں مصروف رہتا تھا، کبھی ایسا لمحہ نہ بھی خدا کی یاد سے غافل نہیں ہوا
 اور یہ خود خدا ہی کا نتیجہ تھا کہ رعایا پروری اور فراست عدل میں ایسی شہرت نصیب
 ہوئی کہ اشراف سمنان کے تمام حکمران ان کا احترام کرنے لگے۔ دین و دنیا کی

۱۔ تفصیل کے لیے مدعاہ ہو اس مقالے کا باب دوم

۲۔ ایضاً

۳۔ شہر اکبر محی الدین ابن العربی ۲۸ جولائی ۱۱۶۵ عیسوی کو "اسہمن" کے مشہور
 شہر "مرسہ" میں پیدا ہوئے اور اکتوبر ۱۲۴۰ عیسوی میں دمشق میں وفات پائی۔
 تصور الحکم اور فتوحات مکہ جو شیخ اکبر کی مشہور تصانیف ہیں، وحدت الوجود
 پر مبنی ہر اصول پر اور اسے متنازعہ فیہ عقیدہ کا منبع سمجھی جاتی ہیں۔
 ۴۔ تصانیف کی دوسری جلد (۱۲۹) میں حاشیہ نام یعنی لکھتے ہیں۔
 "حضرت قدس وہ الکبر" می فرمودند چون در سفر ثانی بشرف
 تلقی اکابر بخارا مشرف شدیم و از فوائد مواید ایشان
 بہرہ مند آمدیم ذکر در وحدت وجود اعتقاد بہشتی از
 وحدت وجود منکر بودند، حضرت شیخ محمد بہرام بخاری و این
 فقیر (مراد از حضرت سید ابرار) بر ایشان اثبات دہند می کردیم
 و از ہر بخشی بوجہ معقول براہمن برای خاطر نشان ایشان
 می آوردیم۔"

نعمتدار سے د وچار رہتے ہوئے جب کچھ مد - نذر کشی تو حضرت / علیہ السلام / نے
 ا - رات تشریف لاکر مد و زبانی کے بغیر قلب منوبی میں اللہ کے اسم ذات کا
 تصور کرنے اور ہمارے انظار کا دھیان رہنے کی ہدایت کی - حضرت / علیہ السلام /
 کی تعظیم پر علم برتر ہوئے ابھی د و ہی سال ہوئے تھے کہ ا - شب کو حضرت اویس قرنی
 کی روح پا - نیر "اگر ہو کر اذکار اویسہ کی تعظیم سے منور فرمایا - حضرت سید اعرف کے
 د - مین جو عنی خدا کے د - ام مین پیر د - ام ہی اسیر تھا - وہ وقت سجدتی ہوئی چندا رہا
 تہزیر تہزیر ہو کر معلوم نور بن گھن اور آخر کار پچھراں کی عمر مین جب - کہ
 جنوم سمنان کی باگ ڈور سنبھال کر ہوئے د - رساں نذر چکر تھے - حضرت / علیہ السلام /
 ماہ رمضان کی ستائیسویں شب کو د و بارہ تشریف پیر اور فرمایا -

”اے اللہ اگر سرپرست انت وصال الہی و حریر مملکت طار نامتناہی
 می حوائی و - مقصود از استاں شہود و دلہ زار وجود از بوستان

ا - حضرت اویس قرنی (۶۶۱ - ۸۵۰ عیسوی) - سلمہ اویسہ کے بانی اور سونیہ کے
 بقیہ اولی کے پیر مشہد نمایندہ تھے - سواہر رہداد میں عار نے تد نرۃ ادویا
 (مسبوۃ نور کور دہور ۱۳۰۸ ہجری) کے صفحہ ۲ - ۱۷ پر ان کے حارت تفصیل
 پر در نے ہیں - عمدہ شیخ احمد شاہ الدین القلیوبی نے کتاب القلیوبی
 (مسبوۃ مجیدہ کا نمبر ۱۲۴ عیسوی) کے صفحہ ۱۴۵ - ۱۶ پر حضرت اویس قرنی
 کے ذکر کلسلیہ مین عمدہ جد الدین سیوی کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی ہے -
 چر کا ترجمہ حسب ذیل ہے -

”اسیر بن بابر نے حضرت عمر بن خطاب سے روایت کی کہ حضرت
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چہرالتابعین ایک مرد
 ہے - کا نام اویس ہے جو تعمیر ہمارے مبادین اسم نبی مدد کے ہے
 یمن کے امداد لشکر کے ساتھ آئے گا - انروہ کی بات پر خدا
 کی قسم کھالے گا تو اللہ اسے غرور عام فرما دے گا - پھر موفی نصیب
 ہو تو انیر چہر اسیر د غار مغرب کرانا - راوی / اسیر بن بابر
 نے کہا کہ حضرت اویس قرنی جب فاروق اعظم کے دور حفت مین تشریف
 لائے تو انیر انیر انیر واسیر د غار مغرب کرانی اور انون
 نے آکر انیر د غار مغرب فرمائی -“

حاصل ذم یہ ہے کہ حضرت اویس قرنی رفعت و منزلت اور
 تقدیم و برتری کے اعتبار سے یہ ”انہ“ روزگار تھے اور اسی لیے انھیں ”چہرالتابعین“
 کہا گیا ہے -

معبود جیدن میں داری برہیز و منہن و روی سوی بداد ہند آر
و بای عزم بر تاپ جزم در آر ۰۰۰۰ کہ آنجا دوستی از دوستان ما
بہنی و گنگام دن از گلزار چینی کہ از ولایت دناہایت او عالم
براست و مفراس عنایت ہی غایت او از عالم و آدم نہایت ہر ۰۰۰۰
اخبار او را صاحب قدم کوہند و ابرار و واجب قدم نامند و اوتاد
بہی صادق کوہند و ابدان عیسیٰ نضر خوانند و اصحاب وجدان و ارباب
عرفان شیخ عدہ اندین کچ نہات و بعضی مردم شیخ علاء الدین ہیں
بر زبان می رانند و ملکوت موسیٰ آثار میگویند و جبروت خلیل انوار
میگویند و عشای او را یوسف روی بیفتند و من کہ خنرم او را محمد خلی
مینویم ۰۰۰۰ الحج ۲۰

۱۔ سلطان العارفین حضرت شیخ علاء الدین ہندوی کا سلسلہ نسب حضرت خالد بن ولیدؓ پہنچتا ہے۔
رعد و ہدایت گیر لمیرے شیخ اخی سراج الدین (مرید و خلیفہ حواجہ نظام الدین اولیا)
گیر ہنگال پہنچتے ہیں ان کے علم و بزرگی کا شہرہ پھیل ہوا تھا ۔ چنانچہ شیخ عبدالم
محدث دہلوی " اخبار الامیار " (مطبوعہ مطبع مجتہائی دہلی و طبی ۱۳۰۹ھ) کے
صفحہ ۸۲ پر لکھتے ہیں ۔

نویند کہ چون شیخ اخی سراج با نعمت خلقت از بہر نظام اندین رخصت یافت
و خواست کہ ببان بولان اصلی متوجہ عود و بخد متوی التماس کرد کہ در آنجا
شیخ علاء الدین مرد در دانمند و عالی جاہ است و مراباوی چنوںہ بسر آمد و
فرمود غم مخور کہ ویر حاد م تو خواهد شد ۔
ابتدا میں حضرت علاء الدین کا شمار ہنگال کے اغنیاء میں ہوتا تھا ۔ بعد میں انھوں نے
فقر و دروہی اختیار کرلی اور مخلوق پر اس کثرت سے خرچ کرتے تھے کہ بادشاہ وقت
کہا کرتا تھا کہ میرا سارا خزانہ شیخ کے دودن کا خرچ ہے ۔ مدحہ مو خزینہ الامنیہ
از مفتی غلام سرور لاہوری (طبیع نولکنور دہور و ۱۳۱۵ عیسوی) ج ۲ ص ۲۶۹ ۔
بادشاہ نے عوامی مقبولیت کے خوف سے ان کو شہر سے نکلے یا نیے کا حکم دیا تو شہر سے
نکل کر وہ دوسان تہ " سنارٹاؤن " میں مقیم رہے اور وہاں انھوں نے اپنا خرچ دیکھا
نرد ہا اور فرماتے تھے کہ میرا خرچ مرہد کے خرچ کے مقابلے میں عشر عشر بھی نہیں ہے ۔
مرہد کی خدمت کرنے میں انھوں نے انتہا کردن تھی حتی کہ لندرا نیے کھ کرم دیکر سر
پر رنھتے رکھتے ان کے سر کے بال ختم ہو جتے تھے ۔ اخبار ادھیار ص ۸۲ ۔

درت خضر (علیہ السلام) کی بشارت پر صبح ہوئی ہی حضرت سید اشرف نے اپنے چھوٹے بھائی سید محمد کے سر پر سمنان کی بادشاہت کا تاج رکھا اور ان کو دینی و دنیاوی امور سے متعلق بہت سی مدد نصیحتیں کرنے کے بعد رخصت کی اجازت کے لیے والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیدہ حدیجہ بدم نے جو اپنے وقت کی رابعہ بصری تھیں وہ بخوشی انیر تخت جدر کو جائیز کی اجازت دے دیں، مگر ساتھ ہی ساتھ یہ خواہش بھی کی کہ وہ سمنان سے غامانہ کرو کر کے ساتھ روانہ ہوں تاکہ مان کے دن کو اس خیال سے بے کون ملتا رہے کہ بیٹا کوئی ملے فتح کرے کہا ہے۔

حضرت سید اشرف والدہ کی خواہش کو پوری کرنے کے واسطے تقریباً بارہ ہزار افواج و احباب اپنے ساتھ لے کر سمنان سے روانہ ہوئے۔ شیخ علاء الدین سمنانی بھی جو راہ سلوک میں ان کے پہلے رہنما تھے وہ رخصت کرنے کی غرض سے چند کورٹک ہمراہ آئے اور مناسب حال نصیحتیں کر کے واپس چلے گئے۔ حضرت سید اشرف جب بھارا پہنچے تو وہاں ایک مجذوب سے مذاقات ہوئی جس نے اپنی بھانسی کو ان کی بھٹانی پر اس طرح رکھا کہ ان پر پیر غموری کی کیفیت طاری ہو گئی اور پھر اس نے متروک کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ ادھر چلے جاؤ۔ جب وہ سمرقند پہنچے تو وہاں کے شیخ الاسلام نے ان کے استقبال میں ایک برتکلف دعوت کا اہتمام کیا۔ مگر اس ردعوت سے ان کی طبیعت میں ایسی الجھن پیدا ہوئی کہ وہاں سے بہت جلد روانہ ہو گئے۔ حضرت سید اشرف نے سرحد سمنان کے باہر تیسری منزل ہی سے سب کو رخصت کرنا شروع کر دیا تھا۔ کچھ لوگ اصرار کر کے ماوراالنہر تک بھی آئے تھے۔ لیکن جب وہ سمرقند سے چلے تو ان کے ساتھ صرف دو ہمراہی رہ گئے جو ہزاروں اصرار کے باوجود ساتھ چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ سمرقند کی سرحد کو بار کرتے ہی انہوں

نیر اپنے دونوں ساتھیوں کیے کھوڑے دوسرے آدمیوں کو دیر دیر اور اپنی سواری کا کھوڑا
 بھی ایسا محتاج کو دیر ڈالا۔ اب سمعان کے تحت غامی کو ہا مان کرنے والی وہ شخصیت کہ
 جریر واسطے دواڑے پر غامی سوار ہون کا مجبوم رہتا تھا اور جسے زندگی میں کبھی بہت
 چلنا نہ پڑا تھا وہ آج اپنے ٹویل مسافت طے کرنے کے لئے باہمادہ سفر کر رہی تھی۔ رات
 کے وقت اپنے گاؤں میں پہنچ کر چبا نھوں نے پناہ لی تو سفر کی تکان سے گہری نیند آگئی
 اور جب آدھی رات کو اچانک آنکھ کھلی تو دونوں ساتھیوں کو سوتا ہوا دیکھ کر دس میں
 یہ خیال آیا کہ ان کی رفاقت پر بھی چھٹکارا ہانا چاہیے تاکہ عالم تجرید کا فیضان اور
 زیادہ ہو سکے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ دونوں ہمراہوں کو گہری نیند میں چھوڑ کر
 ساموسی سے نکل گئے۔

حضرت سید اشرف کی زندگی کا یہ بہت سفر تھا جرمین نہ کوئی ہمراہ تھا اور
 نہ کوئی رہنما اور نہ ہی وہ ان راستوں سے واقف تھے جن پر چل کر انھیں اتباع علی کی
 منزل تک پہنچنا تھا۔ لیکن خدا کی راہ میں ترو وطن کر دیے نکلیے ہوئے اس مسافر پیرو سامان
 کی رہبری کا فریضہ حضرت خضر (علیہ السلام) انجام دے رہے تھے جن کے حکم کی تعمیل
 میں عزیز واقارب و بھائی بہن اور بیوہ مان کی جدائیاں ٹواری کی کھڑ تھیں۔
 اسی پیرو سامانی اور تنہائی کے عالم میں جدگلوں و بہاڑوں و ویرانوں و مرغزاروں
 اور دھوار گذار وادیوں کی طویل مسافت طے کر کے وہ اوج^۱ تک پہنچے جہاں اس وقت

۱۔ سلاطین ۲ پر ۹۲ - ۹۴

۲۔ اوج یا اوجہ (مستان یعنی موجودہ پاکستان کے صوبہ سندھ میں واقع ہے۔

دو سال تک دور دراز کی مسافت طے کرنے کے بعد جب حضرت سید اشرف ہند^۱ وہ کی سرحد میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ شیخ علاء الدین گنج نبات اپنے ہزاروں مریدوں اور معتقدین کے ساتھ شہر سے آئے۔ کوہ باہر آکر ایٹھ سنبھل کے درخت کے نیچے^۲ محفہ لہیر ہوئے ان کے استقبال کو کھڑے تھے۔ یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کے لیے ظاہری طور پر اترجہ اجنبی تھے، لیکن جذب دل نے ایسا جوں مارا کہ ان کی صرف کمال محبت سے چند قدم آگے بڑھے اور ادھر حضرت سید اشرف بھی دڑتے ہوئے آئے اور ان کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا۔ ان کے اسرار سے نہ چاہتے ہوئے بھی انہیں محفہ پر سوار ہونا پڑا۔ مگر اس کے باوجود ان کے ادب و احترام کا یہ حال تھا کہ خانقاہ کیمیا ساز پر نار پڑتے ہی بے اختیار سواری سے کود پڑے اور ان پر وجد کی ایسی کیفیت سار ہوئی کہ زبان سے بے ساختہ انعام جاری ہوئے۔ ان گنج نبات نے اپنے ہاتھ سے اپنے طالب داد کو بن بخت^۳ اور بان کھنڈا اور ارادت و خلق کی رسم کی ادائیگی کے بعد ایک حجرہ میں لیرا کر انہیں وحدت کے اسرار و رموز سے آگاہ کیا اور پھر تنہا چھوڑ کر خود باہر نکل آئے۔ اب پھر بعد جب شیخ نے حجرہ میں جا کر دیکھا تو مرید خیم وحدت سے ایسے سرشار نہ آ رہے تھے کہ حجرہ آفتاب کی طرح روشن ہو گیا تھا۔ ان کے جب اپنے چہیتے مرید کی یہ نورانی حالت مدعا فرمائی تو ان کو حجرہ سے باہر نہیں اور خانقاہ میں امر وقت موجود اصحاب کو نواہ کر کے مشایخ سلف کے وہ تمام تبرکات معہ عرقہ عطا کیے جو ان کو انہی

۱۔ ہند وہ شریف مغربی ہندال (ہندوستان کی مشہور زیارت گاہ ہے جہاں ہر سال رجب کے مہینے میں عرس کے موقع پر ہزاروں انسانوں کا ہجوم ہوتا ہے اور یہیں شیخ علاء الدین گنج نبات کا مزار شریف بھی ہے جس سے وہاں کے ہندو اور مسلمان دونوں عقیدت رکھتے ہیں۔

۲۔ یہ ایک سواری ہے جس پر ہندال زبان میں "کھاسن" کہتے ہیں۔ دایف ۲ ص ۹۶

۳۔ آج بھی اس کھانے کا رواج ہندال میں عام ہے جو بکیرے ہوئے چاروں کو ہندوؤں کے ہائی میں رکھ کر رات بھر چھوڑ دینے سے بنتا ہے۔

جب حضرت سید اشرف کو بندہ وہ شریف کی خانقاہ میں رہ کر سلو۔ کے مدارج طے کرتے ہوئے چار ماہ ہوئے تو بھی کو اپنے ام مرید کے لئے کسی لقب کی فکر ہوئی۔ چنانچہ لقب کی تجویز کے ارادے سے بندہ رہوین شعبان کی شب کو وٹاہ سے فارغ ہو کر وہ خلوت گاہ میں مراقب ہوئے اور صبح ہوئے ہوئے جب درود پوار سے "جہانگیر" جہانگیر" کی آواز سنی تو مرید کے لیے بھی خطاب عیبی اعدن فرمایا جو درجہ "قطبیت" پر فائز ہوئے۔ واضح اشارہ تھا۔ اسی سال کے ماہ رمضان کی ستائیسویں شب کو عین نے حضرت سید اشرف سے فرمایا کہ

"فرزند اشرف بستان استعداد از برای تو خشک کردہ ام و آنچه از بدایت کار و نہایت اسرار درکار بود ہمہ بر تو دادم۔۔۔۔ مناسب آنست کہ از برای شما مقامی فکر کنم کہ اعلیٰ روزگار بدولت وجود تو بنواید مستفید گردند و اعلیٰ دیار بنسبت شہود تو بنواید جدید بہرہ مند و زمرہ دم نشینان باد یہ ضلالت از شمع را بہدہ تو ہدایت یابند و فرقہ متمطلان وادی جہالت از زلال واسعہ تو روایت گیرند"۔^۱

لہذا حضرت سید اشرف کسی طرح بھی اس چشمہ عرفان و حقیقت سے جدا ہونے کو تیار نہ ہوئے۔ جس سے سیرابی کے لیے انہوں نے آرام و آسائش کی زندگی ترک کر فقر و مشقت کو سینے سے لٹایا تھا اور مرید کے سامنے اس طرح مجلے ہوئے جیسے کوئی بچہ اپنی ماں سے مچلتا ہے۔ بپد و ساب اور اسی طرح اصرار و اعتذار میں گذر گیا تو ایک روز عین نے پھر فرمایا۔

۱۔ لایحد ج ۲ ص ۹۹

۲۔ ایضاً ص ۹۹۔۱۰۰

”دین حقیقی است کہ تو مَطَّاحِ نیستی البتہ میں باید برہن
راضی شدن“^۱

حضرت سید انور نے مرشد کے امر حتمی فرمان کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔ چنانچہ
عید کے روز شعلی نے شہر کے تمام چھوٹے بڑے آدمیوں کو طاقاہ میں جمع کر کے ان کی موجودگی
میں انبیر چہیتیر اور مردان عزیز مرید کو لباس فاخرہ پہنایا اور نقارہ و علم عطا کیا اور
جونسور کی ودیت ان کے سر پر کر کے کوچ کا حکم دے دیا۔^۲

انبیر بھر سیر رخصت ہو کر جب حضرت سید انور بنگال کے مختلف شہروں اور قصبات
اور بہار کے قصبہ منیر شریف^۳ سیر کرتے ہوئے محمد آباد کھنہ^۴ میں وارد ہوئے۔ پہلی
مرتبہ اسی قصبہ میں ان کے علم و فضل اور روحانی کمالات کی آزمائش ہوئی۔ چونکہ ان
دیر ساتھ مریدوں اور متبع معتمدین کا اہمہ عجوم تھا اور سواری کے لیے اونٹ، اور کھوڑے
بھی اسی تعداد میں تھے، اس لیے اس ذوق لشکر کو دیکھ کر ان کے پہنچنے کی خبر کھر کھر
میں اٹھ اٹھی اور علما و فتنہ مدقات کو آئے لائے۔ سب لوت علمی و متعوفانہ مسابہ پر
بنیاد شدہ خیال کے بعد ان کی عالمانہ و عارفانہ شخصیت کے فائدے ہو گئے۔ اسی اثنا میں
جب مناقب خلفائے راشدین کی بات چلی تو انہوں نے اس مونی پر اپنا لٹکا ہوا ایک
رسالہ ان لوگوں کو پیش کیا جسے عام طور پر پسند کیا گیا۔ مگر چونکہ اس میں حضرت علی
کے مناقب نسبتاً زیادہ بیان کے کچھ گہرے تھے، اس لیے اس کو بنیاد بنا کر قاضی احمد
کی سربراہی میں بعض علما نے ان پر رفتار کا الزام لٹایا۔ انہوں نے اگرچہ افہام و تفہیم
کی ہر ممکن صورت اختیار کی مگر معترضین مفاعمت پر کسی اور بھی راضی نہ ہوئے اور نہایت

۱۔ تہذیب ج ۲ ص ۲۰

۲۔ اپنا

۳۔ منیر شریف (ضلع بہتہ) بہنوار شریف کے قریب واقع ہے۔ جہاں شیخ احمد بن علی منیر
کا مزار مبارک آج بھی مرجع حدیث ہے۔
۴۔ محمد آباد کھنہ موجودہ ضلع آٹھلہ میں واقع ہے۔

د پہا تو معتز ہوئے کہ کہیں د روئے میں گہ بڑھے لٹھے ہو کر مسجد کی پیر حرمتی کرنے میں
چنانچہ کچھ نائب علم ان سے بحث و مباحثہ کر لیتے آتے مگر یہ د پہا تو حیران رہ لیتے کہ
سارے جانور ایسے کر کے ان کی طرف اشارہ کرتے ہاتھ میں اور وہ خادم سے ان کو باہر
نہ جا کر لید اور پہنچا کر ان کی ہدایت د پتہ ہاتھ میں۔ اس پر تھوڑی دیر بعد
حضرت سید اشرف نے اعتواء کی نیت سے آتے ہوئے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔

”چون امتناع بہائم از مسجد بعلمت ثقافت باعد ہ میتوان بستن
اکر آن علت مفقود باعد ہ اما ادب آنست کہ نہ در آرنند ہ
ما جماعہ“ مافرانہم محافظت نبود ہ ضرورت شد کہ د رون آوردندہ
معذور خواہید دانستے^۱

یہ سب کچھ دیکھ کر لوگ حضرت سید اشرف کی بلند حالی سے واقف ہوئے اور
واپسی کو مناسب حیا کیا۔^۲ لیکن چند روز بعد اسی شافرا باد میں ایسے اور عجیب واقعہ
پہا ہا۔ اور وہ یہ کہ ایسے روز جب کہ نماز اشراق اور ولایت سے فراغت کر بعد حضرت
سید اشرف اپنے اصحاب سے محو گفتگو تھے ہ مسخرون کی ایسے جماعت ایسے زندہ آدمی کو
مردہ کی رگ کٹنے پہنا کر مٹی اور ترہ و زاری کرتی ہوئی اس کی نماز جنازہ پڑھانے کو
بولی۔ پہلے تو انھوں نے کچھ تامل کیا مگر جب بھانڈون کا اصرار پڑھا تو اپنے اپنے
سمراہی کو لونوں سے اجازت لے کر نماز پڑھانے کا حکم دے دیا۔ ادھر نماز جنازہ
پڑھانی گئی اور ادھر ملکہ الموت نے مصنوعی مردہ کی پیش کر لی اور اب حضرت سید اشرف
کی غمی اڑانے کے بجائے بھانڈون نے رونا دھونا شروع کر دیا۔ اس واقعے کی خبر
ایسی مشہور ہوئی کہ مسجد میں خلق خدا کا سیدہا امنڈ پڑا اور ہمہ وقت عقیدت مندوں کا

۱۔ دایہ ۲۔ ۱۰۱

۲۔ ایہا

۳۔ ایہا

۱
مجموع رحیم آباد -

حضرت سید اشرف کی بزرگی و کرامت کی شہرت سن کر زیارت کو آنے والوں میں
قبیلہ سرور پور کے شیخ کبیر نامی ایک فاضل نوجوان بھی تھے۔ پہلی بار وہ شیخ مد راندین
جراں ہند سے مرید ہوئے کچھ تھے مگر جہان کو دیکھا تو طبیعت مایہ نہیں ہوئی اور واپس
چلے آئے۔ چنانچہ جب حضرت سید اشرف کے حلقہ ارادت میں ان کے داخلہ ہو جانے کی

۱۔ لطائف ۲ ص ۱۰۱ - ۱۰۲

موہنا عدم سرور لاہوری نے خزینۃ الاسفیا (مطبوعہ شرمندہ لکھنؤ ۱۸۳ عیسوی)
کی پہلی جلد (ص ۲۷۸) میں "معارج الودیت" کے حوالے سے مذکورہ بالا روایت نقل کی
ہے۔ جہان بیان واقعہ میں بڑی حد تک یکسانیت موجود ہے وہیں اس عبارت ہے کہ
"و خدام را نیز همراه خود گرفته بر سر جنازہ تشریف آورد و خود امام شد و
تکبیر نماز بوقت بمجرّد تکبیر حضرت میر ملا الموت روح آن شہید قبض کرد۔"
یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مصنوعی مردے کی نماز جنازہ خود حضرت سید اشرف نے پڑھائی تھی۔
۲۔ افرا آباد میں حضرت سید اشرف کے ورود سے قبل شیخ کبیر نے یہ سوچ دیکھا کہ ایک
درویش جن کا قد میانہ و سن داڑھی اور نورانی چہرہ ہے، آئے ہوئے ہیں اور
مجید مرید کیا ہیں اور غربت و نان کھانے کو دیا ہے۔ میں کو بہار ہوئے تو
حاجی مد راندین جراں ہند کے پاس تشریف لے گئے، کیونکہ اس علاقے میں انہیں کی
بزرگی کا شہرہ تھا۔ لہذا جب یہ دیکھا کہ یہ وہ صورت نہیں ہے جو خواب میں دیکھی
تھی تو واپس ہو گئے۔ حضرت سید اشرف کی آمد کی خبر سن کر ان کے پاس گئے اور صورت
دیکھتے ہی پہچان گئے کہ انہیں کو خواب میں دیکھا تھا۔ فی الفور ان سے مرید ہوئے
اور انہیں مرید کے ساتھ سے غربت و نان دیا گیا تھا۔ حضرت سید اشرف سے ان کی ارادت
کا واقعہ جب حاوی جراں ہند کو معلوم ہوا تو ان کو ناسوار سائل فرمایا۔

لطائف ۲ ص ۱۰۲ - ۱۰۳

۳۔ حضرت شیخ مد راندین جراں ہند حضرت شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی / متوفی
۷۳۵ ہجری) کے مرید و خلیفہ تھے۔ انہوں نے اپنے پیر و مرشد کے حکم سے افرا آباد
میں سکونت اختیار کی اور ایک مدت تک مباحثہ و مکاشفہ میں مشغول رہے۔ بدشعبہ
ان کی متعدد کرامتوں نے مدھا انسانوں کے قلوب کی تسخیر کی اور ہزاروں بندگان
خدا نے ان کی رہنمائی میں راہ راست کو پایا۔

تفصیل کے لیے مدعا ہو۔

تاریخ شہراز ہند جونپور، از سید ابیال احمد رنوی / مطبوعہ نامی پریس لکھنؤ

۱۹۶۳ عیسوی) ص ۹۲۵ - ۹۲۶

اسحق حاجی جہاں ہند کو ملی تو تقاضا پر بشریت پر مجبور ہو کر انھوں نے شیخ ڈبیر کے
متمنی حالت جیل میں فرمایا ۔

” ڈبیر جوان میرا ہوا کہ ازین جا رفتہ و آنجا مرید عدہ ۱

ام بدلا کا علم اسی وقت حضرت سید اشرف اور شیخ ڈبیر د ونون کو ہذا ریمہ
دکھ ہو گیا ۔ حضرت سید اشرف انیس مرید مادی کی دلگیری د پلہ کر بہت متاثر ہوئے
اور ان پر فرمایا ۔

” فرزند کبیر عم مخور کہ پیر کبیر خواہی شد و لیکن از انجای

کہ مادر عدہ امانرا بخوشی کہ اپنا ترا ہم مادر خواهد شد ۲

شیخ کبیر نے عاجزانہ عرض کیا کہ میں ان کو کیا کہوں ہ بس جو کچھ انھوں
نے میرا کہا ہے وہی ان کو نصیب ہو ۔ حضرت سید اشرف نے ان کے اسرا د ب کو پسند کیا اور
دیا کہ منہت الہی واقع ہو چکی اور د ونون کا کہا پورا ہوا ۔ چنانچہ شیخ ڈبیر پچیس برس
کی عمر میں ہی بوڑھوں کی شرح ہوئے اور ان کے انتقال پر پانہ سال قبل حضرت شیخ حاجی
صدر الدین جہاں ہند کا جہاں عدایت گل ہو گیا ۳

۴ فرآباد میں کچھ عرصہ گذارنے کے بعد حضرت سید اشرف نے اصحاب و احباب
کو جونیپور کے لیے کو ۔ کا حکم دیا اور پھر اس شہر کے مسافات میں اس مقام کی جستجو

۱۔ لہ ایف ج ۲ ص ۱۰۲

۲۔ اپنا

۳۔ اپنا

بعد میں بزرگان سلف کی روحانیت نے ہم میں بڑکر ملی سفائی کرا دی تو یہ د ونون

بزرگاب د و سر کے اس آئینہ بانیہ اور کھانے چنے لے لے لہ ایف ج ۲ ص ۱۰۴

۴۔ جونیپور کی تاریخ تعمیر کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں ۔ تاریخ فرشتہ کی ایک

روایت کے مطابق ۶۶۵ ہجری میں بلبن کے زمانے میں جونیپور وجود میں آچکا تھا ۔

د و سری تاریخین اسے فیروز تغلی کے وقت سے منسوب کرتی ہیں جس نے محمد تغلی

(اصلی نام جونا تھا) کے نام پر شہر کا نام ” جونا پور ” رکھا جو بعد میں ” جونیپور ”

ہو گیا اور اس کی تعمیر ۷۶۰ ہجری کے قریب ہوئی ۔ تاریخ محمد ز میں اب ۷۶۱ ہجری

اور ۷۷۵ ہجری د ونون تاریخین موجود ہیں ۔ مدحاہ ہو ہ حیات سید اشرف جہاں ڈبیر ص ۷۷

خرو کی ہجرت نقشہ شہر اند نجات نیر ہند وہ سے رخصت کرتے وقت ہذ رمہ کشف ان کو
دکھایا تھا اور جو آج شہر دہلی کہ جوچہ عریف کے نام سے موسوم ہے^۱۔ جتانہ سب سے
پہلے وہ موضع کرمنی پہنچے ہجرت کو دیکھ کر یہ نعمان ہوا کہ شاید یہیں وہ جگہ ہے جس
کی طرف مرشد نیر اشارہ کیا تھا۔ مگر معاینے کے بعد جب تالاب اور ٹیلہ نہیں ملا تو
وہاں سے وہ موضع بعد وند^۲ شہر جہان کے زمیندار ملک محمود نے ان کا ہر تھاٹ غیر مقدم کیا۔

۱۔ حضرت سید اشرف کا مزار مبارک جو موضع مہین ہے اس کا نام آج کل " رسوں پور " ہے۔ دریاہ شریف کا عقدہ غالباً اس وقت سے نام اور محض جوہیوں کا مسکن تھا اور یہاں ٹرہنٹ لوگوں کی آبادی نہ تھی۔ جہاں آج مزار شریف ہے وہاں اس وقت ایک تھلہ تھا اور تھلے سے متصل ایک قاذب بھی تھا۔ لہذا یہ مہین اس قاذب کو " کون " کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے۔

سابقہ میں مذکور ہے کہ حضرت سید اشرف نے جب دوسرے مرتبہ جونپور کا سفر کیا تو کچھوجھہ تشریف لے کر آئے اور اس وقت اس علاقے کا بادشاہ ابراہیم شرقی تھا یعنی ۸۰۲ ہجری یا ۸۰۴ ہجری کے بعد کا یہ واقعہ ہے۔ لیکن بغلڑا خاں متالعہ لکھتے ہیں کہ حضرت سید اشرف نے کچھوجھہ تشریف لے کر اپنے واقعے کے بیان کی ترتیب مشتبہ معلوم کرتی ہے۔ اس لیے کہ مرشد کے حکم سے پہلے وہ یہ درخواست ہو کر وہ اسی کے کو صدر مقام بنائے گئے تھے۔ اسی بنا پر قیام پڑتا ہے کہ وہ جونپور کے دوسرے سفر میں نہیں بلکہ پہلے ہی سفر میں کچھوجھہ آچکے تھے۔ یہی نئی نیاں جن الفاظ میں بار مقررہ کی نشاندہی کی گئی ہے وہ یہ ہیں۔

” میان آن تان که دایره وار برآمد، است نقطه“ تدوید میشود

منزل خا - تو آنجا باند - لایف ۲ ص ۱۰۶

۲۔ موضع کریمپٹی آ بھی ابھی اسی نام پر موجود ہے۔ یہ مونی کچھوچھو سے چار میل جنوب میں واقع ہے اور آ بھی وہاں کی جھیل منامی لڑکوں کی تفریح گاہ ہے۔ — حضرت سید اشرف کا قیام اس گاؤں میں دو تین روز تک رہا تھا۔ — تالیف ۲ ص ۱۰۶

۳۔ موضع بعد وٹڈ کچھوچھو شریف سے متصل ہے اور آ بھی ملک محمود کی اولاد یہاں آباد ہے

جہاں آدراہ کچھوچھہ شریف واقع ہے وہ جہ بعد ونڈ سے چند ہی فاصلے پر ہے ۔
 اس لیے انھوں نے دیکھتے ہی اسے پہچان لیا اور منہ محمود سے ڈھا کہ یہی ہمارا مستقر ہے ۔
 یہ سن کر ملہ محمود نے بتایا کہ یہاں مد سے اسے صاحب استدراج جوئی اپنے ہاتھوں
 جیسوں پر ساتھ رہتا ہے ۔ مگر حضرت سید انور نے ان جوئیوں کی قلعی پرواہ نہیں کی اور
 انہیں اپنے نظیر مرید جمال الدین راویہت جوئی کو مقابلے کے لیے تنہا بعد دیا ۔ ان
 کی نشانہ کشیا اثر کے تحت سے جوئیوں نے جمال الدین کی روحانی نعمات کے سامنے اپنی
 استدراجی فوٹوں کے ہتھیار ڈال دیے اور روحانی فوٹ کی برتری کو تسلیم کر کے حضرت سید انور
 کے ساتھ بر حلقہ بند ہوئے ۔ اس میں مولویہ ۔ جوئیوں کے قبور اس میں سے اشراف و اکثاف میں ان
 کی وہ پیدائش ایسا غلغلہ بلند ہوا کہ غنہ خدا جوں در جوں ہیعت کے لیے آنے لگی ۔
 حضرت سید انور نے اس بارہ کا نام " روح آباد " رکھا اور ملہ محمود نے یہاں " خانقاہ
 انرفیہ " کی تعمیر کا کام شروع کر دیا ۔

حضرت سید انور نے ہندو وہ شریف میں ان کے پیر و مرشد سے حفت و اجازت ہائے
 پر بعد انھیں کے حکم کی تعمیل میں بلند ہوئے جوئیوں کے موجودہ کچھوچھہ شریف میں اپنی
 سائیاہ فایم کی اور پھر یہاں سے د و مرتبہ بیرون ہند کا سفر کیا ۔ جہاں مقصد اوسا
 و منایں کے مزارات مقدسہ پر حائری و حرمین شریفین کی زیارت و معاصر علماء و صوفیہ
 سے مدد و استفادہ و اسم کی تبلیغ و اشاعت اور راہ راست سے بھکے ہوئے مسلمانوں کی
 رشد و ہدایت تھا ۔ جب بیرون ہند کے پہلے سفر سے وہ ہند وستان آئے تو وہیں بنی نہات
 کی حد میں ہندو وہ جانے ہوئے راستہ میں شہر احمد بن ج بھی منہری کی نماز جنازہ

برہائی اور ان کی روحانیت سے مستفید ہوئے۔^۱ انھوں نے ہندوستان میں تصوف کی
لکھی شی جن کتابوں سے بھرپور استفادہ کیا تھا، ان میں فوائد الغواہ^۲ اور مکتوبات
شیخ احمد بن یحییٰ منہری کا ذکر خاص طور سے کیا ہے۔^۳

بیرون ہند کے پہلے سفر میں جن علما و مشائخ سے حضرت سید اشرف نے ملاقات کی،
ان میں شیخ عامد، عالم ربانی، نافع صدائی، امام عبداللہ یافعی البیہقی، شیخ فہم،
شیخ خلیل آقا اور خواجہ بہا الدین نقشبند کے نام خصوصیت سے قاید کر رہے ہیں۔ ان
چار بزرگوں کے علاوہ اور بھی بہت سے علما و مشائخ سے حضرت سید اشرف کو ملتے کا شرف
حاصل ہوا۔ مگر ان کے بارے میں لایف سے ایسی کوئی اطلاع نہیں ملتی جس سے یہ واضح ہو سکے
کہ ملاقات پہلے سفر میں ہوئی تھی یا دوسرے سفر میں۔ بیرون ہند کے پہلے سفر میں
حضرت سید اشرف کے ساتھ جو ایک اہم واقعہ پیش آیا، وہ یہ ہے کہ عراق میں جہان کا
نذر قبضہ بھگن میں ہوا تو وہاں حضرت سید شیخ عبدالعزیز جہدنی شی اواد میں سے ایک
عظیم سید حسن عبدالغفور سے ملاقات ہوئی جن کے نکاح میں ان کی ایک خاتہ زاد بہن تھیں۔

۱۔ تفصیل کے لیے مدحہ شجیرہ امثال کے باب دوم۔

۲۔ خواجہ ذام الدین اولیا کے حالات و ملفوظات پر مشتمل امیر حسن سجزی کی تالیف
جو ہندوستان میں لکھی گئی فارسی کے ملفوظات لکھنؤ کی تاریخ میں پہلی مستند کتاب ہے۔

۳۔ لایف ج ۲ ص ۲۷۳

۴۔ امام یافعی سے حضرت سید اشرف کی ملاقات حدیث موعی پر مکہ میں ہوئی۔ ان کی تعارف
میں تاریخ مرآۃ الجنان، عبرۃ المقلدان فی معرفۃ حوادث الزمان، روس الیہا میں
فی حکایات المالکین اور درر النظم فی بیان فضائل القرآن العظیم کے نام
مشہور ہیں۔ مدحہ لایف از ذام یعنی ۲۰۔ تفصیل کے لیے مدحہ شجیرہ
امثال کے باب دوم۔

۵۔ تفصیل کے لیے مدحہ شجیرہ امثال کے باب دوم

۱۔ ایضاً

۲۔ ایضاً

سید حسن عبدالغفور کرایہ صاحبزادے جن ا نام سید عبدالرزاق تھا ، حضرت سید اشرف کے
 ایسے سرویدہ ہوئے کہ بہن اور بہنوئی نے اس کے چتر پوشے کو ان کے قدموں پر لاکر ڈال دیا ،
 جب اپنے مدت کے بعد حضرت سید اشرف اپنی والدہ ماجدہ اور دیگر عزیز و اقارب سے
 مدافعت کے لیے سمنان تشریف لے گئے تو وہاں سید عبدالرزاق کو اپنی امی کی بہن کا
 دودھ پلایا کر اپنا لگا بھانجہ بنالیا اور اسے صرف شی عہۃ الدین کنج نبات ہندوی
 نے یہ بشارت پرور ہوئی کہ

” سید مبارک باعد کہ فرزند دینی از حضرت پروردگار ایہاد کردہ
 اہم از برای تو کہ سرحلقہۃ سلسلہ و ندوہۃ دودمان تو کردہ
 وصیت صرف تو بسببوی تا انصرام روزگار و انتقام ادوار پرروی
 زمین بماند و آن فرزند از دودمان تو باعد“

۱۔ لایفہ ۲ ص ۲۸۰

حضرت عہۃ الدین نے نبات کی بشارت کی تفصیل لایفہ کی دوسری جلد (ص ۲۷۹-۲۸۰)
 میں ان الفاظ میں درج ہے ۔

” حضرت قدوہ الکبرا در خلوت خانہ کہ بجانب خانقاہ خود متعین کردہ بودند
 فوہ در میان می بستند کہ از خلوت خانہ برآیند و روی بسوی حضرت پھر نہند
 کہ بیدبار آواز نعلین پھر برآمد تا برآمدن بدر خلوت رسیدند و بہ التفات
 تمام پرسیدند کہ سید بیہگار مشولید حضرت ایشان در جواب گفتند کہ میان
 برای خدمت می بندم و بلفظ در بار فرمودند اگر می بندی محکم بپند کہ هیچ
 در میان نداری و گفتند آرزوی نفر از میان بیرون برکشیدہ ام تا زندہ ام
 فرمودند مبارک باد و چون برآمدند اندر تغیر در بشرہ مبارک حضرت قدوہ
 الکبرا پیدا شد کہ قائم مقامی از ما برسر ترفہ این سخن بخاطر حضرت مخدومی
 محضی نمائندہ سر در جیب فرو بردند و بعد از دوسہ ساعت سر بر آوردند و
 بہ بشارت تمام فرمودند کہ سید مبارک باعد“

حضرت سید اشرف نے ہندوستان اور بھرون ہند کے دونوں سفر میں جن علاقوں کا دورہ کیا ان میں عراق، یمن، عرب، فلسطین، روم، شام، فارس، ماوراءالنہر، اوج، باغستان، اودھ، خجرات، بنگال، بہار، کلبرکہ، اور بنارس کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ جن معاصر علما و فضلا اور صوفیہ و مشائخ سے ان کی ملاقات ہوئی ان میں بصر سے انھوں نے خود استفادہ کیا اور بصر لوگوں نے ان سے بھی سلوک میں رہنمائی حاصل کی۔ وہ جس شان و شوکت سے سفر کرتے تھے وہ بصر لوگوں کو اگرچہ ایک آنکھ نہ بھاتی مگر علیٰ عداۃ تھی کہ جہاں وہ پہنچ جاتے زیارت کو فوج بھرتی۔ لوٹ جوں در جوں قدم بوسی کو آتے اور دولت ایمان سے مالا مال ہو کر لوٹتے اور جب تک اس جگہ سے نوح نہ کر جاتے مریدوں اور عقیدت مندوں کا ہجوم لگا رہتا۔ انھیں تقریر کی عادت نہ تھی لیکن مدہدہ منورہ، بعد ازاں اور ترکستان میں جب بصر بزرگوں کے اصرار پر مجبوراً تقریر کرنی پڑی تو ان کے زور خطاب نے سامعین کو مسحور کر لیا۔

حضرت سید اشرف کی شخصیت بادل نامی اور فقیری کا حسین ترین امتزاج تھی اور اسی وجہ سے وہ فقرا و مشائخ کے لیے بادل ناہون اور امرا سے مید جوں رکھنے کو مناسب سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں عوام میں یہ بات غلط مشہور ہوئی ہے کہ فقرا کو اہل دین سے سروکار نہیں رکھنا چاہیے۔ ان کے نزدیک یہاں اگر کوئی دینی کسی بادل شاہ سے راہ لے نہیں ملتا کہ وہ زہد و تقویٰ کے معاملہ میں اس کو کمتر سمجھتا ہے، تو اس کا یہ خیال جہالت اور غرور پر مبنی ہوگا۔ کیونکہ اخیر آپ کو دوسروں سے بہتر اور برتر سمجھنا اہلیں کی سنت ہے اور ایسا ہونے سے لوہ نہی کی طرف باہد ہونے کے بجائے

اور بھٹ جاتے ہیں۔ اگر کوئی د روہ کسی بادشاہ یا امیر کو خود سے بہتر تصور کر کے اس سے ملیر تو یہ عمل اس کو ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف لے جا ا ہے۔ جب نہ اہراروں کی ٹھکانہ کنہاروں کے فرد اعمال میں لہی جاتی ہیں اور نہ بدکاروں کے نفاہ ہ ٹھکان کے نامہ اعمال میں درج ہوتے ہیں ہ تو بادشاہوں اور امرا کے مراتب دینی کا تنز اور عبادت میں ان کی کوتاہی کسی صوفی کامل کے مشرب کو نقصان نہیں پہنچا سکتی^۱۔ چنانچہ حضرت سید ارف نے اپنی اس رائے کی حمایت میں جو د لیلین بہتر کی ہیں ہ وہ یہ ہیں۔

(۱) صوفیوں کا بادشاہوں سے پرہیز کرنا انھیں اپنے سے کمتر سمجھتا ہے۔

اس میں خود ستائی کی ہوا آتی ہے اور یہ نفس امارہ کے غلبے کی دلیل ہے^۲۔

(۲) بادشاہ یا عادل ہوگا یا ظالم۔ اگر وہ عادل ہے تو اس سے ملنا عین سعادت ہے^۳۔ کیونکہ عادل بادشاہ کے بارے میں یہ احادیث قدسی ہیں۔

(الف) عادل بادشاہ سے ملاقات کے وقت بادشاہ اور اس سے ملنے والے ہر خدا اپنی رحمتوں کی بارش کرتا ہے^۴۔

(ب) قیامت کے دن عادل بادشاہوں کو اللہ کی بہترین مخلوق میں جگہ دے جائے گی^۵۔

(ج) امت ساعت کا عدل ستر برور کی عبادت سے بہتر ہے^۶۔

۱۔ لطائف ص ۲ مر ۱۰۸

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ عند ملاقات الطوب تنزیل للرحمہ۔ لطائف ص ۲ مر ۱۰۸

۵۔ ان افق عباد اللہ عند اللہ منزله یوم القیمہ امام عادل و رفیق کامل۔

۶۔ لطائف ص ۲ مر ۱۰۹

۷۔ عدل ساعہ خیر من عبادہ سیکھن سنہ۔ لطائف ص ۲ مر ۱۰۹ //

حضرت سید اشرف نیر اسی راہ پر کو مفسد مزید با وزن بنانے کے لیے حضرت علیؑ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عادل بادشاہ کا وجود ابرباران سے بہتر ہے۔^۱ اثر بادشاہ عادل اور دہندار ہے تو اس کے واسطے دعا کو ہونا اور اس کی مدح کرنا عام خلافت پر لازم ہے اور اگر وہ ظالم اور فاسق و فاجر ہے تو اس کو امور حیرہ دہنداری و زہد و تقویٰ اور عدل و انصاف کی تلقین کرنیہ کیے نہیں عطا و منائیں ہر اس سے مغفلات فریں۔ مگر نصیحت کرتے وقت ان کے مراتب کا خیال رکھنا از حد ضروری ہے کہونکہ اگر باحسن وجوہ اسج نہ سی شئی توان کی طبیعت کو کرائی محسوس ہوئی اور اس کا اثر القا پڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جب شاہنشاہ د و جہان یعنی پروردگار عالم نے فراعنہ مصر کے ہاں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو تبلیغ کے واسطے بھیجا تو ان کو یہ حکم دیا کہ فرعون سے نرمی سے بات کرو۔^۲

حضرت سید اشرف نے اسی نظریہ تصوف کا کرشمہ بنا کہ وہ عام صوفیہ کی شرح خانقاہ میں نوشہ شہر موکر بھیجے نہیں رہے بلکہ اسلام اور اس کے عقاید و نظریات کی تبلیغ کی غرض سے زند کی بھر سفر کرتے رہے۔ یوں تو بہت سے امرا و رؤسا ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے اور ان کی معیت اختیار کر کے راہ سلوک میں اعلیٰ مقام تک پہنچے۔ لیکن بادشاہ جونپور ابراہیم شاہ غرقی^۳ اور بادشاہ مالوہ ہوشد خان غوری کے نام لکھے گئے

۱۔ سلطان عادل خیر من مطلق۔ (تاریخ سلطنت) ج ۲ ص ۱۰۵۔ ۲۔ لطائف ص ۲ ص ۱۰۵۔ ۳۔ سلطان ابراہیم شاہ غرقی (متوفی ۸۴۶ھ) نے جو سید جلال الدین بخاری کا مرید اور خاندان غرقیہ کا اولوالعزم بادشاہ تھا، اپنے جوالیس سالہ دور حکومت میں ملکی انتظام و انصرام اور فتوحات کا سلسلہ اتنا وسیع کیا کہ دہلی کی مرکزیت بھی متزلزل ہو گئی۔ اس کے عہد میں علما و مشائخ اور ماہرین فنون کا جمعہ شہر اور دہلی میں ہر وقت لگا رہتا تھا۔ معاشہ ہو وہ تاریخ شہراز ہند جونپور ص ۹۷-۹۲۔ ۴۔ ہوشد خان (متوفی ۸۴۵ھ) کا اصلی نام الب خان تھا۔ اس نے تخت نشینی کے بعد ہوشد خان لقب اختیار کیا۔ اس کا دارالخلافہ "مانڈو" تھا۔ معاشہ ہو۔ مانڈو و غادی آباد مصنفہ غلام یزدانی، اردو ترجمہ از مرزا محمد بشیر (مطبوعہ انجمن ترقی اردو و ہند دہلی ۱۹۶۲ء عیسوی) ص ۱

خلوٹ سے یہ بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی معہ شہر شخصیت نے ہندوستان کے ان دور و نامور حکمرانوں کو اس قدر متاثر کیا تھا کہ وہ انتظام حکومت کے معاملات میں بھی ان سے مشورہ کر کے خواہشمند ہوتے تھے۔

حضرت سید انور نے اپنے ایک مکتوب میں جو ہوشیاری کے اس خط کے جواب میں لکھا ہے جو اس نے اپنی رسم تاجپوشی کے موقع پر ان کے لئے لکھا تھا، اس کو طویل نصیحتیں کی ہیں اور عدل و انصاف کی اہمیت اور بادشاہ کے فرامین سے آگاہ کیا ہے۔ اس خط کو پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس میں ان کے لئے سلطان کی بادشاہت کے زمانے میں حاصل کیے ہوئے ان کے تمام تجربات کا انچور ہے، کر دیا ہے۔ یہ تحریر ان کی حرکی اور فعال شخصیت کا ایک ایسا اہم ثبوت ہے جس کی روشنی میں یہ بات بر ملا کہی جاسکتی ہے کہ تاریخ صوفیہ میں غالباً وہ واحد شخص ہیں جو علوم عربیت و شریعت میں غیر معمولی مہارت رکھتے ہیں۔ ساتھ ساتھ وزراء اور رعایا کے ساتھ بادشاہ کے تعلقات کی نوعیت، حکومت کے نظم و نسق اور ملکی و غیر ملکی سیاست پر اپنے تجربہ کار سیاست دان اور انسانی نفسیات کے ایک عظیم ماہر کی حیثیت سے بڑی بلیغ نظر رکھتے تھے۔ اس لئے یہاں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں متذکرہ بالا مکتوب سے چند اقتباسات کا ترجمہ پیش کیا جائے تاکہ ان کی معہ جہت اور تہمتوں تہدار شخصیت اور کف کر سامنے آسکے۔

سب سے پہلے وہ بادشاہت کے حصول پر اس نعمت کی شکرگزاری کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”اس نعمت کا شکریہ ادا کرنا چاہیے تاکہ نعمت اور شوکت میں اور زیادتی ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر تم شکر ادا

کروٹے تو ہم تمہیں اور زیادہ دین گئے۔

وزیر جندہ سبہ ساذر اور لشکر و افواج کے تعلقات آپس میں ایسا دوسرے کے

ساتھ کر سرج کر ہونا چاہئیں، مدعا ہو۔

”ایہ عافیت اور روشن راہیں وزیر جندہ ہونا چاہیے اور فوج کو اس کا

فرمانبرداری ہونا چاہیے اور اس کے حکم کے دائرہ کے اندر نقطے کی

طرح ان کی جگہ پر رہنا چاہیے۔

وزیر جندہ کو جن جن برائیوں سے بچنا چاہیے ان کا اجمالی بیان اس طرح ہوا ہے۔

”وہ امیر جو قوم کا ہمیشوا ہو اور لشکر کا سبہ ساذر جس کا مطیع

ہو یعنی وزیر جندہ اس کو چاہیے کہ نفسانی سواغبات سے خود کو دور

رہے اور حرام مشروب سے بچے۔ کیونکہ شراب عین کو زایل اور رائے

روشن اور فکر مائب کو برباد کرتے واسی ہے۔ کاموں میں سستی شراب

کا نتیجہ ہے کیونکہ غرابی آج سے ہزاروں کام دل پر چھوڑ دینا ہے۔

رعایا پر ظلم کرنے سے جو خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہیں، ان کا اجمال یہ ہے۔

”رعایا ظلم سے متذکر اور شکستہ دل ہو جاتی ہے اور تعمیر و زراعت

میں مشغول نہیں رہ پاتی۔ مائیں کمی ہوئی لڑتی ہے اور رعایا

بد حال ہو جاتی ہے۔ ملک میں غرابی پیدا ہو جاتی ہے، لہذا رعایا

بغاوت پر آمادہ ہو جاتی ہیں اور حکم سے سرٹا ہی کرتے ہیں۔

ملکی نظم و سیاست اور سفارتی تعلقات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

”وزرا اور ارکان دولت کو دوسری سلطنت کے امرا و مصلحین سے پہلے

باریابی دینا چاہیے تاکہ وہ فوجیوں کی ضرورت اور مطالبات کو

خلوت میں پہنچ کر کہیں اور انہیں ایسا جواب دینا چاہیے جس سے

ان کو پورا اطمینان ہو۔ امر کے بعد دوسرے ملکوں کے امرا و
 سلاہین کو ملنے کے موقع دین اور ان کے مرتبے کے مطابق ان سے
 بہت آئین اور ان کے رتبے کے مطابق ان کے اعزاز میں کمی نہ کریں۔
 حضرت سید انور کے عہد میں ہندوستان کے بیشتر علاقوں کے بادشاہ مسلمان تھے
 اور رعایا کی اکثریت غیر مسلم تھی۔ یہ بات وہ بخوبی سمجھتے تھے کہ مذہب کا جوش
 اور ہم مذہبوں کی حمایت کا جذبہ بعض اوقات اپنے مذہب کے بادشاہ کو دوسرے مذہب کی
 رعایا کے ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرنے میں مانع ہو جاتا ہے۔ مگر چونکہ وہ اسلامی
 اصول و عقائد کے زبردست مبلغ تھے۔ اس لیے انھوں نے مسلمانوں اور غیر مسلم رعایا
 رعایا کے جھگڑوں کے فیصلے کے وقت بھی انصاف کو قائم رکھنے کی ہدایت ان پر زور الفاظ
 میں کی ہے۔

”سلاہین و امرا کے بعد عام لوگوں کو باریابی کی اجازت دین اور
 رعایا اور مسلمانوں کے جھگڑوں کا سہلہ انصاف اور عریضت کے مطابق
 کریں۔“

بادشاہ کو کتنی احتیاط سے گفتگو کرنی چاہیے اور اس کی زبان سے نکلی ہوئی ہر
 بات کتنی اہم ہوتی ہے اس کا اندازہ حسب ذیل اقتباس سے بخوبی ہوتا ہے۔
 ”ہر شخص سے یہ ضرورت کلام نہ کریں، اس لیے کہ سلاہین و امرا کی
 گفتگو انعام کی خوشخبری ہے اور اکرام کی امید دلاتا ہے، اور ہر
 ایک کو خوشخبری دے کر امید وار بنانا اور اس سے وفا نہ کرنا ان
 بادشاہوں کا طریقہ نہیں ہے جو احسان کے زہور سے آراستہ اور ایمان
 کے نور سے منور ہیں۔“

ارکان دولت کی تقرری اور عہدوں کی تقسیم میں ذاتی لیاقت اور انفرادی

استطاعت کا خیال رکھنا کتنا ضروری ہے، مدخلہ ہو۔

” وکالت ایسے شخص کی سپرد کردین جو تہذیب اور طرز جواب ہو۔

ہرگز ہرگز بادشاہی احکام کی جاری کرنے میں مناسب میں اختلاف

نہ کریں اور اپنے کام دوسرے کی سپرد نہ کریں۔

امیر اقتدار میں حضرت سید انور نے حکومت و سیاست کا وہ اسلامی نظریہ

پیش کیا ہے جس کی رو سے زمین و آسمان کا حقیقی بادشاہ صرف اور صرف خالق کائنات ہے اور

اور دنیاوی بادشاہ دراصل روئے زمین پر اس کے ایسے نائب کی حیثیت سے ہیں، جن کا

فریضہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی جہرہ دستوں سے عوام اور کمزور بندگان خدا کی حفاظت

کریں اور سلطنت کے مابین دولت کو رعایا کی فلاح و بہبود میں لگا دین۔

” بادشاہوں کا مال راہ خدا میں محتاجوں کو سرب کرنے اور ان کی

جان معرفت و حقانی سے آگاہی ہے جس سے وہ تو جتنا جلد اپنے جان و

مال کو راہ حق میں لگا دین اتنا ہی بہتر ہے اور عمر و مال کا جو

حصہ راہ حق میں خرچ ہو وہی کارآمد ہے۔

حضرت سید انور یہ جانتے تھے کہ سلطنت کے انتظامی امور میں وزیر (جس کی

شخصیت بادشاہ کے بعد سب سے اہم ہوتی ہے) کلیدی رول ادا کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ

بادشاہ کی ذرا سی غفلت سے اکثر وزراء و وزراء نے تخت پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس لیے وہ وزیر

کی لہجہ دہندار اور اوصاف حمیدہ سے مستفہ ہونا ضرور سمجھتے تھے تاکہ اگر کبھی وہ

نہیں دیکھ سکتے تھے کہ بادشاہ کو معزوں کو دینا اور خود تخت پر قابض ہو جانا چاہیے

تو دہندار اس کے ارادے کو روکے عمل لائے میں مانع ہوئے۔ مدخلہ ہو۔

” وزیر جو کہ سارے علوم و فنون سے آراستہ و بہراستہ ہیں اور
بالخصوص دیندار ہونا چاہیے۔ چونکہ سلطنت کے امور میں حکم و
نظامین بھی وزیر کے محتاج ہیں، اس لیے اگر وزیر سلطنت پر قبضہ
کرنے کا خیال کرے تو دیندار اور مائع ہونی ہے۔“

بادشاہت دراصل مطلق العنانی اور علیحدت آمریت سرز کی حکومت ہے
جس میں عوام کے احساسات و جذبات اور خواہشات و ضروریات کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا۔
اس شخص سرز حکومت میں صرف ایک ہی شہر کی نمایاں ہوتی ہے اور اس کی زبان سے نکلا ہوا
ہر حرف فرمان کا رجبہ رتھتا ہے۔ کوئی شہر خواہ کیسا ہی عبقری ہو مگر کبھی کبھی
اس سے بھی ایسی غلطی سرزد ہو جاتی ہے جو کی تلافی ممکن نہیں ہوتی۔ تاریخ شاہد ہے
کہ مرد اپنی ذاتی رائے پر اصرار کرنے اور دوسروں کے مشوروں کو حقیر سمجھ کر رد
نہ کرنے کی وجہ سے بڑے بڑے فرمانرواؤں نے نہ صرف سلطنت و حکومت ٹھوٹی بلکہ اپنی
جانیں بھی کھو دی ہیں۔ حضرت سید اشرف نے اسی خطرے کے پیش نظر حسبِ میل اقتباس میں
موجود خان نو وزرا اور ارکانِ دولت سے مشورے کی ہدایت کی ہے۔

” حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آرا اور رسالت افزا
فکر و رائے کے باوجود ان کو امور میں مشورے کا حکم دیا گیا تھا
۱۰۰۰۰۔ کو بھی مشورے سے کام لینا چاہیے۔“

بادشاہ کے لیے ارکانِ دولت سے مشورہ لینے اور ایک مجلسِ مشاورت کے قیام کی
اعلیٰ ضرورت پیش ہوئے۔ لہٰذا میں ایک جگہ حضرت سید اشرف فرماتے ہیں۔
” سلطنت کے امور میں رائے دہنے کے لیے ایک مجلسِ مشاورت ہونی
چاہیے جو ملک کے اصحابِ رائے اور سربراہانِ لوگوں پر مشتمل ہو۔“

مشورہ کرنے کا اہم فائدہ یہ ہے کہ عقلاً کیے مشورے سے غیر ظاہر
 ہو جاتا ہے۔ کیونکہ عقول انسانی میں فرق ہونا ضروری ہے اور
 اختلاف رائے سے جو تدبیر حاصل ہوتا ہے، ان سے ان امور کی عقدہ
 کشائی ہو جاتی ہے جہاں تلوار کا کام نہیں دیتی۔ اگر رائے کی احتیاج
 نہ ہو تب بھی عوام کو مطمئن کرنے کے لئے ان کی سربراہ آوردہ لوگوں
 سے رائے لینا ضروری ہے۔^۱

حضرت سید انور کرمی مذکورہ بالا ارشادات سے جو ان کا نظریہ سیاست واضح ہوتا
 ہے وہ دنیا میں جمہوری اور حکومت کی موجودہ شکل کے برعکس ہے۔ کیونکہ آج کی
 دنیا میں جمہوریت کا مذہم یہ ہے کہ حکومت کو عوام کے منتخب نمائندوں کی اکثریت کے
 ذریعہ طے شدہ رائے کا باہند ہونا چاہیے، جب کہ حضرت سید انور کا نقطہ نظر اس سے
 مختلف ہے۔ نظام یعنی لائحہ عمل۔

”بہت سے عقلاً کا خیال ہے کہ مشاورت میں نقصان ہے کیونکہ اس سے
 افسانے راز ہوتا ہے۔ حادثہ کہ یہ عین کتمان ہے، اس لئے کہ اختلاف
 رائے کی موجودگی میں یہ کسی کو نہیں معلوم ہو سکتا کہ بادشاہ کو
 رائے پر عمل کرے گا۔“^۲

جن چیزوں سے ملک میں فساد برپا ہوتا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

”چار چیزوں سے ملک میں فساد ہوتا ہے۔ اول بادشاہ کی عیش پرستی
 سے، دوسرے مقربین کے ساتھ بد خلقی سے، تیسرے سے
 مجرموں کو سزا دینے میں مبالغہ کرنے سے، مثلاً ایک مجرم تازیانہ

۱۔ خلاصہ از لائحہ عمل ۲ ص ۱۱۰-۱۱۱

۲۔ ایضاً

کا مستحق میرا لیکن اسے نقد کا حکم دے دیا جائیے اور ہوتے رہا
ہر مسلسل ظلم سے^۱

اس کے بعد ترجمہ "ارد شہر بابکان" سے ایہ عبارت نقد کی گئی ہے جو کا ترجمہ

حساب میں ہے۔

"آد مہون کے بغیر ملے کی کوئی حیثیت نہیں اور آد می ماں و دولت
می سے ملے جتنے ہیں۔ ماں و دولت ملے کی آباد کاری می سے خاص
ہو سکتی ہے اور آباد کاری عدل و انصاف کے قیام سے ہوئی ہے اور
عدل و انصاف کا قیام سیاست سے ہوتا ہے۔"^۲

۱۔ حصہ از لایف ۲، ص ۱۶۶ - ۱۶۷

۲۔ ارد شہر بابکان صوبہ "فارہ" میں ایک جمہوری ریاست کا حاکم تھا۔ اس نے ۲۲۲ عیسوی
میں ارشاد انہوں (۲۴۹ قبل مسیح - ۲۲۶ عیسوی) کے خلاف بغاوت کردی اور تموڑے می
د نون میں ایران کے تمام مہر می صوبوں پر قابض ہو گیا اور ۲۲۶ عیسوی میں اشکانی
بایہ تخت "طیسفون" پر قبضہ کر کے اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ وہ ۲۴۱ عیسوی
تک بقید حیات رہا۔ اس میں جہانپانی و جہانداری کا خداداد ملکہ تھا۔ اس
کے کارناموں سے متعلق سامانیوں کے آخری عہد میں ایک تاریخ مرتب کی گئی جو کا نام "۔
"کارنامہ ارخستر بابکان" ہے۔ اسی کتاب کو موجودہ فارسی میں "ارد شہر بابکان
کہتیر" میں۔

منزلہ نہجیرہ تاریخ ایران جگہ از سائیکس (انگریزی) ج ۱ ص ۲۹۲ و ۲۹۸۔

۳۔ اس عبارت یہ ہے۔

و ملے الّا بالرجال ولا و رجال الّا بالمال ولا مال الّا بالمصارہ ولا عمارہ
الّا بالعدن ولا عدن الّا بالسیاست۔

۲۔ لایف ۲، ص ۱۶۶ - ۱۶۷

لٹایند و مکتوبات کیر مالمے سے عمین یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سید اشرف
کیر مریدوں اور معتقدین میں ایسے بہت سے امرا و رؤسا تھے جنہوں نے دولت و امارت
کو چھوڑنا چاہا، مگر انہوں نے سختی سے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ
”بی علیت روزگار و عوایق کاروبار سلوک پروردگار صوفیہ را
میسر است و مردانہ باید کہ ببہمت اسباب و تفرقہ دارا بدر
راہ آیند۔“^۱

ایدا جگہ اور وہ فرماتے ہیں۔

”اگر ہمیں بہت منہاہ کردہ نود ہمہ امرا روزگار و
وزرا نامدار و برابا اہل صنعت و حرفت درکار عبادت
و سلوک اعتغال دارند۔“^۲

حضرت سید اشرف نے اپنے دامن تربیت سے وابستہ تمام صاحبان ثروت کی تعلیم و
تربیت ان کو دنیاوی معاملات میں مشغول رکھ کر ہی کی۔ کیونکہ ان کے خیال میں دولت
و امارت تربیت کی راہ میں ہمیشہ حارج نہیں ہوتیں۔ وہ جہان جہان جاتے وہاں وہاں
حما و مشایخ کیر ساتہ ساتہ صاحب اقتدار لوگوں سے بھی ملتے اور ان کو جادہ^۳ حل
پر چلیں اور عدل و انصاف ٹاہم کرنیر کی تلقین کرتے۔ گویا وہ ایسا ہی حرکتی اور فعال
شخصیت کیر مالک تھے کہ ان کی قوت عمل اور جہد مسلسل سے جہان اہل طرف عام انسانوں کے
دلوں میں جو ایمانی اور زندگی کی حرارت پیدا ہوئی، وہ ہمیں دوسری طرف امرا اور
بادشاہوں کے دلوں کی دنیا بھی اے انداز سے بدل گئی کہ یہ لوگ اپنا ہر قدم

۱۔ لٹایند۔ ص ۲۔ ۱۲

۲۔ ایضاً۔ ص ۱۱۴

اسلامی شایعہٴ حیات کی پابندی میں افعالیہ لکھے اور اپنی اپنی حدود مملکت میں
 بند بان خدا کی فلاح و بہبود اور اسلامی اصولوں کے نفاذ کی ایسی بھرپور کوشش کی
 کہ ملحد آباد اور رعایا خونخوار ہو گئی۔

حلقہ نامدار

جب کسی بزرگ آدمی کی شخصیت کی تعظیم کی جاتی ہے تو امر کی اولاد اور امر کی غارت و احباب کو بھی ہرکھا جاتا ہے تاکہ وہ دھککا جاپے کہ امر نے اپنے اصحاب و متعلقین کو مثبت یا منفی پہلو سے کس طرح اور کس حد تک متاثر کیا۔ کیونکہ بعض اوقات اورد کر کردار کو دھککا دینا دین کے بارے میں رائے قائم کی جاتی ہے اور غارت کی استعداد سے استاد کی علمی حیثیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت سید اشرف نے چونکہ مجرد زندگی گذارے تھے اور لیران کی اولاد کے ہونے کا تو سوا ہی نہیں، البتہ ان کی معنوی اوردین و ان کے مریدین اور حلقہ میں جن کی علمیت و بزرگی کا حال لمایا میں جا بجا در کیا گیا ہے۔ حضرت سید اشرف کے مریدوں کی تعداد کا صحیح اندازہ لگانا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ جہ جہ وہ تشریف لے جاتے وہاں سود و سو نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں دور دراز علاقوں سے آکر لوہان کے حلقہ ارادت میں داخل ہوتے تھے۔ اگر آپ اشرف وہ سلو۔ من بلند مقام پر تائز تھے تو دوسرے اشرف علم شریعت میں بھی ایسی دستاویز رکھتے تھے کہ ہر وقت ان کے علم و فضل کا جھنڈا رہتا تھا۔ حضرت سید اشرف کی جدت علمی کا یہ حال تھا کہ بزرگ بزرگ علما ان کا امتحان لینے کی عرصے سے آتے مگر تباہ نہ کیا۔ یہ بعد ان کے اسیر قایم ہو جاتے کہ پھر آپ ان کی صحبت باصفا سے جدا ہونا نہیں چاہتے تھے۔ اگرچہ ان کے حلقہ ارادت میں عوام الناس کے علاوہ علما و فضلا کی بھی ایک بڑی تعداد تھی و مکر مریدوں کی چرکھ تعداد کا اندازہ ہوتا ہے، ام کی مناسبت سے حلقہ کی تعداد بہت کم نہ آتی ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ وہ سے تواجازت علما و بزرگ میں غیر معمولی احتیاط سے کام لیتے تھے

اس کا ثبوت یہ ہے کہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی جیسی دہندہ اور علمی شخصیت کو بھی جو مولانا محمد خواجگی کے مرید و خلیفہ تھے، ایسا مدت کے مجاہدے اور ریاضت کے بعد اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز کیا گیا تھا۔^۱ حضرت سید اشرف کے خلفا میں بعض ایسے حضرات بھی تھے جن کو ارادت و خلافت اولیٰ کی اور بزرگی سے طمع نہ تھی، مگر ایسا مدت ریاضات و مجاہدات کے مرحلوں سے گزارنے کے بعد حضرت سید اشرف نے بھی ان کو اپنی خلافت سے نوازا تھا۔ چنانچہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی اور شیخ ابوالوفا خوارزمی جن کا تفصیلی ذکر اس مقالے کے باب دوم میں آئے گا، انیسویں صدی کے خلفا میں سے تھے۔ لہذا ان دونوں حضرات کے عدوہ حضرت سید اشرف کے دیگر خلفائے سلسلہ اجلہ کا مختصر ذکر آئندہ صفحات میں کیا جاتا ہے۔

(۱) حاجی دالام غریب یمنی۔

مولانا حاجی دالام الدین یمنی جن کا شمار یمن کے جید علما میں ہوتا تھا، کی ملاقات حضرت سید اشرف سے اس وقت ہوئی جب وہ بیرون ہند کا دورہ کرتے ہوئے یمن تشریف لے کر گئے تھے۔ حضرت سید اشرف کی برجستہ شخصیت نے دالام یمنی اس قدر متاثر ہوئے کہ حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور پھر مرشد کے وصال تک سفر و حضر میں ساتھ ساتھ رہے۔

۱۔ مولانا عدم سرور لاہوری لکھتے ہیں۔

”قاضی شہاب الدین دولت آبادی قدس سرہ از عظمای شاکردان قاضی عبدالمقتدر و کبرای خلفای مولانا محمد خواجگی است و از سید میر اشرف سمنانی نیز استفادہ نمود در علوم دلاہری، ان و برموز باطنی شہرہ آفاق بود۔۔۔۔۔ و در عہد خود قبولی عظیم یافت۔“

غزنیۃ الافعیاء، ص ۲۹۰

۲۔ دلائل کی پہلی جلد (ص ۴۶) کی حسب ذیل عبارت سے بالکل واضح ہے کہ قاضی صاحب کو بارگاہ اشرافیہ سے بھی عذقت و اجازت ملی تھی۔ محضہ ہو۔۔۔۔۔ ریاضات شدیدہ و منہدات جدیدہ کہ شرف عذقت و اجازت یافتہ۔“

حضرت سید اشرف نے جو اپنی مریدوں سے سخت رہنمائی و مجاہدات کرائے تھے، راہ سلوک میں ان کے احکام عمل کو دیکھ کر بہت جلد انھیں خلف و اجازت سے سرفراز کر دیا۔

نظام یعنی کے تفسیر اور تفسیر علمی کا اندازہ لٹایف کے مآلے سے بخوبی ہوتا ہے جو ان کی کاوشوں کے ثمرات سے آگے بڑھ کر سامنے مدون حالت میں موجود ہے۔ اس میں نہ کہ یہ کتاب حضرت سید اشرف کے ملفوظات پر مشتمل ہے، مگر جن فقہی اور متوفانہ مسائل کو اس میں زیر بحث دیا گیا ہے ان کو صرف سن کر حلقے میں معطوط کر لینا اور پھر ہمیشہ قلمبند کر دینا بھی کچھ غیر اہم اور آسان کام نہیں۔ اس لیے کہ حضرت سید اشرف جیسی عظیم شخصیت کے ملفوظات و ارشادات کی تدوین کے لیے بھی علمی بصیرت، فکر و نظر کی کھراچی، مآلے کی وسعت، ادب و انشا پر قدرت اور فنی جابکدستی کی مدد ضرورت تھی۔ نظام یعنی شاعر بھی تھے اور "غریب" تخلص کرتے تھے۔ اگرچہ لٹایف میں اب بھی عمران کے نام اور تخلص سے منسوب نہیں ہے، مگر چونکہ وہ روایات اور واقعات کے بیان کے بعد مناسب موقع و محل پر بڑی برجستگی سے صوفی شعرا کے اشعار نقل کرتے ہیں، انھیں دیکھ کر چاہتا ہے کہ ایسے بہت سے اشعار جو کسی شاعر کی طرف منسوب نہیں، انھیں دیکھ کر وندے اور ہوسکتا ہے کہ انہیں پھر و مرعد کے ملفوظات و اشعار کے ساتھ بحیثیت شاعر اپنا نام لٹھٹا انھوں نے ادا کیا ہو۔ لٹایف کے سیکڑوں صفحات میں اس لیے شرف نظام یعنی نے علوم و فنون کی رنڈا رنڈی اور ادب و انشا کے جوہر دکھائے ہیں تو دوسری طرف اس کتاب کے ہر صفحے سے ان کا نکھرا ہوا لٹھٹا شاعرانہ مذاں بھی سامنے آتا ہے۔

لٹایف کے مآلے کے بعد بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ نظام یعنی نہ صرف ایک عالم اور شاعر و ادیب تھے، بلکہ ایک ایسی متوازن اور توان فدر شخصیت کے بھی

ما۔ تعمیرِ جهان سے احقر، صداقت، دیانت داری، حقیقت پسندی، انتظامی نگر، تجزیاتی انداز اور جرأتِ اظہار کے ہمنام اہلِ حق اور شاہدِ انہیں اوصاف کی وجہ سے حضرت سید اشرف نے ان کو وہ قربِ خاص عطا کیا جو سید عبدالرزاق نورالعین کے علاوہ کسی اور کو میسر نہ تھا۔

(۲) سید عبدالرزاق نورالعین۔

مخدوم آفاق مودنا سید عبدالرزاق جو نسباً "خاندانِ غوثیہ" کے جسم و روح تھے، کا شمار حضرت سید اشرف کے خلفائے بار میں ہوتا ہے۔ اس میں غٹ نہیں کہ حاجی نظام یعنی یہ اپنے مرشد کے ملفوظات و ارشادات کو مدون کر کے علمی و ادبی تاریخ میں اپنا نام محفوظ کر لیا ہے، لہذا جرِ عمر کو حضرت سید اشرف نے اپنا نام مقام اور سجادہ نشین نامزد کیا، وہ ان کی خالہ زاد بہن کے صاحبزادے سید عبدالرزاق تھے جن کو انھوں نے اپنی فرزندگی میں قبول کر لیا تھا۔

بھرون ہند کے دوسرے سفر میں مختلف عقوبتوں کا دورہ کرتے ہوئے جب حضرت سید اشرف قصبہ کھنڈ تشریف لے گئے تو وہاں ان کی مدقات سید عبدالرزاق سے ہوئی جن کی عمر اس وقت صرف بارہ سال کی تھی۔ ٹیلان میں چند روزہ قیام کے دوران سید عبدالرزاق ان کے چچا ایسے گرویدہ ہوئے کہ والدین نے اپنے لختِ جگر کو ان کی خدمت میں بھیج کر دیا اور اپنے تمام حقوق سے دست برداری حاصل کر لی۔ حضرت سید اشرف نے اپنی خالہ زاد بہن کے چچا کو اپنی فرزندگی میں قبول کر کے بقول حاجی نظام یعنی "نویا ہرانی قرابت دارا کو از سر نو زندہ کر دیا"۔

۱۔ مخدوم آفاق، حضرت سید عبدالرزاق کا لقب تھا جو "قبہ" اشرفیہ "میں ان کے مزار سے متصل شرقی دیوار پر کندہ ہے، اور اسی سے ان کا سن وفات ۸۷۲ ہجری نکلتا ہے۔

۲۔ لہذا یہ ۲۸۰ ہجری

حضرت سید عبدالرزاق کو فرزند ی مین لہنے کے بعد حضرت سید اعرف جہان جہان
 غیہ وہان وہان ان کو ساتھ رکھا اور جن صوفیہ و مشائخ سے ملاقات کی وہ ان سب سے انہیں
 فہر یاب کرایا ۔ حضرت سید عبدالرزاق نے بھی حضرت سید اعرف کی فرزند ی مین آجانیے کے
 بعد ان کی خدمت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی اور اپنی سعادت مندی کا مظاہرہ اس
 روح ثباتہ ان کے احکام کی تعمیل میں ہر وقت کمر بستہ اور مستعد رہتے اور عہدہ دوسرے
 مریدوں پر سبقت لے جاتے تھے ۔ چنانچہ تمام یعنی ایسا جگہ لکھتے مین ۔

••••• قریب سی سال شریف خدمت حضرت قد وہ الکبرا سیردہ و
 سفر و حضر حاضر بودہ درین مدت گاہی یاد ندارد کہ
 حضرت ایشان امری فرمودہ باشند بجز سید زادہ دیکر سبقت
 کردہ باعثہ^۱

یہ حضرت سید عبدالرزاق کے جذبہ خدمت اور ان کی سعادت مندی ہی کا
 نتیجہ تھا کہ ان کی فنیلٹ اور عالی مقامی کے بارے میں حضرت سید اعرف نے کمال محبت
 سے حسب اہل ارعاد فرمایا ۔

” عینی زادہ کم بر بادہ یافتہ شدہ من خود عینی زادہ دارم
 نہ عینی زادہ نباعد و کار او عینی زادہ نباعد و دہکراں
 از طلب میزایند عبدالرزاق را من براہ چشم زادہ ام باوجود
 آن کہ نسبتہا دارم ”^۲

۱۔ مراد از حضرت سید عبدالرزاق نورالعین

۲۔ لہایف ۲ ص ۲۸۱

۳۔ حضرت سید عبدالرزاق کو حضرت سید اعرف محبت سے ” نورالعین ” کہا کرتے تھے ۔

۴۔ لہایف ۲ ص ۲۸۱

چونکہ حضرت سید اشرف نے نگاہ نہیں دیا تھا اور ان کی معنوی نسل کا سلسلہ

حضرت سید عبدالرزاق سے جاری ہونا تھا، اس لیے انہوں نے اپنی اس معنوی اولاد کی تعلیم و تربیت میں غیر معمولی توجہ صرف کی، حتیٰ کہ حضرت سید عبدالرزاق کے ماحیزاد کا کی تربیت میں بھی انہوں نے بڑی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت سید عبدالرزاق کی عادی موضع نصیر آباد (ضلع فیض آباد) جو کچھوچھہ شریف سے درمیان شمال کی جانب دریا کے کنارے آباد ہے، کے ایک سید کھراٹے کی ساتون سے عوی تھی جن کے بطن سے پانچ لڑکے پیدا ہوئے۔ چنانچہ صاحب صحیفہ اشرفی (ورق ۱۳۰) لکھتے ہیں۔

”جون حضرت مخدومی شاہ حاجی الحرمین از سن شریف خود آورد ہ علم ظاہری و باطنی تعلیم نمودند بموضع نصیر آباد کہ در آنجا سادات صحیح النسب از سابق آباد بودند شادی کردند و اورا پنج پسر عالی شہر بوجود آمدند۔“

حضرت سید اشرف نے تاج شاہی کو ٹھکرا کر فقر و درویشی اختیار کی تھی اور یہ پائتیر تھے کہ حضرت سید عبدالرزاق اور ان کے اولاد و احفاد بھی دنیاوی دولت و امارت کے مقابلے میں فقر و درویشی کو قابل فخر سمجھیں۔ چنانچہ نہ حضرت سید اشرف نے کسی بادشاہ یا رئیس کی بھینہ کر دی، کوئی جائیداد قبول کی اور نہ ہی ان کے فرزند حضرت سید عبدالرزاق نورالمین نے کسی امیر کے تحفوں کو قابل اعتنا سمجھا۔ حضرت سید اشرف نے ایک بار حضرت سید عبدالرزاق اور ان کی اولاد کے بارے میں بڑے بزرگ انداز میں فرمایا کہ

”عبدالرزاق و فرزند ان اورا بجزانہ الہی شریعت ساختہ از حضرت نامتناہی درخواست کردہ ایم کہ اگر اولاد و احفاد عبدالرزاق

فانع بودند هرگز بکسی محتاج نشوند و به اندک توجه آنها
عصب مردان در غار خواهد بود و اگر بر در محلول روند
خوار گردند"۱

حضرت سید عبد الرزاق کے صاحبزادوں سے حضرت سید اشرف اتنی محبت کرتے تھے
کہ ایک مرتبہ انھوں نے حالت جوہ میں فرمایا کہ

"فرزند ان نورالعین کو دوست رکھنے والا میرا دوست ہے اور ان
کا دشمن میرا دشمن ہے اور جو میرا دشمن ہے وہ جہنم خاندان
جست و دو مان اہل بہشت کا بد خواہ ہے"۲

(۲) عین کبیر العباسی -

عین کبیر کو حضرت سید اشرف کے تمام مریدوں و اصحاب و احباب اور
حفاظ میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ وہ اخیر پھر و مرشد کے سوری و معنوی التفات
سیر ارشد تک مالا مال تھے کہ حضرت سید عبد الرزاق کو بھی رش ہوتا تھا۔۳ حضرت سید اشرف
نے ایک دفعہ ان کو جن محبت پھر التفات میں یاد کیا ہے وہ یہ ہیں۔

"فرزند اعز اکرام شیخ الاسلام و مدلقہ الاکابر عین کبیر ماں عمرہ"۴

عین کبیر کی عالی مقامی اور فضیلت مآبی ہی دلیل کے واسطے۔ ایف کی پہلی

جلد (۵۱) کی یہ عبارت کافی ہے کہ

۱۔ نظامیہ - ۲ ص ۳۸۲

۲۔ ترجمہ از لایف - ۲ ص ۷۱۱

۳۔ لایف - ۱ ص ۳۹۹

۴۔ ایضاً - ص ۷۷

” حضرت کبیر عجبہ روزگار و زبدہ ” اوچا ” اعصار خود بودہ اند ”

ایہ اور جگہ شہ کبیر کی فنمیت کا ذکر کرتے ہوئے حاجی شام یعنی رقم رقم طراز

میں کہ حضرت سید اشرف نے خدا کی جن چار نعمتوں پر حد درجہ فخر و شکر کیا ہے ان میں چوتھی نعمت کا ذکر اس طرح فرماتے تھے کہ ” رہائے حقانیت کے دو نور اور کان دہائی کے دو نور مہربانہ کبیر نے اپنے اور ان دو نوروں میں سے ایک نور العین میں اور دوسرے کبیر — خدا نے چاہا تو ان کی وہیت کی روشنائی اور ہدایت کے اثرات تمام مقامات پر پائی رہیں گے !“

(۱) شہ محمد در پتہم —

شہ محمد در پتہم ہ شہ کبیر کے صاحبزادے تھے — چونکہ شہ سدر اشدین دراج ہند کی بد دعا کے نتیجے میں شہ کبیر کا انتقال جوان العمری میں ہی ہو گیا تھا ہ اس لیے حضرت سید اشرف نے اس پر اس طرح ہتھ مرید کے پتہم بیٹے شہ محمد کی پرورش اور تعلیم و تربیت براء راست اپنی نذرانی میں کی اور انہیں ” در پتہم “ کے معزز خطاب سے سرفراز فرمایا — شہ در پتہم نے علوم ظاہر اور سلوٹ کی تربیت حاصل کر لینی کے بعد متعدد چلے کھینچے اور سخت مجاہدات و ریاضات کی منزلوں سے گذر کر بعد خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے۔^۱

حضرت سید اشرف کو شہ در پتہم سے جو تعلق خاطر تھا ہ اس کا ثبوت اس واقعے سے ملتا ہے کہ در پتہم نے شادی کے لیے وہ خود قصبہ سرور پور کے ایہ تاجر سے کھر تشریف لے لیے اور بب تاجر نے فقر ”اھر“ کی وجہ سے اس رشتے سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو انھوں نے اصرار کر کے اس کو راضی کر لیا۔^۲

۱ — لدایف ص ۱۷۶

۲ — ایہ ص ۵۰۱

۳ — ایہ ص ۵۱

(۵) شیخ عمرالدین اودھ بن نظام مدہنی -

شیخ عمرالدین بزرگ عالم و فاضل تھے اور علوم عربیہ اور دین عالیہ کی تکمیل انھوں نے مولانا رفیع الدین اودھ بن میر برائی تھی - علوم ظاہری سے فراغت کے بعد انھوں نے مولانا موصوف بن میر ارادت بھی حاصل کی مگر جب انھوں نے اپنے مرشد مولانا رفیع الدین بن میر راہ سلو - صہبہ مین باغابٹہ گامزن ہوئے کی درخواست کی تو انھوں نے فرمایا کہ

” فرزند آنچه نصیب علوم صوری از من بود بتو رسد اما علوم صوفیہ و تکمیل ”الفہ“ عیبہ و حول مقامات و وصول ہواردات بدست سیدناست کہ برسہیل مسافرت عنقریب الایام خواہد رسید ہ زمینہار زمینہار ملزمتوں را غنیمت داری کہ کلید کار تو بدست وہ است۔“

جب ہذاں میر حضرت سید اشرف روئے آباد (کچھوچھہ شریف) پہنچے تو ایک عرصے نہ وہاں قیام فرمایا اور اراٹنا مین اکثر اپنے اصحاب سے فرماتے رہے کہ اودھ سے ایک دوست کی خوشبو آرہی ہے - چنانچہ جب انھوں نے روئے آباد سے چاہہ اودھ کا دورہ کیا تو شہر کے اکابرین و علمائے دین کے ساتھ عمرالدین اودھ بن میر بھی دیدار کے لیے آئے - حضرت سید اشرف نے ان کو دورہ سے دیکھ کر فرمایا کہ

” فرزند عمرالدین ما از برای تو آمدہ ایم۔“

یہ جملہ سن کر شیخ عمرالدین پر اہت عجیب کیفیت پائی ہوئی اور انھوں نے فی الفور بمدن تمام اپنا سر جمع کا دیا - حضرت سید اشرف نے چند روز بعد ان کو خلوت نشین

کہا اور جب کچھ دیر بعد خلوت سے باہر نکلا تو طالب مادی پر عجیب اضطرابی کیفیت
نارِ تعی۔ یہ حال دیکھ کر حضرت سید اشرف نے ان کو خلافت سے سرفراز کیا اور فرمایا کہ
"اشرف شعرو شعرا عرف از ہم جدا نہ اند"^۱

(۶) سید عثمان بن جعفر۔

سید عثمان حسب نسب کے اعتبار سے سید اور حضرت خواجہ بندہ نواز
سید شمسو د راز کے نھرائے کے چشم و چراں تھے۔ ان کی بزرگی اور ودیعت کا اندازہ
ماحول لایا یعنی اسے تحریر سے ہوتا ہے جرمین ان کو "اجل السادات" کہا گیا ہے۔
حضرت سید اشرف نے سید عثمان کی ذات میں موجود کوناٹوں صاحبوں کو دیکھ کر ان کو
حذف عطا کی اور اسرار محرمانہ اور انوار مضمونانہ سے نوازا۔^۲

(۷) شیخ سلیمان محدث۔

شیخ سلیمان کا شمار حضرت سید اشرف کے جلیل القدر خلفاء میں ہوتا
ہے۔ وہ اپنے عہد میں حدیث اور فقہ کے زبردست عالم اور استاد مانے جاتے تھے اور
میں وجہ ہے کہ لایف میں ان کو "قدوة المحدثین" اور "عمدة المفقہین" کے معزز
الغالب سے یاد کیا گیا ہے۔ چنانچہ صاحب لایف ان کے بارے میں رقمراز میں۔
"درمند وستان محبت استاد کم ہافتہ شد مکر از شیخ سلیمان
محدث در کتاب حسن الحسین در لائحہ اینجا گذرانیدند و
نسبت حضرت بابا رضا رقی ازین سلسلہ در تصحیح حدیث کردند"^۳

۱۔ لایف امر ۵۲

۲۔ ایما

۳۔ بابا رضا رتن کے متعلق تفصیلی مبالغہ کے لیے مدعا کیجیے اس مقالہ کا باب دوم۔

۴۔ لایف امر ۵۲

(۸) شیخ معروف۔

شیخ معروف کو حضرت سید اشرف کے اصحاب و احباب میں اہم امتیازی مقام حاصل تھا اور وہ علوم عربیہ اور معلومات عجیبہ کی فراوانی کے ساتھ حکمت و عریقت کی راہوں پر بھی لذت آشنا تھے۔ حضرت سید اشرف سے ان کی مدقات کا واقعہ نمایاں پہلی جلد (ج ۱) میں اس طرح درج ہے کہ جب وہ جونپور تشریف لائے تو جس دیندار کے حیر سارا شہر سیدبائی کے نام سے منسوب تھا۔ ان کے حیر کو سن کر شیخ معروف نے بھی ان کی بابرکت بارگاہ میں حاضر ہو کر دعا اور شرف ارادت سے مشرف ہوئے۔ ان کی ریاضت بندہ اور عبادت پسند بندہ کو مدعا کرنے کے بعد حضرت سید اشرف نے انہیں لباس عرقہ اور خد نامہ دونوں سے سرفراز فرمایا۔ ان کی محبوبیت اور قدر و منزلت کے لئے حضرت سید اشرف کا یہ ارشاد کافی ہے کہ

”اے معروف و معروف اشرف“

(۹) شیخ رام الدین۔(۱۰) شیخ فہام الدین شاہباز۔

ان دونوں بزرگوں کا نام حضرت سید اشرف کے اصحاب کبار اور احباب نامدار کی فہرست میں آتا ہے۔ حضرت سید اشرف کے دوسرے سفر بعد عرقہ کی واپسی پر یہ دونوں بزرگ ہندوستان آئے اور اس قدر خدمت میں مشغول ہوئے کہ مرشد کے القات حروانہ سے مامان ہو گئے۔ ان حضرات کی رہائش کے لئے ”بھنی پورہ“ کا مکان جو دہلی سے سرجو کے کنارے واقع تھا اور جس میں حضرت سید اشرف رونق افروز ہو چکے تھے، مرحمت کیا گیا۔

(۱۱) شیخ اصیل الدین جرہ باز -

شیخ اصیل الدین حضرت سید اشرف کے اصحاب ظہر و سہر میں اعلیٰ مقام کے حامل تھے۔ وہ اپنی سخت ریاضت و عبادت سے اس مقام پر پہنچے کہ حضرت سید اشرف نے انہیں مختلف عطا کی اور اپنی عنایت و حمایت سے ان کو اتنا ثرانی قدر بنا دیا کہ دوسرے مریدین و اصحاب رشک کرنے لگے۔
(۱۱) شیخ جمیل الدین سید باز -

شیخ جمیل الدین حضرت سید اشرف کے اصحاب ثنائہ میں بڑی مقبولیت رکھتے تھے اور سفر و حضر میں ہر وقت اپنے مرشد کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ حضرت سید اشرف نے ان کو خلعت سے سرفراز کیا اور التفات موری و معنوی سے مخصوص فرما دیا۔ صاحب ذہان کا بیان ہے کہ ہر قدر حقائق و معارف کا مدد و رہنمائی جمیل الدین سید باز سے ہوا اتنا دوسروں سے نہ ہو سکا۔
(۱۲) ناضی حجت -

ناضی حجت جملہ براہمن عقیدہ و نقلیہ سے آراستہ اور دلہن و مقدسات سے بھراستہ تھے۔ جب ان کو سلوک کی توفیق ہوئی تو حضرت سید اشرف کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور انہوں نے بھی ان کے خلوص عقیدہ اور صفات پسندیدہ کو دیکھ کر ان کی ذات کو حقائق و معارف کا ذخیرہ بنا دیا۔ جب انہوں نے اپنی ریاضات و مبادعات سے سلوک میں کمال حاصل کر لیا تو عرفہ حقیقت سے بھی مشرف ہوئے اور روح آباد کے قریب ہی ایٹک موضع میں ان کی سلوک قرار پائی۔^۲

۱۔ ذہان ۱۰۳

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

(۱۴) شیخ عارف مکرانی -

شیخ مکرانی نے علوم شریعت و تربیت سے بھراستہ ہو کر عرف ارادت حاسد کیا اور سخت ریاضت کے بعد جب مراتب سلوک طے کرنے لگے تو سفت سے سرفراز کیے گئے۔ انہوں نے حضرت سید اشرف کے خلفا میں بڑا نام پیدا کیا اور بقول صاحب لدایف اگر ان کے خوارق عادات اور ظہور معامت کو ہکجا کر دیا جائے تو ایسا دوسرا دفتر تیار ہو سکتا ہے۔

(۱۵) شیخ ابوالمکارم مروی -

شیخ ابوالمکارم امیر زادہ بن میں سے تھے۔ ان کے والد کا شمار امیر تیمور لدن صاحبقران کے امراء نامدار میں ہوتا تھا۔ جب حضرت سید اشرفؒ عواہ بہاء الدین نقد بند کی خدمت میں پہنچے تو امیر علی بیگ کے مکان پر قیام پد پر ہوئے۔ اسی موقع پر شیخ ابوالمکارم نے بھی حضرت سید اشرف کی زیارت کی اور ان سے بے حد متاثر ہوئے۔ حتیٰ کہ ان کے زہر دہرائی بارہ سال سے زائد عرصے تک وہ سلوک کی مشق میں لگے رہے۔ وہ پہلی ہی سے علوم شریعت سے بھرہ مند تھے اور اس پر ریاضت و مجاہدے کی کثرت نے ان کی شخصیت کو اور بھی چمکادیا تھا۔ اس قابلیت نامہ اور استعداد کاملہ کے بعد حضرت سید اشرف نے انہیں خلافت عطا کی اور اپنا مرکز نظر بنالیا۔ چنانچہ صاحب لدایف لائق ہیں کہ

• انواع مکارم اخلاق و مراحم اشفاق از وی ظاہر یافتہ

معتقدان بہ ابوالمکارم مقب ساختند -

حافظ عطا کر نے بعد حضرت سید اشرف نے ان کو تبلیغ دین کے لیے مقررند بھیجا جہاں انہوں نے بے شمار مریدین و معتقدین پیدا کیے اور سلسلہ اشرفیہ کی توسیع کی۔

(۱۶) شیخ صفی الدین رد ولوی۔

شیخ صفی کو علوم ظاہری اور فقہ و ادب میں مکمل دستگاہ حاصل تھی۔ چنانچہ ان کی شہرت علمی کا اعتراف صاحب لایف نے ان لفظوں میں کیا ہے: وہ یہ ہیں۔

” صفی کہ بصفای علوم اہل و اصطفای معانی باہری آراستہ
در علوم ادبیہ و امور فقہیہ دستی تمام داشتہ اند۔“^۱

حضرت سید اشرفان نے بار بار میں فرمایا کرتے تھے کہ

” در بلاد ہند کسی را کہ بہ فنون د رخشندہ عرایب و شہون
عبایب پیراستہ دیدم ہ وہ بود۔“^۲

شیخ صفی اندین کی ارادت و بیعت کے سلسلے میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک رات ان کی خدمت میں ایک پرستو اور باوقار خیر نمودار ہوا چرکا انہوں نے خیر مقدم کیا اور خدمت کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس نے امور فقہ کی اہم کتاب پر ہاتھ رکھ کر شیخ صفی سے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ آپ نے بیہ شمار اوراق سیاہ کرد پیر ہیں لیکن اب وہ وقت آگیا ہے کہ ان سیاہ اوراق کو سفید اور ہر انوار کیجیے۔ اس وقت سے شیخ صفی نے متاثر ہوئے اور ان پر ایک قسم کی معویت طاری ہوگئی۔ جب انہوں نے اس اجنبی شعر سے یہ دریافت کیا کہ میں اپنے دستار ادب کو کمر کے دامن عنایت پر وابستہ کروں جو مجھے راہ سلوک پر لے چلے، تو جواب ملا کہ جب اللہ اپنے کسی بندے کو اسرار قرب کا محرم بنانا چاہتا ہے تو حضرت خضر (علیہ السلام) کو حکم ملتا ہے کہ وہ اس نئی رہنمائی کریں۔ میں تمہیں بشارت دیتا ہوں ایک ایسے مرد کا مدد کی جرحے انوار

۱۔ سید۔ امر ۴۶

۲۔ ایضاً

انوار ودیعت اور آثار ہدایت سیر مارا جہان مسخر ہے۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد جب حضرت سید اشرف قصبہ رد ولی تشریف لے کر
اور وہاں کی جامع مسجد میں قیام پذیر ہوئے تو ان کے دہدار کو دوسرے لوگوں کے
ساتھ بھی بھیج دیا۔ حضرت سید اشرف نے ان کو صحت مودت بیتھا ہوا دیکھ کر
التفات کی امید نہ رکھنے والی اور اس بات کو دہرایا جو ان کی بشارت انہیں پہلے مسجلی تھی۔
پہنانچہ حضرت سید اشرف کی زبان پر بشارت والی بات سن کر بھی صفا انہیں پورا ان کی
جمعیت و ارادت حاصل کر لی۔ حضرت سید اشرف نے اپنے دست با صفا سے ان کو معصومی
امید دلی کھنٹی اور ان کی اودد کے لیے دعا مانگی کہ ان کی صفا سے حضرت سید
اشرف نے چاہا کہ ان کو قصبہ رد ولی میں قیام فرمایا اور اسی اثنا میں ان کو خلافت سے
بھی نواز دیا۔ انہوں نے اپنے فرزند بھی اسمعیل کو جن کی پیدائش کو ابھی صرف
چھ روز ہوئے تھے، اپنے مرشد کے قدموں پر ڈال دیا۔ حضرت سید اشرف نے
نوازش دے ہوئے کہہ دیا کہ

”اوہم مرید ماست“!

یہاں یہ بتا دینا پر محل نہ ہوگا کہ یہی عبد القدوس کنگوہی جو آسمان ودیعت
پر آفتاب بن کر برآمد ہوئے انہیں بھی اسمعیل کے فرزند تھے جن کو چھ روز کی عمر میں
حضرت سید اشرف نے اپنا مرید کہا تھا۔

(۱۲) شیخ سماۃ الدین رد ولی۔

جب حضرت سید اشرف قصبہ رد ولی پہنچے تو شیخ سماۃ الدین ان کے

ہمراہ تھے۔ شیخ سماء الدین نے روح آباد میں مسلسل چار سال تدارق قدم رہا۔ انہیں کہیں کہیں احرار سلوک و معرفت کے محرم بن گئے۔ حضرت سید اشرف نے روح آباد میں ان کو حذفت عطا کر کے منصبہ رد ولی میں تلقین و ارشاد کیے تھے متعین کیا۔ مگر جب وہ وہاں پہنچے تو ایدہ فتنہ نے انہیں از حد پریشان کیا۔ چرکی اٹھانے میں نے اپنے مرشد کو دی۔ ان کی پریشانی کا حال سن کر حضرت سید اشرف نے فرمایا کہ میں نے جس تعالیٰ سے یہ چاہا ہے نہ جو میرے متعلقین کو پریشان کرے گا وہ افتاد و رافتاد میں مبتلا ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند ہی روز بعد فقیر مذکور کا ہوں بالاختتم ہو گیا۔
 (۱۸) شیخ خیرالدین سدھوری۔

شیخ خیرالدین سدھوری جو کونٹا ٹون فضاہ و شہادت سے آراستہ و پیراستہ تھے، ان کی بیعت ارادت کا سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ بے حد علمی مرتبہ رکھنے اور جامع فروع و اصول ہوئے اور باوجود علم اصول و فقہ کے چند ایسے مشک مسائل ان کو درجہ ہوئے جن کا کوئی حل نہیں نکلتا تھا۔ انہوں نے ان دہنوں میں مسائل کی عقدہ کشائی کے لیے بہت سے علمائے روزگار اور بُلغائے نامدار خصوصاً مولانا غلام الدین جالپوٹی سے رجوع کیا۔ مگر سب کی کاوشیں "کوہ کندن و گاہ برآوردن" کے مصداق قرار پائیں۔ ابھی شیخ سدھوری ان مسائل کے حل کی جستجو میں الجھے ہوئے ہی تھے کہ حضرت سید اشرف نے "خدا" اودھ کو اپنے قدم و محنت لزوم سے روٹ بخشی اور شیخ شمراندین اودھ کی خانقاہ میں قیام فرمایا۔ جب حضرت سید اشرف کی آمد کی اطلاع شیخ خیرالدین کو ہوئی تو وہ ان ہی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے مشک مسائل ان کے سامنے پیش کیے، جن کے جوابات حضرت سید اشرف نے پریشان نبھائے، ہر ممکن ڈالیر بغیر ایسے موثر اور شافی دیے کہ ان کی تدکین خاطر

ہوشی اور امر واقعے کی دوسری دنیا وہ حلقہ ارادہ میں داخل ہوئی۔ چار سال کی شدید محنت و ریاضت کے بعد حضرت سید اشرف نے ان کو خلافت عطا کی اور پھر وہ اس بلند مقام پر پہنچے کہ پچاس بار لوگوں نے ونو کے پانی کی کثرت استعمال کیے باعث ان پر اسراف کا الزام لگایا تو بارگاہ اشرفی سے یہ ارشاد ہوا کہ

”حالتی کہ فرزند خیرالدین دارد درین حالت اگر آب چھیڑے
درہای کونین و نوہر بخوردارین برو ریزند اسراف نہ بود“

(۱۹) قاضی محمد سدھوری —

جب حضرت سید اشرف نے قصبہ سدھور میں نزول فرمایا تو تمام اکابرین

قصبہ نے بھی خیرالدین سدھوری کے ہمراہ ان کا شاندار استقبال کیا۔ اس موقع پر
موسے بن جن لوگوں نے ان کے دست و پست پر ہمت حاصل کی، ان میں قاضی محمد سدھوری بھی
تھے۔ اس وقت محترم مقام پر بعد حضرت سید اشرف نے جب اپنے تمام مریدوں کو شیخ خیرالدین
پر زہر نثرانی دیر کر قصبہ جاہر کا سفر کیا تو قاضی محمد سدھور کو اپنے ہمراہ رکھا
اور انھیں ریاضت و مجاہدہ کی ترغیب دی۔ قاضی صاحب ونگہ چلیے ہی سے عم شریعت
میں مہارت و تہذیب تھی، اس لیے جب وہ راہ سلوک اور منزل عرفانیات کے نشیب و فراز سے
لذت آگنا ہوئے تو ان کو حضرت سید اشرف نے خرقہ و خلافت سے سرفراز کیا۔

(۲۰) مولانا ابوالمظفر محمد لکھنوی —

مولانا ابوالمظفر انیسے عقیدے کے ایک مشہور عالم دین ہونے کے ساتھ

ساتھ حضرت سید اشرف کے خلیفہ بھی تھے۔ اسی نسبت سے ان پر حضرت سید اشرف کی عنایات و نوازشات اتنی زیادہ تھیں کہ ایسے مرتبہ ان کی خاطر سے حضرت سید اشرف نے جامی مسجد لکھنؤ میں قیام بھی فرمایا۔ مولانا صاحب کو شعر و سخن سے بڑی دلچسپی تھی۔ چنانچہ ایہ مدحیہ قصیدہ انھوں نے حضرت سید اشرف کی خدمت میں بھیج دیا تھا جو ان کی "فصاحت شعرا اور بدعت آثار" مونیہ کا نمایاں ثبوت تھا۔

(۲۱) مولانا عطاء الدین جایی۔

مولانا عطاء الدین جایی کو صاحب لہائیف ^{نے} "عدمہ روزگار و فقہ دیار" کے اعزازی لفافوں سے یاد کیا ہے۔ ان کی بیعت و ارادت کا واقعہ لہائیف میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سید اشرف کے منصب جایی پر پہنچنے سے قبل مولانا موصوف "ہفت مسئلہ از علوم منکک" کی بیسویں بظلموں میں بیعت و تاب کھارے تھے اور سالہا سال سے عور و فکر کے بعد بھی ان مسابقت کا حل تلاش کرنے میں ناکام رہے تھے۔ چنانچہ حضرت سید اشرف نے ان پر موصوف معمول کے مطابق اصحاب کے ساتھ جب رات کی تنہائی میں ذکر چہر فرمایا تو مولانا عطاء الدین کو جو اس وقت اپنے گھر میں موجود تھے، کچھ طلب محسوس ہوا اور وہ پیر ساختہ ہوا اٹھے کہ یہ مردم غوغائی کہاں سے آئے ہیں۔

ان واقعات کے دوسرے دن حضرت سید اشرف اپنے اصحاب و احباب کے ساتھ منبر پر عشاء بعد رات میں موجود تھے کہ اتفاقاً مولانا موصوف ادھر سے گزرے اور کسی آدمی سے حضرت سید اشرف کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ یہ کون بزرگ ہیں؟ یہ سن کر حضرت سید اشرف نے برجستہ جواباً فرمایا کہ ہم مردم غوغائی ہیں۔ مولانا عطاء الدین

اس جواب سے یہ حد ہنہان ہوئے اور اپنے کور کی هزاروں معذرتیں چاہیں۔ ان کے
عجز و نیاز پر حضرت سید اشرف نے تبسم فرمایا اور ان کی خواہش کے مطابق انہیں اپنے
حرفہ ارادت میں داخل کر لیا۔ عدوہ ازہن ان سائل علمہ کو جن سے وہ پریشان ہو چکے
تھے، انہوں نے اس انداز سے جواب دیا کہ ایسا یہ بات ان کے دل میں نقش کر گئی۔
ممبرہ شہید والدین میں مذاقات کے بعد مودنا کا عقیدہ اتنا استوار ہو گیا
کہ انہوں نے اپنے فرزندوں کو بھی حضرت سید اشرف کے دست بامفا پر بیعت کرا دیا اور
عقبہ نے تمام اگاہر و اماغر کے لئے سلسلہ اشرفیہ میں شامد ہونے کا اہتمام کیا۔
حضرت سید اشرف نے مودنا عذم الدین جاپسی کو خلافت و اجازت سے بھی سرفراز فرمایا تھا۔
(۲۲) شہید کمال جاپسی۔

شہید ثمان جاپسی نے جو جامع ریاضات شہیدہ اور صاحب
معامات بیچیدہ، تعمیرہ چند سال تک کلفت سفر اور محنت حنر اختیار کرنے کے بعد خرقدہ و
خداقت کا استحقاق حاصل کر لیا۔ حضرت سید اشرف کو ان سے بڑی انسیت تھی، چنانچہ
قصبہ جاپر سے روح آباد مراجعت کرنے کے وقت انہوں نے ان کو سلسلہ اشرفیہ کے مریدوں
کی رہنمائی و تربیت کی ذمہ داری تفویض کی۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ قصبہ کے لوگوں نے شہید کمال کو دعوت دی اور کسی
وجہ سے وقت مقررہ پر کھانے کا انتظام نہ کر سکے تو انہوں نے اسے اپنی بیعتی محسوس کی
اور غصے کی حالت میں یہ بد دعا دی کہ وہ لوگ کہ جنہوں نے ایسا وعدہ نہیں کیا۔
جب جائیں۔ شہید کی زبان سے یہ بات نکلی اور ادھر سارے فصیح میں آبلت گئی اور

سب کچھ جن کو خاکستر ہو گیا ، حتی کہ چار ہزار آدمی راکھ کا دھیر بن گئے۔ جب صبح کماں کا جلال کچھ مدھم ہوا تو اس حادثہ* جانکاہ پر بیحد خجالت محسوس کی اور معذرت کیے بغیر اپنے مرشد حضرت سید اشرف کی بارگاہ میں روح آباد پہنچے۔ حضرت سید اشرف نے ان کو دیکھ کر فرمایا کہ تو نے میرے فرزندوں کو جد ڈالا اور انہیں ہرباد کر دیا ، اور ان سے ایسے برگشتہ خاطر ہوئے کہ ہابوسی کی اجازت بھی نہ دی۔ صبح کماں اپنے مدت تک خانقاہ کی رہچہ " وحدت آباد " میں مرشد کی نگاہوں سے دور پڑے رہے مگر بعد میں حضرت سید عبدالرزاق نورالعین کی سفارش پر ان کی معافی ہو گئی۔ پھر بھی حضرت سید اشرف نے غم و غصے سے یہ فرمایا کہ

" چون بتاریق درویشان عذر سخن پریشان خواستی ایمانت بسد مت
رود اما ابتر گردان و اولاد و احفاد تو سرگردان بود " ^۱

(۲۳) سید عبدالوہاب۔

سید عبدالوہاب کا شمار حضرت سید اشرف کے مصوم خلایا و احباب میں ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے مرشد کی خدمت گزاری کا اپنے عہدہ اور انوکھا مہمار فایم کیا جس کی نشانی بہت کم ملتی ہے۔

اپنے مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سید اشرف نے ان کو عین عبدالکریم دہلوی کے پاس دہلی بھیجا۔ جب وہ وہاں سے واپس آئے تو یہاں ہابوسی کی وجہ سے ان کے پیروں میں ورم آ گیا تھا اور آبلہ پڑ گئی تھی۔ حضرت سید اشرف ان کی صورت حال دیکھ کر بہت مغموم اور افسردہ ہوئے اور اپنی نعلین ان کو عطا کی۔ سید عبدالوہاب نے مرشد

۱۔ حضرت سید اشرف کا جو مصوم حبرہ تھا اس کا نام " وحدت آباد " ہے۔

۲۔ لٹل ایف ج ۱ ص ۵۸

کی تعلیم کو اپنے سر کا تاج بنالیا اور چالیس روز تک اسی طرح کمال عجز و احترام کا
مدامرہ کرتے رہے۔ چرکا ملہ ان کو بارگاہ اشرفی سے یہ ملکہ
"حق تعالیٰ از آن مدت کہ کفر بکفر افتاد بخانہ" او
رفاہیت و آسودگی بسیار پیدا کرد^۱
(۲۴) غیر راجا۔

نہیں راجا زہد و تقویٰ میں یہ مثال اور حضرت سید اشرف کے مرید سادق
اور ظاہر خلیفہ تھے۔ انہوں نے اپنے مرشد کی حد درجہ خدمت گزاری کے باوجود حسن
سادقی کا بڑا لحاظ رکھا۔ ان کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ کسی پر نمازی کے ساتھ
حورد و نور نہیں کرتے تھے۔^۲
(۲۵) جمشید بید

جمشید بید خاندان ازبک کے ایک نامور امیر تھے۔ حضرت سید اشرف
نے جب "باغستان" کو رونق بخشی تو حوصلہ ارادت کے لیے ترکان سادہ کا جم غفیر
ہو گیا اور لوگوں کی کثرت آمد و رفت اتنی بڑھی کہ امیر تیمور صاحبقران جو اس وقت
سمرقند میں موجود تھا، کو بھی اس مرد درویش کی آمد کی خبر ہو گئی۔ جب امرائے سلطنت
نے حضرت سید اشرف کی خدمت میں حاضر ہوئے والیے انسانی دروہ کی طرف سے خدشہ ظاہر کیا
تو امیر تیمور نے کہا کہ

"من آن سید زادہ را دیدہ ام"

اور اس کے ساتھ ہی خورشید بید کو حکم دیا کہ حضرت سید اشرف کی خدمت میں تحفہ و
نذرانہ بیکجا جائے۔ چنانچہ خورشید بید نے معزز افراد کی ایک جماعت کے ساتھ

۱۔ تصانیف، ص ۸۰۸-۸۰۹

۲۔ ایضاً، ص ۸۰۹

امیر نیمور کے حکم کی تعمید کی، لیکن حضرت سید اشرف نے نذرانے میں آہرے ہوئے تمام مار و اسباب فقرا کو نثار کر دیے۔ جمعیہ بدینہ جو جماعت مذکورہ کے ایک ممتاز فرد تھے، جب فقر و استغنا کا یہ حال دیکھا تو وہ حضرت سید اشرف ہی کی خدمت میں رہ گئے۔ ان نو سلوک کی توثیق ہوئی اور عہدِ مبارک کے بعد اپنے شیخ کی بارگاہ سے وہ خلافت و اجازت سے بھی سرفراز گئے۔^۱

(۲۶) قاضی رکن الدین۔

حضرت سید اشرف نے قاضی صاحب کو خلافت و اجازت مرحمت فرما کر موضع "د نہری" نزد حاجی پور (بہار) روانہ کیا جہاں انھوں نے ایک خانقاہ تعمیر کی اور اطراف کے تمام اکابر و اصغر ان سے ارادت و عداہت حاصل کرنے لگے۔^۲

(۲۷) شیخ حاجی فخرالدین۔

شیخ حاجی فخرالدین کو علوم ظاہری اور علم تصوف میں مہارت حاصل تھی انھوں نے حضرت سید اشرف کی ہم رٹابی میں حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی اور واپسی پر موضع "اوسر ہٹو" کو اپنا مسکن بنایا۔ ان کے چھوٹے بھائی شیخ داؤد کو بھی حضرت سید اشرف سے خلافت ملی تھی لیکن تعلیم و تربیت کے لیے ان کو بھی شیخ فخرالدین ہی پر سپرد کیا گیا تھا۔ حضرت سید اشرف نے "اوسر ہٹو" کے لٹ اسیراف کے تمام مریدوں کو شیخ فخرالدین کی نگرانی میں تربیت کے لیے دے دیا تھا۔^۳

(۲۸) شیخ تاج الدین۔

(۲۹) شیخ نورالدین۔

حضرت سید اشرف جب بنگال سے "د نہری" تشریف لے گئے تو اس موقع پر

ان دنوں حضرت سید اعرف نے عرفا رادت حاصل کیا اور پھر اپنے مرشد کی ہم رہا ہی میں
 رون آباد آکر اتنی کثرت سے ریاضتیں کیں کہ واردات عانیہ کا شہور ہوئے لگا۔ حضرت
 سید اشرف نے اپنے ان دنوں مریدوں کو خلافت سے سرفراز کر کے مقام "کو دیوان" کیے
 لیکن سرور تھا تاکہ وہاں بندگان خدا کی خدمت کریں اور دین حق کو فرو دین۔^۱
 (۳۰) شیخ الاسلام احمد آبادی۔

شیخ الاسلام یوں تو جملہ علوم و فنون متداولہ میں مہارت رکھتے
 تھے لیکن علم ہیئت و علم نجوم اور حکمت میں خصوصیت سے ان کو کامل دسترس حاصل تھی۔
 جب حضرت سید اشرف نے ان کی مدقات سفر گجرات میں ہوئی تو انہوں نے بطور امتحان چند
 علمی مسائل دریافت کیے۔ حضرت سید اشرف نے اگرچہ ان کو ہر سوال کا اطمینان بخش ہوا پ
 دیا۔ لیکن انہوں نے افہام و تفہیم کے بجائے "طریق جدال و سبیل مقال" کو حد سے
 زیادہ استعمال کیا۔ ان میں انتظار بھلا دیا۔ رات کے وقت ان کی سرزنش ہوئی کہ سید
 میر مکارم مت کرو، آج میرا گریہ روش اختیار کی تو خارہ رہے گا۔ دوسرے دن جب
 وہ حضرت سید اشرف ہی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی کستاخی کی معذرت چاہی تو حضرت سید
 اشرف نے فرمایا کہ

• از ما کار وفا و از عطا جفا و اکنون نہ وفا نہ جفا
 بلکہ محض صفا است۔^۲

اور واقعہ کے بعد یہ شیخ الاسلام ہمہ وقت حضرت سید اشرف ہی خدمت میں حاضر
 رہنے لگے۔ اور کسی وقت بھی جدا نہ ہوئے تھے۔ انہوں نے مسلسل دو سال تک ریاضت

۱۔ کذا

۲۔ لکھنؤ ۱۲۶

۳۔ شیخ الاسلام احمد آبادی کا نام لکھنؤ میں نہیں ملتا۔

۴۔ لکھنؤ ۱۲۶

اور حد مت مہن کوئی کوتاہی نہیں کی اور جب استعداد نامہ پیدا ہوگئی تو خلافت سے منور ہوئے۔ ہرچند کہ امر علاقہ مہن حضرت سید اشرف کی خلفا و اصحاب سے شمار تھے، لیکن مریدوں کی نیکداشت و تربیت کے لیے علی الاسلام ہی کو معصوم کیا گیا۔
(۲۱) عہ مبارک کجراتی۔

عہ مبارک اکابرین کجرات اور عمائدین دیار میں ایک نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ بہت سے فنائید حمیدہ اور شمایل پسند بدہ کے بھی حامد تھے۔ دین کے فروغ کے واسطے جانی و مالی اور جسمانی خدمات میں امر علاقہ میں ان کا کوئی ہسر نہیں تھا۔ وہ حضرت سید اشرف کے ساتھ روح آباد آہے اور یہاں رہ کر امر قدر مجاہدے اور چلہ کشی کی کہ بالآخر خلافت سے سرفراز ہو گئے۔

حضرت سید اشرف نے خلافت عطا کرنے کے بعد ان کو کجرات واپس کر دیا اور انہیں کے ساتھ سے علی الاسلام کے لیے علم و طوق بھی بھیجا۔ عہ مبارک ہی کی سفارش پر حضرت سید اشرف نے علی الاسلام کو اپنے خط بھی تحریر فرمایا جس پر بارہ میں صاحب المناہف لکھتے ہیں کہ

”۱۔ مقدار حقایق و معارف کہ بہ نسبت علی الاسلام در

مستوبات مکرر نوعتد بہ نسبت دیگر اصحاب نبودہ“^۱

(۲۲) عہ حسین۔

عہ حسین دودمان خلجی کے چشم و چراغ تھے اور دنیاوی ماں و متاع

۱۔ لٹائید امر علی

۲۔ اپنا

اور جاہ و حشمت کی اعتبار سے اونچا مقام رکھتے تھے۔ لیکن جب توفیق ازلی نے رفاقت کی خواہش اور دنیا کے عارضی آب و رنگ سے دل کی وابستگی ختم ہوئی تو منزل سلوک کی جستجو کا آغاز ہوا۔ چنانچہ حضرت سید اشرف کی ہدایت پر بیعت کرنے کے بعد عہدہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے خود ہی اپنی تہذیب اور آج کی کہ منصب خلافت اور عرقہ نہایت سے سرفراز ہو گئے۔ پھر جب موضع دہری میں انھوں نے سکونت اختیار کی تو "جنیاریں" (بہار) کی سرحد تک ان کے تعلقین و ارشاد اور ان کی محبوبیت اور مقبولیت کا غلغلہ بلند ہو گیا۔ حتیٰ کہ بادشاہ بنگالہ بھی ان کا ایسا عقیدت مند ہوا کہ اس نے احباب کی معیشت و رفاہیت کیلئے ایک مخصوص رقم بھی بطور نذر ہدیہ کی۔^۱

(۲۲) شیخ سیف الدین مسند عالی سیف خان۔

سیف خان اودھ کے ایک رئیس اور بہت بڑے منصب دار تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ان کی طبیعت میں جود و سخا رچا بسا ہوا تھا۔ وہ صوفیہ کرام سے حد درجہ خواہش اعتقاد رکھتے تھے۔ اگرچہ حضرت سید اشرف نے ان میں خصوصی وابستگی اور خواہش اعتقاد کی کمی مگر اس کے باوجود وہ بہت دنوں تک حلقہ ارادت میں داخل نہیں کیے گئے۔ ایک عرصہ کے بعد جب سیف خان نے دولت معنوی حاصل کر لی اور اپنے مجاہدوں سے جذبات عالیہ کو بیدار کر لیا تو حضرت سید اشرف نے ان کو مرید بھی کیا اور خدمت سے بھی نوازا۔^۲

ایک مرتبہ جب سیف خان نے حضرت سید اشرف کی خدمت میں ایک لاکھ کی جاگیر

۱۔ لٹیف مہین بادشاہ بنگالہ کا نام مولف نے نہیں لیا ہے۔

۲۔ لٹیف مہین ۱۱۱

۳۔ ایضاً ۱۱۱ - ۱۱۲

نذر کی تو حضرت سید اشرف نے ان کی اس عمر پر تبسم فرمایا اور اس کی بعد اس شرح کو پڑھا ہوگی
 "کسی را کہ قرینہ روزگار و برکنہ دوا و آرزو سیرد، باعد او
 بہ این جزوی قربات مقید نشود"۔^۱

(۳۴) شیخ محمود کنتوری۔

شیخ محمود بن حضرت سید اشرف کا التفات ہمیشہ رہتا تھا اور وہ
 سفر و حضر میں برابر اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر رہا کرتے تھے۔ جب ان کی تعلیم باطنی
 مکمل ہوئی تو ان کو خلافت و اجازت مرحمت فرما کر "کنتور" (ضلع بارہ بنکی) بھیجا گیا
 تاکہ ان سے سلسلہ اشرفیہ کی توسیع ہو اور مخلوق خدا فیض حاصل کرے۔^۲

(۳۵) شیخ عبد اللہ کبہ د راز۔

حضرت سید اشرف نے اپنے دعوت کے سلسلہ میں قصبہ کنتور کو رونق بخشی
 تو شیخ عبد اللہ نے ان کی خدمت میں حاضری دی اور دہدار کا شرف حاصل کیا۔ چند روز
 کے بعد جب انھوں نے خرقہ کے لیے گزارش کی تو ان کے اخیر سے ایمان کو محسوس کرتے ہوئے
 حضرت سید اشرف نے ان کی ارف لطف و کرم کی توجہ مبذول فرمائی۔^۳

(۳۶) شیخ عبد اللہ بناری۔

جب حضرت سید اشرف جونپور سے بنارس تشریف لے گئے تو وہاں میں بنارس
 نے ان سے بیعت و خلافت حاصل کی اور اس قدر مجاہدے کیے کہ جلد ہی ان کا شمار خلفائے
 کبار میں ہونے لگا۔ ان کے علمی وقار کے بارے میں صاحب لطائف لکھتے ہیں کہ۔
 "وی قد وہ" علما "الصدیقی و زبدہ" نصای روزگار بود۔^۴

۱۔ لطائف - ۲ ص ۲۸۲

۲۔ لطائف - ۱ ص ۴۱۲

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

علمی تصانیف اور شاعری

عام طور سے یہ بات مشہور ہے کہ صوفیہ و متابع کو سادہ شریعت اور دہکر علوم و فنون سے رغبت نہیں ہوتی۔ لیکن بزرگان دین کے حالات زندگی اور ان کے ملفوظات کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہر صوفی کامل کو علم شریعت سے گہری دلچسپی رہی ہے۔ چنانچہ لطایف کے مطالعے سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت سید اشرف کو جو اپنے معاصر صوفیہ و متابع میں ایسا ممتاز اور منفرد شخصیت کے مالک تھے، علم و فن سے بھی اتنا ہی کھرا غفل تھا جتنا کہ سادہ تصوف سے۔ اگرچہ خود ان کے نزدیک ”علم“ سے مراد ”علم فقہ“ ہے مگر وہ دینی علوم کے علاوہ اپنے وقت کے بیشتر علوم و فنون پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ قرآن کی تفہیم و تفسیر اور حدیث و فقہ پر ان کو جو عبور حاصل تھا اور علم تصوف پر ان کی جیسی گہری نظر تھی، لطایف و مکتوبات اشرف کا کھلا مظہر ہیں۔ اگر اہل عرفان کی عقلی زندگی ترقی نہ کیا کہ مفہوم سے عبارت ہے تو دوسری طرف ان کا تفقہ فی الدین صوفیہ کے اسرار و عوای کی روشن دلیلی ہے کہ راہ طریقت کے رہبر علم شریعت میں بھی علمائے ظاہر سے کمتر نہیں ہوتے۔ حضرت سید اشرف کے ملفوظات و مکتوبات کے مطالعے اور لطایف میں مذکور ان کی علمی تصانیف کی تعداد اور ان کے موضوعات سے ان کی علمی بصیرت اور قابلیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ لطایف میں حضرت سید اشرف کی جن تصانیف کا ذکر ہوا ہے، ان کی ایک مکمل فہرست اشرف کی کتابوں کی فہرست میں درج ہے۔ ان کی کتابوں کی تعداد ۲۰۲ (۲۰۲) ہے جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) نحو اشرفیہ —
ناہاب کتابین

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ کتاب نحو زبان عربی پر تھی۔

حضرت نورالعین اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

” افضل روزگار را د - نور عد “

(۲) شرح ہدایہ -

یہ فقہ پر تھی - حضرت جہانگیر نے یہ کتاب فارسی شہاب الدین

دولت آبادی کو دکھائی تھی -

(۳) شرح عوارف -

(۴) شرح قصور الحکم

(۵) فوائد المعایید -

یہ کتاب پہلی فارسی مین لکھی گئی - اس کے بعد اسی کتاب کا عربی

ترجمہ کیا گیا - اس ترجمے کی وہ حضرت نور العین یون بتاتے ہیں کہ

” در عرب چون تشریف بردہ اند موالی عرب در مابین تصوف

میل کردہ اندہ فوائد المعایید را عربی عبارت بستہ اندہ

بر موالی تعلیم کردند “

(۶) فتاویٰ اشرفیہ

(۷) زیج سامانی

(۸) تفسیر نور بخشہ

(۹) کنز الاسرار

(۱۰) دیوان اعرف

(۱۱) رسالہ غوثیہ

(۱۲) رسالہ در منازل خلفای راشدین

(۱۳) مرآۃ الحقایق -

یہ کتاب اصطلاحات تصوف کی تشریح پر مشتمل تھی -

(۱۵) بحر ذاکرین

(۱۶) حجة الذاکرین

(۱۷) طاعیہ بر حواشی مبارک مولانا برہان الدین مرغینانی

(۱۸) کنز الدقائق

(۱۹) بشارت الاخوان

(۲۰) شیح علاء الدولہ سمنانی کی لکھی ہوئی کسی تاریخ کی کتاب کی فہرست

اسماء رجال بھی آپ نے ترتیب دی تھی۔

(۲۱) مکتوبات اشرفی مرتبہ حضرت نظام یمنی

(۲۲) مکتوبات اشرفی مرتبہ حضرت شیخ محمد دہلوی

دستیاب کتاب ہیں۔

(۱) لطائف اشرفی مولفہ حاجی نظام یمنی

(۲) مکتوبات اشرفی مرتبہ حضرت سید عبد الرزاق نور العین (صرف ایک حصہ)

(۳) ضمیمہ مکتوبات اشرفی

(۴) اشرف الاطراف (یہ کتاب قزوینی مین لکھی گئی)

(۵) فوائد الاعراف (گجرات مین لکھی گئی)

(۶) اشرف الفوائد (یہ بھی گجرات مین لکھی گئی)

(۷) بشارت الذاکرین

یہ چند صفحوں پر مشتمل ایک رسالہ ہے جو مطبوعہ لطائف اشرفی کے ساتھ

منسلک ہے۔

(۸) تنبیہ اہل خوان۔ (یہ سیف خان کے لیے لکھی گئی)

(۹) ارشاد الاخوان (یہ بھی سید خان کے لیے لکھی گئی)

داکٹر وحید اعرف نے احمد آباد (کجرات) میں " کتاب خانہ " پیر محمد شاہ "

میں معنوی ایڈمڈوٹہ رسالہ " تحقیقات عنق " جو حضرت سید اعرف کے نام منسوب ہے ۔

کا ذکر کیا ہے اور اپنی تحقیق کی روشنی میں اس کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ

مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر یہ رسالہ حضرت سید اعرف کی تصنیف نہیں معلوم ہوتا ۔

(۱) حضرت جہا نکیر کی جتنی تصانیف باقی جاتی ہیں ان سے اس رسالے کی زبان

اور طرز بیان بالکل مختلف ہے جب کہ باقی تمام تصانیف میں بڑی معائنات باقی جاتی ہے ۔

(۲) حضرت جہا نکیر نے تصوف کے جن مسائل کا ذکر اپنی دوسری تصانیف میں

کیا ہے وہ سب تفصیل سے لایا ہے اور ان میں باقی جاتی ہیں ۔ آپ اپنی ہر تصنیف میں

لایا ہے اور ان کا حوالہ بھی دیتے ہیں ۔ اس رسالے میں عنق حقیقی اور وحدت الوجود

جیسے اہم مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے لیکن اس میں نہ لایا ہے اور ان کا حوالہ ہے اور

نہ اس کا انداز بیان ۔

(۳) آپ کی کوئی تصنیف شعر سے خالی نہیں ہے جبکہ یہ رسالہ اس خصوصیت سے

خالی ہے ۔

(۴) آپ کی کوئی تصنیف آپ کے عنق طریقت حضرت علامہ الحق والدین کے نام سے

خالی نہیں ہے ۔ یہ رسالہ اس وصف سے بھی خالی ہے ۔

(۵) آپ اپنی تصانیف میں ان اہم خود بحیثیت مسنف کے لکھتے ہیں لیکن اس

رسالے پر اندر آپ کا نہیں نام نہیں ہے ۔ صرف سرورق پر نام معتبر نہیں قرار دیا

جاسکتا ۔

داکٹر وحید اعرف آگے چل کر مزید لکھتے ہیں کہ موجودہ دور میں آپ

کی اہمیت و تصنیف " رسالہ تصوف و اخلاق " پر نام سے بتائی جاتی ہے اور اس طرح

اردو نشر میں آپ کا نام سب سے پہلے آتا ہے ۔ اس رسالے کا کچھ پتا نہیں ۔ لیکن

آپ کے خریقہ* تعلیم سے ضرور بہ نیاں ہوتا ہے کہ اس وقت کی ہندوستانی زبان میں آپ نے تصوف کے مسائل پر پختہ لکھا ہوگا۔ جب عرب کے بدوؤں کی تعلیم کے لئے آپ نے عربی زبان میں رسالہ ترتیب دیا تو ہندوستان جہاں تہذیب و ارشاد کے لئے آپ رہ گئے، جہاں عوام کے لئے پختہ آپ نے ان کی زبان میں تصوف کے مسائل پر لکھا ہوگا۔

حضرت سید اشرف کی ناہاب تہذیب کی فہرست میں ایک "دیوان اشرف" کا بھی ذکر کیا گیا ہے جس کے حوالے سے مولف لٹریچر نے متعدد اشعار نقل کیے ہیں۔ اگر اس دیوان کا سراغ مل جائے تو نہ صرف یہ کہ اس کے فن شعر پر حضرت سید اشرف کی قدرت کا اندازہ ہوگا اور ان کی شخصیت کی تعین میں مدد ملے گی، بلکہ فارسی شاعری کی تاریخ میں بھی ایک بھرپور باب کے اضافے کا امکان ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ "دیوان مذکور سے ماخوذ جو شعری تخلیقات لٹریچر میں جا بجا پھرنے لگی ہیں، ان کو اس جگہ پر یکجا کر دیا جائے تاکہ ان کی روشنی میں حضرت سید اشرف کی شاعرانہ فکر کا اندازہ ہو سکے۔۔۔۔۔ لٹریچر سے ماخوذ حبذ پر اشعار منسلک ہوں۔

غزل

وصل تو چون دست داد ملت جہاں کو مباح
لعل تو چون حاصل است نوہر جان کو مباح
آہت حسن ترا حاجت تفسیر نیست
صورت سگ خورشید را شرح و بیان کو مباح
مفءکن عاشقانہ فتنہ آخر زمان
غمزہ ابروی تست تیر و کمان کو مباح
عاشق روی تو نیست طالب دنیا و دین
آرزوی جان توئی کون و مکان کو مباح

کرد شرگردون اگر قطع عود گو بشو
 طاس فطرت توئی دور زمان کو مباش
 بی تو نعرزد جوی هرچه بود در جهان
 مایه* جانها تویی سود و زیان گو مباش
 آتش عشق از بسوخت خرمن ما گو بسوز
 اعتراف غوریده را نام و نشان کو مباش^۱

رباعی

بد کردم و اعتذار بدتر از دنا
 چون هست درین عذر سیه دعوائی تبا
 دعوی وجود و قدرت و دعوی فعل
 لاحول ولا قوه الا بالله^۲

قطعه

هاتف غیبی که ز حکم اله
 کردند در حرم طائفه
 کای اعتراف عالم بهر تراست
 گفت خدا اعتراف محبوب ماست^۳

۱- لطایف ۱ ص ۴۰

۲- اینها ص ۵۱

۳- اینها ص ۶۸

غزل

نرینندی میرود سوی طبیب
 خانه* چو اد میبرد غریب
 هر کسی را چشم کور است میرود
 هر کسی کو دارد از کف عجیب
 درد مندی را که می باید دوا
 باید او را شربت اشرف نعیم
 هر درو چون کعبه* مقصود ماست
 خاک بود هر که او باشد لبیب
 جوهری باید که داند جوهرت
 اعرف عالم نجیب است و نجیب^۱

غزل

آتش حشر درون جان گرفت
 در بهای عشق داد ایمان گرفت
 در دل گان عشق آمد از نثار
 جای دین نبود که شبه ایوان گرفت
 عشق در ملت دلاست چون باد غاه
 رفت غوغا ملت چون سدان گرفت

باد شاه عشق را نبود زوان
آفتابست ظل او نتوان گرفت
بفتح نوبت میزند بر نخت بخت
عشق تو چون اشرف سمنان گرفت^۱

غزل

مبین در سویی شان از چشم انکار
که محرومی بسی میدارد این کار
مگو شان را که تنها می نمایند
که تنها میشود ز ایشان پدیدار
شهور ذات حق را در مظاهر
همین تمثیل می باید که انکار
چو ذات او ندارد جز تبصّر
مدور کثرت از وحدت چنین دار
اگر باید ترا تمثیل دیگر
نشان آئینها بر روی دیوار
همه آئینهای مختلف رند
مربع از مدر نوع بسیار
جواهر مختلف آئینها را
که هر یک عکس دیگر کرد اظهار

برآید چون ردای زرد از وی
 بهر آئینه دیدن صورتی یار
 چو نسبت این نصب‌العین گردد
 شهودش گفته اندر اصحاب اسرار
 جهان خیرخواهش را بین معجواشرف
 ولی ای دل بگو کهن هست تکرار^۱

غزل

روح افزا روح و دلها را حبیبی دیگر است
 بهر بهمارو^۲ دلها او طبیبی دیگر است
 هر طبیبی را نصیبی از دوا آمد ولی
 حضرت مقدومی ما را نصیبی دیگر است
 بر منا را هر گره خایه میخواند ولی (کذا)
 خایه^۳ عشقی که میخواند خاییبی دیگر است
 از غرایب اولیا کرچه بسی دیدم ولی
 در عجایب اسفها ما را غریبی دیگر است
 در سباهی بی حدت ترچه نقیبانند ولی (کذا)
 اشرف سمنان بدرناخت نقیبی دیگر است^۴

۱- لایق را مر ۱۱۰

۲- ایضا ۱

مثنوی

دران گلزار چون کم دهد آرام
 نهاده رو بسوی باغ اجسام
 نهال باغ را بسیار غاج است
 که بلبل را درو میدان فراح است
 چو انسان غاج باین عجر شد
 ازان هر شاخ شاخش بر نعر شد (کذا)
 بلی شاخی که دارد میوه‌ها طبع بسیار
 نهد سر را نصیب از بار انبار
 گل گلزار انسانی غریب است
 مل بازار سبحانی عجیب است
 زهی باغی که از وی شاخ انسان
 دهد مر باغبان را باغ عرفان
 بسی در وی گلی اسماء کلی
 شکوفه از نسیم فیض ازلی
 درخت باغ را این طرفه بار است
 که دربارش درختان و شمار است
 هزاران بلبل اندر باغ عالم
 به اسماء می کند باهم ترنم (کذا)
 عجب این قطره او دریای وحدت
 که در قطره بود صحرای کثرت

ازین باره چو گردد بحر موج
 دری آید که باشد دره التاج
 اگر خواهی که در دریای عرفان
 زنی غواه چو غواصان وجدان
 طالب از گوهر اشرف که نیست
 که بحر وحدت او را بسنست
 نهنگ بحر عرفان نام دارد
 درو بحر نهنگ آسمان دارد^۱

مثنوی

کیست درین منزلی حیرت فزای
 راه نماید بخدا جز خدای
 هرکه درین راه به بی نور روی
 گام زند خیره شود سو بسوی
 در دو جهان راه نما تر ز بهر
 هیچ کسی نیست زمن یاد نهر
 وصل اگر بایست ای راه لور
 گفته اشرف شنو و راه رو^۲

غزل

درون مصر جان خود چه یوسف نازنین دارم
 که صد همجو زلیخا را بشویش همنشین دارم

بخلوت خانه سینه که از اغیار خالی شد
 چه شاهد نازک موزون من خلوت نشین دارم
 ز وصل شاهد بلیغ در عالم سلیمانم
 که جن و انس و وحش و طیر در زیر نگین دارم
 چو در دل صورت خورشید معنی میشود طالع
 سرگردون بزم پای همت بر زمین دارم
 نثار وصل تو اشرف مثال دین و دنیا را
 کند نقد روان را هم که صد دنیا بدین دارم^۱

غزل

کسی کو طالب دیدار باشد
 شب و روز اولی این کار باشد
 نباشد خالی یکدم از خیالش
 و گر در خواب و گر بیدار باشد
 اگر طالب نباشد این چنین او
 چه کار آید ازو بیکار باشد
 بدست او خورد آب و طعامی
 بپایش در ره رفتار باشد
 بچشم او به بیند هر جمالی
 بگوشش سامع گفتار باشد
 نجنبید گاهی اشرف بی اراده
 که هرگز دور بی دوار باشد^۲

غزل

چو بینند عاشقان در روی معشوق
 چه معشوقی که او را نیست ثانی
 زنند خیمه ز ملک خویش بیرون
 ز دیدار جهان کامرانی
 جمال حور دارد کامرانی
 بجنب آن صورت آن پیر معانی
 بد از هر دو جهان چیزی نباشد
 که تمثیلش بود از انر و جانی
 اگر از نعمت کونین معری
 نباشد پیش حسن جاودانی
 سو از ناآرمان روی باقی
 که نبود از وجود خویش فانی
 اشرف از دلشن دیدار آنکس
 الهی چینه که داند باغبانی
 اگر نبود وجودش معجور نرس
 چه بینند دلشن دیدار جانی

مثنوی

مرد آن باشد که در یاد حضور
 می ندارد اندر خاطر از حور و قصور

زانکه در پادشاهی چنانم دولتی است
 گان ز هر دو کون برتر شوی است
 هرکه از نزدیک پادشاه ماند دور
 درجه باحور است دارد بد قصور
 ای برادر هرچه بینی در جهان
 هست در روی ذات ذات او نهان
 بر بود چشم دل تو بات تر
 باشد از هر چیز دلبر جلوه گر
 هست هر فردی خدا را آئینه
 بمن تو در هر آئینه هر آئینه
 بعد ازین دیدار او برتر برآی
 بمن جمال یار خود در هر سرای
 این همه افراد است آئینه دان
 کثر فلت او را بود آئینه دان
 کاندران آئینه روی یار بمن
 گر بود چشم تو یاران یار بمن
 بعد ازین برتر ترا بهر خیال
 بمن وجود خویش را آئین مثال
 اندرو عکس همه اسماء من
 بمن بهم تو کن لباس غیر من
 برتر ازین خاتم خود بات کن
 ذات او را آئینه ادراک کن

در چنین آئینه ذات خدای
 عکس اسمای جهان بمن ازو رای (کذا)
 تا بود محو تو در عکس شهید
 تو نعلانی در میان ابر وجود
 در چنین محوی ترا حاصل شود
 فری با جمعیتی واصل شود
 هر کرا بردست آید این مقام
 هست او آمد مقام والسلام
 این مقام ابرو سمنان بود
 نی زلیخا یوسف دلمان بود
 صورتم جام جهان بین آمده کز
 نی جو جمشید جهان بمن آمده!

مثنوی

درجه در دنیا جمالت دیدنی است
 دیدنی گویند و لیکن دید نیست
 دیدنی را هر که او منکر بود
 کز مسلمان است خود کافر بود
 دیدنی باد بلی نون در
 دیده را زین دیدنی نبود اثر
 هر کرا زین دیدنی ذوقی بود
 تا ابد از دیده ور غرق بود

واصل فانی که در باقی بود
 حاصل دیدار در باقی بود
 شرح دیدن برتر از کیفیت است
 ماهری داند که از ماهیت است
 غیز از قانون ارنی در نواز
 تا برون آمد ترا زین پرده راز
 راز ساز پرده از سویش دل
 سویش را آن نغمه غیرت کس
 تا ترا این جمله ی ساز شود
 هر سر مویت در آوازی شود
 بشنوی کوش از شجره شهود
 نغمه ای انالله از وجود
 ر ترا از ل ترانی زخمها
 زخمها بود ترا آن نغمه است
 لن ترانی ناز معشوقی بود
 گر نه داند ناز او شوقی بود
 سحر دل را قاین دیدار کرد
 معدنی از نوهری اسرار کرد
 لن بسوی چشم انظار بر دلست
 هرکه این چشم بداند کامل است

اشرف این ناز و نیاز دلبران
هر که داند از یقین نه دلبران

مثنوی

ای برادر چون جمال آفتاب
نیست مدرک فائزان را بی سحاب
بی چنان آن نور سورشید جمال
بی وقایت می در آید در حجاب
ند وقایت در من و خورشید ذات
بهر ادرار جمال این صف
گر نباشد این وقایت در میان
هیچکس او را نه بیند در میان
هر که دانشمند این معنی بود
حد وقایع شرح دهی بود
در بتابد ذره آن آفتاب
ز آسمان عیب منلی بی نقاب
محو نرد عالم و آثار او
در شعاع لعمه انوار او
جلوه دارد حجب سورشید او
از تپه جلیاب ثروت سوبو

عکس خوبان جهان باشد عیان
 کاشکار برده نی برده نهان
 ورنه نور ذات را تقصیر نیست
 لبت چشمان را چنان تدبیر نیست
 هرده اشرف این چنین دارد نظر
 او خدا را دید و سر کرد از نظر

غزل

ای در یما در زمانه یار نیست
 یار چه بود در جهان اعیار نیست
 زانکه اعیار از نسیم یار شد
 یار کو اندرین سخن بیدار نیست
 چرا ادنی در میان دوستان
 آن سیردن باشد اندر یار نیست
 یار نزدیکست از نور دو چشم
 لبت در چشم تو این انوار نیست
 نور او تابان تراز خورشید بی
 هست چشم مود را دیدار نیست
 اشرف آن یاریکه دیدار چشم خویش
 وصف او را قوت بفتار نیست

غزل

معانی نیست گر دیدار باشد
 حیات جاودان از یار باشد
 زهی مقتول تین عمزه* دوست
 شهیدان را سیه سادر باشد
 کسی کو سر بزم تین خونخوار
 ندارد زیر پای خوار باشد
 سمان سرده* اسرار بان را
 ره اندر پرده* اسرار باشد
 شنید* پرده اسرار کردن
 جو صوفی روز و شب دآر باشد
 ز ثوق نغمه* توحید اشرف
 جو ساز از دلی بزم و زار باشد^۱

غزل

ترک دنیا کبر تا سلطان غوی
 محرم اسرار با جانان غوی
 با به تخت و تاج و سر در راه نه
 تا سزای مملکت بزدان غوی
 چیست دنیا کهنه* ویرانه
 در ره آباد این ویران غوی

تا بخی در دام دنیا نای بند
 در هوای دانه* بران غوی
 دام فانی برکش از پای جان
 تا تو واصل باشی از سبحان غوی
 برگذر از خواب و غور مردانه وار
 تا براه عشق چون مردان غوی
 تر نهی یا بر سر آوردن جاه
 تارک چون اشرف سمنان غوی^۱

غزل

بار جناب دولت سر بر نهاده ایم
 رخت وجود برسر این در کفاده ایم
 بالمعات راه کرجه بریدیم عاقبت
 تشنه بر آب چشمه* حیوان فتاده ایم
 بر پناه راه فقر نهادیم روح و بی
 بر عرصه* حریم جو فر زمین نهاده ایم
 سر بر حریم حور عالی نهاده رو
 بر روی تو کفاده و بر در ستاده ایم
 از بر حریم عرش جناب تو ما ز سر
 با بر نهاده ایم چه برتر نهاده ایم
 دارم امید متصد عالی ز در نهیت
 چون در دیار غربت ازین هم زیاده ایم

اشرف مر وجود خود آورد برزور (نذا)
از دولت حکیم به اشرف داده ام^۱

قلعه

نداده تا دولت بر سر من
عده الحسن والدین من فایات
ز هی بهری که تر از سلطنت داد
بر آورده مرا از چاه آفات^۲

قلعه

مرا از حنوت بهر جهان بخار
خاب آمد به ای اشرف جهانگیر
کنون سرم بهان معنوی را
که فرمان آمد از نام جهانگیر^۳

قلعه

سرچه خمر سان در راه وصلت
عنان را در ره طلعات خوردیم (نذا)
ونی بعد از چشیدن آب هر جا
کنون بر آب حیوان راه بردیم^۴

۱- رایف ۹۷-۲

۲- اینا ۹۸

۳- اینا ۹۹

۴- اینا ۱۰۰

بیت

گر بیقین شد قدمت اسوار
ا کرد ز دربانم از آثر برآر

ابیات

کسی کز دولت توفیق یزدان
بریده از دیار نامرانی
کشیده بای از اورنگ ناهی
دریده برده و یار جانی
مراب فرقت یاران کشیده
شکسته جام عید زندانی
نهاده ای در صحرای غربت
کشیده دست از فانی و دانی
بسر پیموده این بهدار (محنت کذا)
رسیده در حریم یلوار جانی
برای آنده از خاک دو هایت
کند چون سرمه در چشم عیانی
دردم از درت یزد طرفه اعین
جدا از غای درگاه جهانی
مرا از درگاه عانی خدا را
مران ای ساهه انی و جانی

منم چون سایه و تو همچو شجر
 چرا این سایه را از شجر رانی
 نرسد د طل من از شجر ممتاز
 درد تو از تنی سدا ببارم برانی
 بدرگاه تو ایوب کز بود خار
 به از جمهدی و کبکسروانی

ابیات

دلی کو واقف اصرار باشد
 بداند کین نه از پندار باشد
 دری باشد ز دریای الهی
 باوثر عارفان لا تناهی (کذا)
 که چون غیری بمالم نیست مویود
 بجم ساکنان شهر مشهود
 بجز او دیمری سودی ندارد
 درین سودا جز او سودی ندارد
 که باند عبر او کین نوی گیرد
 گریبان بدست ذوق گیرد
 همه لذات و راحت جهانی
 شراب غیر انسانی و بانی

مر او را میرسد از روی تحقیر
 میاز اندر بهمان از سوی تحقیر
 کسی کو این همه راحت گیرد
 چه باید کرد سود می محنت پذیرد
 اگر این وصف در ذاتی نباید
 ز لذت طعمه را خون شناسد
 اگر بختی درین از روی تنیدی
 کمال دیکرست از روی تحقیر
 بیا امرف دگر زیندونه کم نونی
 که کم بردند زمین میدان کم نونی
 اگر گفتیم حالی در نواید
 درین دفتن مرا معذور ^۱ دارید

غزل

بر گذر از خواب و غور مردانه وار
 تا براه عشق چون مردان ^۲ شوی
 از حریم صحبت مردم بر آ
 تا براه وصال او خندان شوی
 از حبایی نام و ناموسی در
 عاشقی چون اشرف سمنان ^۲ شوی

۱- نایب ۲ ص ۱۵۰

۲- به بیت پهلوی آچکا میر -

۳- نایب ۲ ص ۸۶

غزل

چه برسی ای مافر راه من این (کذا)
 بنویم گر نهی دور دس عین
 که سالت را ره دور و درازست
 ز ادب علم تا سر منزل عین
 درین بهداری ره بسیار عولند
 که از ره میبرند در شرفه احین
 درین ره راهبر آناه باید
 که تا منزل برد از پای خلوت (کذا)
 میان علم و عین ای سالت راه
 ترا مقصد نهاد و طاعت بمن
 درین ره یافته مقصود ارف
 که مقصود این بود از خلق نون^ا

غزل

هرکه او کیمیا اثر با د
 گر ترا زو می نذر باعد
 هر می را که بدست او بنهی
 ز التفاتش می ز باعد
 خود شنیدی نه عین نیم الدین
 با بسر وعده کرد گر باعد

وان ندانست کان بمو عداد
 شعر و سر را برو گذر باشد (کذا)
 چه نذر بوده است شبران را
 کہ ست از لعل شعر تر باشد
 آریہ را گویود ز شعر نذر
 کہ شناسائی هر در باشد
 اعرف از جان تراب شبران باشد (کذا)
 کہ ترا بہ بہ از شکر باشد^۱

بیت

اعرف تو از شعور فزای فنا گذر
 خواہی اگر بقای کہ بیاوید^۲ در بقاست^۲
 لایف مہن در عده اشعار اوران گیر عنوان مہن بحال^۱ ہنیت اختلاف ہا ہا
 بانا ہیر - مثلاً "ہ کہین مثنوی کو غزل اور عز کو مثنوی اور ابیات کو غزل کا عنوان
 دیا گیا ہیر نو دہن عز کو عنوان ہیر صرف دو تہن بیت ملتیر تہن - اکثر عزون مہن
 مدح کا شعر آخر مہن ہونیر گیر بیاہیر در میان مہن مثلاً ہیر اور متعدد اشعار وزن اور
 بحر گیر لحاظ ہیر ساقلاً بحق مہن اور مبہم بھی - مر اس اختلاف گیر باوجود ان کو اسلحیر
 بعینہ در کیا ہیر کہ یہاں ان کی تصحیح قیاسی ہونیر گیر بیاہیر صرف یہ بتانا محمود
 ہیر - حضرت سید اعرف کی شخصیت مین تعقہ اور تصوف گیر ساتھ ساتھ شعر گوئی کا وصف بھی
 موجود تھا -

۱- مثالیف ج ۲ ص ۷۷

۲- اپنا " ص ۷۷

حضرت سید ارف کا دیوان تو نا باب ہے مگر چونکہ متصفحہ متصوفا نہ عقاید و
 مسائل کی تشریح و توضیح کے ضمن میں دوسرے صوفی شاعروں کے اشعار کو ہر محل بہتر سے
 درجہ وہ ناہیر ناہیر اسیر دیوان کے ازیں اشعار بھی سناتے پاتے تھے، اس لیے گذشتہ
 خط میں نقل شدہ یہ چند غزلیں، مثنویاں، قطعات اور ایجابات محفوظ رہ گئے ہیں
 حضرت سید ارف کی کوئی بھی تصنیف شعر سے عالی نہیں ملتی، حتیٰ کہ ان کے خود کا جو
 مجموعہ دستیاب ہے اس میں بھی بابجا بہت سے اشعار پھر ہوئے ہیں۔ ان کو اگرچہ ہر
 قسم کے مضمون سے متعلق ہر محل اور ہر جگہ شعر نظام ترتیب پر قدرت تھی، لیکن سب سے
 میں جو اشعار دیوان سے ماحوذ ہتایہ نہیں ہیں، ان میں اور مکتوبات ارفی میں موجود
 اشعار میں ایسے نمایاں کرتے ہیں کہ دیوان کے اشعار جذبہ و گرمی سے سرشار ہو کر
 نور ہیں جبکہ مکتوبات کے اشعار کو محض کدم منداوم کا درجہ ملتا ہے۔



باب دوم

لغات کا تاریخی جائزہ

باب ۴۴
۶۶

تأملات

مکتوب لکھنؤ پر تاریخی نشانہ* درجہ محققین کا جو خیال و اعتراض ہے وہ یہ کہ اس رسم کی کتابوں میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں جن کی دوسری کتابوں سے تائید نہیں ہوتی۔ اور اگر کسی روایت یا واقعہ کی سند ملدہی جاسی ہے تو اس سے متعلق تاریخ و سنین میں غلطیاں نہ لگائی گئی ہیں۔ چنانچہ لکھنؤ انگریزی میں درج شدہ سوانحی اور تاریخی واقعات کو تنقید کی کسوٹی پر رکھتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی اس قدر باطل ہی جتنی نہیں۔ یہ اوقات ایسے ہی روایت یا واقعے کی شرار مستند صفحات میں ملتے ہیں وہ رسم کی وجہ سے اس مضمون میں وساحت کی بجائے مزید اجھاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ جن واقعات اور تاریخ و سنین پر ایمان میں صحت و ترتیب کا حاکم نہیں رہا تھا ہے یہ وہ ہیں جو حاجی نام یعنی کی موجودگی میں یہ نہیں آتے بلکہ انھوں نے سرد دروسوں پر سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ/نوع کے حالات و واقعات اور تاریخ و سنین کا جائزہ آئندہ صفحات میں یہ کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت سید ابرار کے ترقی و سن اور سوانح اختیار کرنے سے غیبی تمام واقعات اور حالات یا تو خود ان کے چھوٹے بھائی سید محمد پر مشتمل ہیں یا پھر حضرت سید عبداللہ عثمانی پر۔ چنانچہ اس سلسلے میں سید عبداللہ مولف ان دونوں راویوں سے اپنی مدد کا شکر کر رہے ہوئے ہیں۔

* جامع ابن نثار عربیہ و مقامات عجیبہ نامہ اسی اختصار ترتیب اور حضرت سید عبدالکبریا میکرند و تابع میکرند۔ وقتیکہ برٹش و سید مآب از مدنی راجہ دارالطہانت عثمانی افتاد و برادر الشفاء برادر اعز سید محمد میکرند و از حضرت عثمان عبداللہ عثمانی مورخ اعرا سرپرست عثمانی و سبب انھوں نے از

سرپرست ہندوستان پر سیدہ ہندوستان آنچہ از بدایہ نام و نہایت نام

بود بدایہ نام و نہایت نام آوردند

متذکرہ ہندوستان عبارت ہے حاجی نام یعنی تیرہ دہائیوں کا ہندوستان کہ ہندوستان میں

ہندوستان کے اس ہندوستان کے ہندی - مدر تاریخی اعتبار سے اس کا یہ بیان درست نہیں

معلوم ہوتا ہے تیرہ دہائیوں کا ہندوستان میں انہوں نے ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

و ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

و ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

حاجی نام یعنی تیرہ دہائیوں کا ہندوستان کہ ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

اس کا ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

اس کا ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

اس کا ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

اس کا ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس ہندوستان کے اس

(۲) لٹا ہد سی پہلی جلد (ص ۲۳۰) سی حسب ذیل عبارت میں حضرت علی

عہ^۱ اندولہ سمنانی نو حضرت سید ابرو کیر والد نرانی سنان سید ابراہیم کا وزیر بنایا گیا ہے ۔

• • • • • منصب وزارت ابراہیم شاہ بہ استان ملوک بود ۔

سین حضرت سید عبد الرزاق نورالحین نے عاتقہ^۲ مکتوبات سید اشرف جہانگیر

سمنانی میں عہ^۳ اندولہ برمنی کو سنان سید ابراہیم کا وزیر بنایا گیا ہے جو علی

عہ^۴ اندولہ سمنانی پر مختلف شخصیات ہیں ۔

(۳) شاہد کی دوسری جلد میں یہ مد بور یہ ہے حضرت سید اشرف نے سمنان سے

بنداز کے کیر پہلے سفر کے دوران منیر شریف (پیار) میں حوت علی نورالدین احمد

بن بھی منیر (متوفی ۷۸۲ھ) کی نماز جنازہ پڑھائی تھی ۔ مگر چونکہ موجودہ

مکتوبات اشرفی (مرتبہ حضرت سید عبد الرزاق نورالحین) میں واقعہ کا ذکر نہیں

نہیں مسالہ اس سبب اس واقعہ پر انظار برتا دے نہیں سکتا ۔ لیونکہ پہلی بات تو

یہ ہے کہ حضرت سید ابرو پر مکتوبات میں دو مجموعہ ایما ہیں اور دوسرے یہ کہ شاہد

نے بعد تصوف سے متاثر ہوئے ہیں یہ واقعہ اننی شریف کے دھرایا گیا ہے کہ کسی عہ^۵ فی دنیا پر

بانی نہیں رہ جاتی ۔ البتہ ایہ اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ واقعہ سمنان سے

بنداز کے کیر ہو گیا ہے یا نہیں ؟ آیا تھا یا بعد اسے میں کیر کیر د ور سے ہندوستان

واپس آیا ۔ بعد بنداز کے دوسرے سفر میں ؟ — تاریخی حقائق اور تراجم کو

یہ ذکر رکھتے ہوئے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ واقعہ بنداز کے پہلے سفر میں نہیں ہوا

دوسرے سفر میں یہ آیا تھا اور اسے حسب ذیل روایتیں ہیں ۔

(اذ) حضرت شہر بنو خالد بن احمد بن یحییٰ منیری کی وفات کا سال ۷۸۲ ہجری ہے جبکہ حضرت سید ابو نعیم حضرت شہید علیہ السلام اولہ عثمانی کی وفات یعنی ۷۳۱ ہجری ہے۔ یہی ہی عثمانیہ بنو ہشام کا بیٹا تھا۔ اس طرح شہر منیری کی وفات اور حضرت سید اشرف بن ہشام بنو ہشام کا درمیان کم از کم پچاس سال کا فاصلہ ہے۔

(ب) لہذا یہی کی ایک عبارت کی بنیاد پر یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ یہ واقعہ پہلی ہجری بنو ہشام مہینہ ذی الحجہ ۱۰۰۰ء میں ہوا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ

سختی میں ۔

" چون طوہ بنارہ را بر بردند مہر را بنبر سر بردند بخار
 ریف حوت قد وہ الکبرا خلور برد بتموم آندہ حوت مند رمی
 سر آخر در پید بر رفتند و چہ این وہب را از نواحی بنگانہ
 تصور بردند ہم درین توہم روحانیہ حوت شہر بردند ہن
 منکند عدہ فرمودند کہ ترزند اور سا ریمی دارند کہ
 ہر نما بدولت سپادہ بر صند ارناد راوردند اعتدا موز
 نشند اند "۔

اس عبارت میں دو باتیں خاص طور پر قابل غور ہیں، ایک یہ کہ شہر منیری کو
 سر نیز سر برد کر دیا گیا ہے۔ حضرت سید اشرف کی دیکھ میں یہ سترہ ہجری ہوا کہ ان کے
 ہر ریف حوت شہر علیہ السلام اولہ بنو ہشام کا وہب تھا اور دوسری یہ کہ انھوں نے
 منیریہ عدویہ بنو ہشام کا علاقہ تصور کیا۔

بالفرض اگر یہ مان لیا جائے کہ حضرت نیر اندیش احمد بن یحییٰ منیری کی
 طرز بنا و تعمیر کا واقعہ پہلی ہجری بنو ہشام میں ہوا تھا تو حضرت سید اشرف کے

دہلی میں یہ موسم بہار ہوتا تھا جو کہ ان کے ہر سفر میں ہوتا تھا۔
 ان کے ہاں ہوا کی کیفیت یہ تھی کہ یہاں بھی موسم ہوتا تھا کہ ان دنوں یہ موسم
 گرم تھا۔ اس میں ہوا کی بات نہ تھی بلکہ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔
 اور پھر اوجھ (ملتان) میں گرمی بہت زیادہ تھی۔ یہاں ان کے سفر کا یہ تھا کہ
 "بسیار مردانہ ہوا تھی"۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی کہ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔
 کہ ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔
 یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔

اسی طرح دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ پہلے سفر میں ہوتا تھا
 ہوتا تھا۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔
 یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔
 یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔

لہذا یہ دونوں نکات اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ہر سفر میں ہوا کی بات نہ تھی۔
 ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔
 یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔
 یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔
 یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔
 یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔

(۶) لکھنؤ کی پہلی جلد (۱۹۷۸ء) میں ایک ہندوستانی صاحبی ابورضا رتن

سے ہر سفر میں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔ یہاں ہوا کی بات نہ تھی۔

« حضرت جد وہ الکبرا میفرمودند و دنی که این فقیر بحضرت
 حضرت ابوالرضا رتن رسید و از انواں بناید ایشان به نسبت
 عرقه این فقیر بحضرت رتن میرسد و او را بحضرت رسول الله
 علی الله علیه وسلم »

حضرت ابورضا رتن به متعلق من ثوره بالا روایت است تا بعد حضرت سیدان عرف
 فی این مکتوبه به بنی توفیق میرسد و جو زبده العماصر علی ناصر و سقا نیا میرسد
 « این در روید هر دو روید را که یافت از و استفادہ کردہ
 و بعد من حضرت بابا رتن رسیدہ و از ایشان عرقہ بہت واسطہ
 از حضرت علیہ السلام رویدہ و وقتیکہ بعد من عدہ اندوہ
 سمنانی رسیدہ و از ایشان استفادہ و اعز و بانی کردہ و
 میفرمودند کہ من از حضرت بابا رتن عرایب آثار و عباب
 اسرار دریافتہ ام »

مکتوبات انرفی میں موجود زبده العماصر علی ناصر فی نام حضرت سیدان عرف فی
 مکتوبہ سی ا عبارت سیرہ السرموتا میرسد کہ بابا رتن فی بار سمنانی کی معصومات کا
 ذریعہ علی عدہ الدولہ سمنانی میں و جن سیر زہر تربیت انہوں نے سلوک فی ابتدائی
 مراحل سیرت میں اس آری مودنا عبد الرحمن بامی نے بھی نکتات اذ نیر (ص ۱۶۶)
 میں عدہ الدولہ سمنانی کے حوالے سے لکھا ہے دوسرے بزرگ یعنی علی رضی اللہ عنہ
 « ذہ استغفر (مرید و خلیفہ حضرت علیہ السلام) کا ذکر کیا ہے جن کو
 بابا رتن سے معاف کیا گیا تھا ۔ نداء سی عبارت حسب یہ ہے ۔

"شہر ریں ابدی عیسیٰ" الغزتون سفر مند وستان کردہ بودہ
 و صاحب اوریا رتن ریں اللہ عنہ دریا سہ و امانت رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم از ور گرفتہ و چنانچہ شہر ریں ابدی
 عیسیٰ ابد واد آنرا تصحیح فرمودہ و اللہ "صحب" یعنی اسٹیج
 ریں ابدی عیسیٰ عیسیٰ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابابا
 الرنا رتن ہیں شہر ریں اللہ عنہ غا عاہ مشا "من امانا
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و شہر ریں ابدی عیسیٰ ابد واد
 آن لائے را در سرفہ دیدہ و آن حرفہ را در قاعدہ نہادہ
 و بخط مبارک بود برآن قاعدہ نوشتہ ہذا امین من امانا
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و عیسیٰ ہذا شعیف من صاحب
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ہذا الحرفہ و شہت من ابی
 رہا رتن ریں اللہ عنہ ای ہذا شعیف ۔

حرفہ یہ عیسیٰ اللہ و اللہ سمائی اخیر عدم میں بقہ ۔ سوچا مونیہ زیر سربراہ
 سہم اخیر ہی اورا ہی ہر باسند کا درجہ رکھتی ہی ہا۔ لیکن ان کیر تعد ہیں
 سر۔ یعنی زیر بعد بابا رتن در وجود اور مطابقت کہ بار میں مونیہ و متاہی کے لیے
 نسیم کیر شہر میں نہادہ باقی نہیں رہی ۔ یہاں تک کہ حرف صد اعتراف کو بھی
 بابا رتن در وجود اورا ہی مطابقت کہ بار میں نہ سمائی ہی زیر معصوم ہوا ۔
 چنانچہ مذکورہ باد عار۔ سیر ملتی بلتی ہوئی اید عارت لایف میں بھی میر ۔ جو
 صاحب یہ ہے ۔

"آوردہ اند کہ عیسیٰ عیسیٰ از سد و بہار دہ متاہی نامہ حرفہ
 دارد و بعد از واد و سد و سوزدہ حرفہ بودہ و باسندہ
 سفر مند وستان کردہ بود و صاحب ابوریا رتن ریں اللہ عنہ

..... چون بابا سفر آخرت کرده اند، نموده برآمد، چون وارد شد
 صد و چهارده حرسه از انا بزرگوار متعده، برآمد و بر سر خرده ای از
 انار به ازو یافته بودند، نوتنه و به مرین چند باره بامه
 بچیده بود و بیرون نوتنه به هذا مشا ما اماه رسول الله
 در این عاید و ششم از آنان به انتفات بسیار و توجیهات به شمار
 به این دروید داشتند عاید خودند و ساسان شهره و طاعتها
 دهره از صحت جدا کرده بودند و در ایام قریب سفر آخرت
 بفروند اخراکات سید عبدالرزاق را کرده اند

این عبارت به متروک سوا به شهر عده اند و به معنای سیر مدفات در چند باب
 هر سید ابره نوابور رتق که وجود او را به سی طایفه سیر عذوه شمس معانی است به پنج
 عور تیرا به ساج هوا به سیر یک هی بابا رتق با و با عوجا نعا - عذوه ازین
 بابا رتق با انتفا - در حیا - ساسان - سیر معنی یعنی ۲۲۲ یا ۳۸ یا ۵۹۶ هجری
 میل و او را به این وین هی مین سارده - شهر کیر - جیب بابا رتق کی و با عوئی اسروفت

-
- ۱- مستوب بعد و ششم بخام زبده الحاضر نیر ناصر
 - ۲- نزعت الحواضر مین مذکور به بابا رتق - عور سیر ساند مین به ناسطیر به مقام به گفته
 - ۳- سید ابره - عده - هو نزعت الحواضر مرتبه سید اخی بن سراندین احسنی و
 - ۴- مدیر ندوة العلماء السابک لکهنو - سی دایره احقار العثمانیه ۱۸۷۲ -
 - ۵- حیا - سید الخرف جهان سیر معنای در ۱۱۵ بحواله شایا به طبعیم -

۳۰ اور ۲۸ اجری کے حدود میں کیا گیا تھا ہے۔ اس لیے اس بات پر افسوس کہ پہلی
اسی میں نہ بلکہ اس میں جو حد درجہ پیدا ہو۔ اس سے منکات نہیں ہوتی اور ساتھ اور مطلوبات
اس میں عبارتوں میں اس کے دونوں حصوں سے منکات کا ذکر ملتا ہے وہ اضافی ہیں۔

[illegible]

دستار به روز در پیشگاه اسم و و میگردند و دستار مبارک خود را برزاقو داده بودند و حسن بود و باز کنان آمد و دستار مبارک را رفت و بر سر خود نهاد و اصحاب گفتند می می آید بود بی از بی مکن و حضرت علیه السلام فرمودند که آرید که و بزرگ سوادند و مستدال روزگار و بیثوای اداوار سواد بود و دستار و هیبت من بپوشان راست خواهد برآمد

یہ روایت تاریخی لحاظ سے اہم ہے۔ لہذا غلط ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 کا وطن بھارہ ہجری میں ہوا تھا جبکہ حضرت حسن بصری کا حال پھد ایہرا اکبر ہجری ہے۔
 (۶) لٹا ہند سے پہلی جلد (ص ۶۳) میں ہے کہ حضرت ابوالحسن قرشی نے فرمایا کہ
 میں ایہرا کا بیچ بزرگوں کو لیا تھا ہوں جو انکی قبروں میں تصرف کرتے ہیں۔ تمام یعنی لکھتے
 ہیں۔

” حضرت قدوہ الکبرا میفرمودند کہ در طبقات السوفیہ آوردہ
 است کہ عبد ابوالحسن قرشی دفنہ است کہ ہند کش را میدانم از
 مشاہیر کہ در قبور خود تصرف میدنند چنانکہ در حال احیا میکردند و
 معروف برقی و عبد القادر جیلانی و شیخ محی الدین ابن العربی
 و شیخ عظیم مسیحی و غیر حیات حرائی قد سرانہ ارواحہم۔“

یہی روایت نفحات ص ۵۲۵) میں حضرت ابوالحسن قرشی ہی سے منقول ہے و مگر
 اس میں رقم بار افراد یعنی معروف برقی و عبد القادر جیلانی و شیخ عظیم مسیحی اور
 شیخ حیات حرائی کے نام موجود ہیں و گویا محی الدین ابن العربی کا نام نفحات میں
 نہیں ملتا۔ عدوہ ازین ابوالحسن قرشی کا نام طبقات (ص ۷۲) میں عین بن ہند القرشی
 در ہر و جبکہ طبقات السوفیہ سلمی (ص ۲۹۹) میں ابوالحسن بن ہند الفارسی اور
 ابوالحسن بن ہند و عی بن ہند الفارسی القرشی بھی مندر ہے و اور اسی ماخذ یعنی
 طبقات سلمی (ص ۱۵۵) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جنید بغدادی سے ابوالحسن قرشی
 کی مدقات ہوئی تھی۔ چونکہ حضرت جنید بغدادی کی وفات ۲۱۷ ہجری میں ہوئی تھی و اس
 سیر ابوالحسن قرشی کا زمانہ بھی تیسرے صدی ہجری ہی ہوتا و جبکہ شیخ عبد القادر
 جیلانی و غیر حیات حرائی اور شیخ محی الدین ابن العربی کا عہد چھٹی اور ساتویں صدی

ہر گز نہ لہذا تاریخی حقائق کی روشنی میں اس روایت کو ابوالحسن قرشی نے منسوخ کرنا جس پر بھی دیکھ لیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ شیخ ابوالحسن اور ابوالحسن طوسی دونوں میں یہ رائے سب سے مستقیم ہے۔

(۷) ابوالحسن طوسی (۲۰۰ھ) نے ہجرت ۲۰۰ھ میں ہجرت احمد سیلی کی متجدد روح سے لے کر ۲۰۰ھ میں سیلی سے انجیر کی مہلات کوئی توانہوں نے ہجرت احمد سیلی کے عروج و زوال کے بارے میں بحث کی ہے۔

”حضرت قدس وہ الذی را میفرمودند کہ جسم عورت از عرجہ توہند لطیف تر است۔“ نفرت میبردند کہ شہ انجیر در عوام خانہ کعبہ عظمیٰ را دید کہ اواف میکرد و کسی را مزاحمت نمیکرد و اگر در میان دور کر می درآمد و بیرون میرفت ایشانرا ہم جدا نمیکرد..... دانستم کہ روحی است متجدد و سر راہ و در نشاء داعتم و بروی ہم نردم و جواپ من باز داد و باور عمرانی نردم و در میان سخنان واقع بد و دانستم کہ احمد سیلی است و از وز سوان نردم کہ در وقت تو قربانان کہ بود؟ گفت منم و بعد از من سید بعد و بعد از و سید ابرو باعد ہذا طبقات الموصیہ۔“

یہ روایت فتوحات مکہ سے نقل کی گئی ہے اور اس کی عبارت لفظی سی عبارت ہے۔ معانی بھی ہیں۔ لیکن یہ فقرہ کہ ”و بعد از و سید ابرو باعد“ نہ تو

۱۔ سید الشہداء و جہہ فی متوفی ۵۶۱ ہجری و عہد حیات خراسانی متوفی ۵۸۱ ہجری اور
۲۔ ابوالحسن طوسی ۱۲۸ ہجری۔ ۳۔ نفحات ۵۰۷ و ۵۲۶ و ۵۲۸۔
۴۔ مباحثہ عروج و زوال ۵۵۵

نعمانیہ میں ع اور نہ عی - اے مہین - در حقیقت شہدائے سیر سے اس روایت کو عیناً انصافیہ*
 مروی اور عیناً انصافیہ* طبعی - منسوب بھی نہیں کیا جاسکتا ہے اس لیے کہ شہدائے سیر
 کا زمانہ ۵۲۰ھ - ۶۸۸ھ سیر سے ع اور عواہ عبداللہ انصاری کا زمانہ ۸۸۱ھ سیر اور
 طبعی کا زمانہ ۸۱۲ھ سیر میں عواہ - عواہ شہدائے سیر کا عہد بھی عراہ کی وفات پر
 اسی سال بعد اور طبعی کی وفات پر ۸۱۲ھ عواہ سے بعد شروع ہوتا ہے - اس لیے اس کی
 روایت سے مد سورہ باد و ونوں باد - مہین کی بھی روایت کا ملنا محال ہے -

(۸) لایمہ سے پہلی جلد (ص ۲۶۷) میں ہے کہ حضرت سید ابرہ اور مودنا

بہرہ الدین رحمہ کی صاحبزادی حیدان ولد بہرہ درمیان مدائن مونی تھی - یہ عبارت
 صحیحہ ہو یہ نہیں تھا - یعنی یہ حضرت سید ابرہ سے تھی نہ سید ابرہ سے -

..... و آنچه ده از حضرت حیدان ولد این فقیر تحقیق بردہ

آنها نیز میخوانم شاید ولد میباشند -

مرا د و ونوں عراہ کی اہل د و سرور سے مدائن اس لیے ممکن انوفی نہیں ہے

حضرت سیدان ولد کا زمانہ وفات ۷۱۰ھ سیر ہے جبکہ اسی سال پر حدود میں حضرت سید ابرہ
 سے عداوت ہوئی تھی -

(۹) یہ احمد الحسن موسیٰ اور عراہ پر فرمانروا - مدنا فور پر مابین اہل واقعہ

کا بیان لایمہ سے پہلی جلد (ص ۷۸) میں اس پر عواہ ہے -

" بدین تشریف آید میگردند کہ در زمان بختیاری در عراہ باد شاہی

بود تا فور نامہ بنیہ احمد الحسن موسیٰ نامہ نعت و مدداری

زر برسم نیاز فرستادہ بنیہ احمد الحسن موسیٰ عبور نکردند و باز

برای او فرستادند و رفتند کہ مرا باین حاجت نیست بہ آن

سارہ از ایٹان رجو رفته و بدہ نہ بہ تر ایس اسدہ چون نامد
 بخاند آمد و خبر علی احمد اسلم آورد و تا نور د را و و قدم شہید
 و باز آمدہ بشہ نوید نہ ا مرد من اموات ح بود و اوہ ہزجر
 ساج ماہ بدہ ترا درہ چہ تارہ سرور مرآں نخواندہ
 ا و سکہ ماہی السموات و ما فی الارض و ما بینہما
 ا اگاتورہ چرا نبون نکر ؟ آوردہ اند کہ مسمون ایس
 منانبات رقیہ و مقووت جانچہن بحسرت علی عبداللہ انصار رسیدہ
 رمودند کہ ا بہ معرفت تا نور بہہ از عشتاہ سالہ عبادات
 اسلم وحی اسدہ۔

صاحب مرآۃ السراۃ (ح) نیز علی احمد اسلم سوسی کا نام محمد اسلم سوسی
 سالیما غیر اور آندہ سران پر تارہ میں لکھا ہے کہ
 "اربعۃ" یہاں و مستند اس زمانہ بودہ اور را شعنہ حراسان
 سواندند۔

میں نے علی سوسی رو بہ یہ ثابت ہوئی ہر گز مذکورہ بالا واقعہ میں تا نور اور
 اسلم سوسی سرور میان نہی و سکہ میں تا نور اور شی اور ہر سہ ابو عبداللہ کی
 مابین علی آبا تھا۔ ہمارا اس دور کی نسبت یہ غیر ذہبشات ہو مرآۃ السراۃ
 اور اسلم سوسی مدیدہ ماخذ میرہ امر میں مواجہ عبداللہ انصار۔ اسی واقعہ کو
 اس دور میں سالیما میر۔

اس عربی عبارت اتریدہ مدد ہو۔ جو درمیں اور آسمان اور ان دونوں کی
 درمیان ہوا اسلم سوسی تا نور۔ تا نور کیا میر؟ یہ دیکھو کہ تا نور
 کیا میر؟ مرآۃ السراۃ۔
 ۲۔ صنفہ عبدالرحمن ہشتی و وری ۸۵۔

”وہی امیر کا نور زر فرستاد بہ عبد بن عبد اللہ باوبارہ بسیاری
 و وہ بنہ ہذا ہفت و بار فرستاد یعنی شریعت کا نور و عبد ان
 مرد نہ مافی السموت و مافی الارض و ما بینہما و ما تحتہما
 (بارہ ۱۱ سورہ شہ رنوی ۱) فامین اسکا نور؟ عی اللہم
 نفقہ کے اس حسن کا نور بہ از ثردار او بود و ولین آن حسن ماہ
 و بر اس بہر بود“۔

مردنا اس نے بھی بقات فی سنیہ بران واقعہ کو نفحات (۲۲) میں ہمینہ
 قد لیا ہے۔

(۲۶) لہذا اس نے پہلی چند (لکھنے چارم) میں سماء کی بادشاہت کے زمانے
 میں مندولون سے حضرت سید ابرہہ کی آمد بہت ہی موفقتاً بیان کی ہے۔ چرمین
 بادشاہت سید ابرہہ اور ان کی فوج کو فتنہ نصیب ہوئی اور تہرجا* پیاسہ عزار مندولون
 مارے ہوئے اور گرفتار ہوئے۔ یہ واقعہ بہت ہی مبالغہ آمیز اور استعاراتی انداز میں
 بیان کیا گیا ہے کہ زبان کی رنگینی اور اسلوب کی دلچسپی کی وجہ سے اس
 پر اتنا اثر ہو سکا ہے کہ ہر تیار ہو جاتا ہے۔ لیکن جیسا کہ اس مقالے کے باب
 اور میں عرض کیا جا چکا ہے۔ سماء کی ریاست اتنی چھوٹی اور غیر اہم تھی کہ مندولون
 کا اس کی طرف متوجہ ہونا بھی سہین تھا۔ نہیں۔ اس جتنا کہ بیان میں جو اہم عامی
 ملتی ہے وہ یہ ہے کہ یہاں چاند کی جملہ تفصیلات کا ذکر تو ہوا ہے مگر یہ نہیں
 سمجھا گیا کہ مندولون نیز سماء پر یہ حصہ کس طرح سادہ کی بنیاد میں کیا تھا۔
 بالآخر اس حصہ کا بیان کیا جائے کہ چند ہی ہا مذکور یا ان کے کسی حصہ سادہ پر یہ حملہ کیا

۱۔ عربی عبارت کا ترجمہ صحاح مو۔ ”جو کچھ آسمانوں اور زمین اور ان دونوں کے
 درمیان اور زمین کے نیچے ہے واللہ ہی کا ہے تو باور نہاں ہے؟“
 ۲۔ بقات فی سنیہ ۲۲۔

سما تو مندرجون کی مدد سے چیز و۔ د سامع سما، جیسی غیر ہم ریاست کا نیست و نابود
موجباتا پیشانی امر میر۔ ا۔ یہ کہ خبر۔ جب اشرف نے خود ہی ان کے ایک مکتوب میں جنہیز و
سہو۔ سما سے ہر حدوں کی خوفنا نشان کوا۔ رہ بیان کیا ہے۔

”آوردہ اند کہ وہ تمام زمین و میت امران و سہ دیار عراق
و سراجہ در تحت تہی آوردہ بنانند در سما۔ آوردہ اند“
”جنہیز و ہونہ بعد ازاں میں اہلخانہ کی ایک مکتوب مرکز حکومت قائم
ہوئی ہو کہ متاخر میں ریاست سمعان کی فوجی اہمیت نہیں تھی۔ لہذا تاریخی حقائق کی
رو سے میں نے امید میں نہ ہو رہا۔ تا واقعہ ہرگز مبالغہ نہ ساسی نہیں۔ البتہ خبر رسید
اشرف نے اپنے ایک دوسرے مکتوب میں منقولوں کے اس ایک جھوٹی سی خبر کا ذکر کیا ہے
کہ میں نے تو نے وہی تھی۔ جبکہ میں عبارت مدد ہو۔“

”و ایس دفتر را آنروز شمشیر عشق بر سر رسید کہ دو رہ۔ منانند
بجندیزیان ذکر آما۔ و بنامہا ہا؟ سلطان فرماں فرمود و رسمانہ
شد و آوردہ کہو بانہ روی نمود اکثر سادات سلسلہ نور پختہ
و بہتر را بہار زمرہ سامانہ بہر شاد و شرم شدند۔۔۔۔۔
چنانکہ بوزم رسیدہ ہا از سر شہدہ بہت سزودہ راہ دیدہ
بدارالست نہ سما راہ اندامیدہ“^۲

اس اند میں در رسیدہ اور ان کے ساتھیوں کو ایسی شکست ہوئی کہ وہ خود

۱۔ مکتوب چھوڑ دیا۔
۲۔ ”سما“ ترکمان، پیران، سوپور کا نام ہے۔ یہ ”سما“ ”پیر بجا پیر“ سماں
ہر مدنی میں در قید میں۔ ”سما نامہ“ د خدا (رب نامہ) سماں۔
۳۔ مکتوب، ر و شتم۔

بہی زخمی ہوئی اور بڑے شدید درد فرا ہو کر اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوئی۔ اسی
مذکورہ سیر میں بھی مشرک ہوتا ہوا کہ یہ بھڑک اٹھیں معمولی تھی کہ مورخین کی توجہ بھی
اس پر نہ پڑی نہ غرضی و اور ہو سکتا ہے کہ سمجھا گیا ہو کہ اس کی تصدیق صاف میں
ہو۔ اگرچہ یہ واقعہ بھی نہ رہا ہوں و جبکہ مشنوں کی انسانیت سوز اور تباہ کاریوں
کی تمام چھوٹی بڑی تفصیلات تاریخ کی کتابوں میں محفوظ کرنی تھیں مہینے۔ اس لیے
بدنہد یہ دیا اسٹائیر نے لایڈ (سائپریم) میں مشنوں پر حضرت سید اعرف کی
سے تا پیر رابعہ ص ۱۰۰ و ۱۰۱ پر بیان کیا ہے۔^۱ اس پر اسحاق بھی۔

(۱) لایڈ میں ایک خط ہے کہ حضرت سید اعرف نے ۲۳ ہجری میں طبرستہ (دس)
کا سفر کیا اور وہاں حضرت سید یسود راز کی انتقاء میں قیام کیا۔ وہیں۔^۲ جہاں تک
ان کے سفر طبرستہ اور خائفہ یسود راز میں قیام کا تعلق ہے تو اس میں کسی حد تک منجانب
اس سے کہ اس کا ثبوت لایڈ پر متعدد صفحات پر عدوہ دستویات اس کی ہے جس میں
ہے۔ لایڈ میں سفر طبرستہ کا متعلق جو عبارتیں ملتی ہیں وہ ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔
"حضرت فدوہ الکبرا را کہ وہ طبرستہ سور میں آمد و طبرستہ
میں فرمودند و بعد از خان مراح و منازل چون در بغداد دن سرمد
پردند نزول راہیات فقرا سرا فراز جہاں خائفہ سید محمد یسود راز
ادتاہ"۔^۳

لایڈ اور مکتوبات دونوں میں حضرت سید اعرف کی دو مرتبہ سفر طبرستہ کا ذکر
موجود ہے و مزار ان میں سے سبھی بھی سفر ۲۳ ہجری میں نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ حضرت یسود
د راز نے سمرقند چھوڑ کر بغداد کی طرف سفر طبرستہ میں نہون اختیار کی تھی اور

۱- لایڈ ص ۱۰۰

۲- ایسا ص ۲۰

هندوستان، بر تیمور با حمہ ۸۰۱ هجری میں جوا تھا۔ یہ میں ملو سا، کو شکست ہوئی۔
مکتوباً۔ میں سید خان کو باج کا حق میں تیمور اور ملو خان کی چند دربار میں حوت
سید ابرو سے بغیر بھیجی۔

”ہر عامی نو صاحبزاد (تیمور بندہ) را شرف بخشید و تار
ملو سا، بہ عزیمت انبامید بہر بہ ارا ناہر وہ۔ و مآثر حمایت
سویا میداد ہر قتل و قتل بہ مہرندہ بنخصیہ قتل ہندوستان از
مہر ردا احیب و نہد سما احیب بر دست آمدہ“^۱

اگرچہ بورتہ کر لہیر میں کہ حورہ ہمو د راز بیسلیم ۸۰۱ هجری میں دہلی
سے عبور کر کے شہرہ میں بیون اختیار کی و بجا حد معصور ہوئی ہے۔ کیونکہ ”تاریخ
حبیبی“ کے چہ سی تا چہ از زمانہ حورہ ہمو د راز کے عہد سے بہ بہر بہ ہا ہ میں ان
بہر اسات ۸۰۱ ہجری در ہے۔^۲ لہذا حورہ سید ابرو نا سہ ہر شہرہ ۸۰۱ هجری
د بعد ہی دہرا ہوگا۔ حورہ سید ابرو بہر بہی مرتبہ دہرہ شہرہ لہیر ہے تو ابرو بہ
حورہ ہمو د راز انی سبب ”سیرالنہی“ لہر دہرہ ہے۔ پنانچہ مکتوباً اسرفی سے ماہود
بہ استیام سدا ہو۔

”از آنجمله سادات ہمو د راز اندہ..... بجا بہ علی لہ تصنیفات
راہندہ و تا یفات دہدہ از آنحضرت سربرزدہ اندہ ہر ر سیرالنہی
احمر التصنیفات حورہ میرا۔..... در سیر نصیب کہ ببانہ
میر شدہ عزمت حورہ میر بد نمواہ شدہ ہر سیر ثانی بحورہ
شاہ بد اللہ و شاہ علی اسہ مزمو و شرم یافتہ“^۳

۱۔ مکتوبہ سید ابرو د دوم

۲۔ تاریخ حبیبی مؤلفہ خد العریز بن ہر ملہ ہس محمد واعلیٰ ر سہی ۱ وری ۲۸۔ کہ ۱۱

حاجہ بہرہ شہرہ جوامع مسلمان ۲۴۵۳

۳۔ مکتوبہ سید و دوم

عصبات

جیسا کہ اس مقالہ پر کیر بابا اور مہین بھان لکھا جا چکا ہے، حضرت سید اشرف نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ سرزمین گزارا، چرکا بنیاد میں متعدد مہمصر علما و صوفیہ پر اخذ و استفادہ اور راہ راست پر ہدفگیر ہو کر بندگان خدا کی اصلاح نصرت کیا۔ لیکن ان ضمن میں بہت سے ایسے افراد پر بھی ان کی مددات ہوئی جو امر تصوف پر نہیں، بلکہ علمی و ادبی اور سیاسی دنیا پر تعلق رکھتے ہیں۔ اور جن میں سے بعض نے بار بار مہین حضرت سید اشرف کے بھانات کو قدیم ترین مآخذ کا درجہ دیا جانتا ہے۔ کہونکہ ان کے عہد میں مخدوم جہانیاں جہاں کثرت سید جلال الدین بھاروی اور میر سید عسی ممدانی نے بعد شاید ہی کسی سلفی یا عالم نے دنیا کی اتنی سیر و سیاحت کی ہو، چنانچہ انہوں نے یہ بھی تصدیق کی کہ مسطورہ نظریہ تصوف اور ان کی عمدہ بہت شخصیت کی یہ کرمہ تھا کہ صوفیہ و متاخر اور حوام انصار کے عدوہ یا دشمن اور امرا بھی ان کے عہد ت مندوں میں نام نہاد تھے۔ شاید اشرفی میں مہین احمدی مند کے بعض ایسے حتمرانوں اور امرا کے نام مشہور ہیں جو مصیبت کے وقت ان سے دعا کر خواستگار ہوا، غریب اور امور سلطنت میں منورہ طلب سرفہ تھے۔ لہذا اب آئندہ صفحات میں ان علما و صوفیہ اور بادشاہ و امرا کا ذکر کیا جاتا ہے جن پر حضرت سید اشرف نے مددات کی اور ان کے بار بار مہین کی رائے کا جی اقرار کیا۔

(۱) عہد علاء الدولہ عثمانی

عہد عثمانی کے جن کا نام احمد بن محمد بن احمد بن محمد اور لقب علاء الدولہ رضی اللہ عنہ اور ابوالنصارم تھا، عثمان کے ایک فریہ "بہا پانہ" میں ذوالحجہ ۶۵۹ ہجری

میں پیدا ہوئے اور ۷۷ سالہ کی عمر میں ۲۲ رجب ۳۶۱ ہجری کو وفات پائی وہ اور سنان کے
 سربراہ "صوفی الد" میں مدحور ہوئے۔ ان کے والد ماجد کا نام محمد اور لقب ملا شرف الدین
 تھا۔ وہ غازان خان کے عہد حکومت (۶۹۷ - ۷۳۲ ہجری) میں نئیالچہ ۶۹۷ سے ذی قعدہ ۶۹۵
 ہجری کے وزارت کے عہد پر ہر نامز رہے تھے۔ ان کے چچا ملا شرف الدین اور مامون رکن الدین
 شافعی اور غوطان (۶۸۳ - ۶۹۰ ہجری) کے نند ما میں سے تھے۔ ہندوہ سالہ کی عمر میں وہ
 ان کے چچا ملا شرف الدین کے توسط سے ارغوان سے دیوار میں دیوانی کے عہد پر ہر نامز
 ہوئے اور اس کی لیاقت اور فراغت سے چند ہی بادشاہ کے منظور نظر ہوئے۔ پہلے
 یوبہ سالہ کی عمر (۶۸۳ ہجری) میں یہاں شاہی معزمت ترقی انھوں نے راہ سلوک
 استعار ثقلی اور پھر ۶۸۲ ہجری میں شہر عبد الرحمن اسفرائینی سے نسبت ارادہ حاصل کر کے
 اس سے رہنمائی میں اتنے سخت ریاضات و مباحثات کئے کہ ان کا شمار وقت کے مشاہیر
 سنیہ و مہاب میں ہونے لگا۔

حضرت سید احمد نے اس کی ابتدائی زندگی میں جن مشاہیر سے سلوک کی تعلیم حاصل
 کی وہ ان میں سے "الد" ولد سنانی کا نام سرفہرست ہے۔ وہ ان کے عہد میں سنیہ مشاہیر
 کے سربراہ کی حیثیت سے اس قدر مقبول تھے کہ ان کی زیارت پر نکلی ہوئی ہر بات سند کا
 درجہ رکھتی تھی۔ سربراہ کے باوجود وہ شہر اکبر میں احمد بن ابن عربی کے فقیہ
 وحدت الوجود کے سخت مخالف تھے جبکہ بیشتر مشاہیر نے اس عقیدے کو توحید و سلوک کی
 بنیاد قرار دیا ہے۔ ان کے برعکس شہر کمال الدین عبدالعزیز شافعی کو اس مسئلے
 میں اس حد تک غلط تھا کہ وہ اپنی مجلسوں میں قصود الحکم کا درجہ دیا کرتے تھے۔
 حضرت سید احمد اور امیر اقبالیہ سنانی کے توسط سے ان دونوں حضرات میں ہندوہ خط و

۱۔ حبیب السیر ج ۲، از حوائد میر (پن شہر ان ۸۷۱ ہجری) ص ۵۲ اور تاریخ ترمذ
 از حمد اللہ مستوفی، پروجیکٹ اید وارڈ پراؤن (۸۲۸ ہجری) ص ۸۱۔

نقابیت بحث بھی ہوئی^۱۔ لیکن جیسا کہ لسانیہ میں درج شدہ، حضورؐ سے ظاہر ہوتا ہے کہ
عہدِ ناسی کی دہائی و تاویہات سے عہدِ سمنانی کی تثنی نہ ہوئی۔ البتہ حضرت سید اسرف
کی رائے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زندگی پیر آخری امام میں عہدِ سمنانی نے وحدت وجود
کی مسافت ترک کر کے اس مسئلے میں بدعت اختیار کر لیا تھا^۲۔
(۲) عہدِ نظام الدین عبدالرزاق کاغی۔

لسانیہ پیر متعدد صفحات میں عہدِ عبدالرزاق کاغی کا نام بڑی عقیدت سے لیا
دیا گیا اور ان کی بہت سے ادوار بھی منسوب ہیں۔ ان کو ابن العربی کی تصنیفات یعنی
فصوص الحکم اور نقوش مکہ بڑھائیے ہیں ایسی مہارت تھی کہ دور دراز عدوؤں سے
سُرگ آ کر ان کی مینبر میں غریہ ہوتے تھے۔ ہر ناچہ خود حضرت سید اسرف سے بھی ان کی
مینبر میں غریہ ہو کر ان سے سبقا سبقا فصوص الحکم بڑھی تھی۔ یہاں ذکر لسانیہ میں ان
اخبار میں ملتا ہے۔

”حضرت قد وہ الکبرا می فرمودند چون بشرف ملازمت حضرت شیخ
عبدالرزاق بہ ایشان مشرف شدیم جمعی از اسطاب تصوف فصوص الحکم
سند می کردند و در اجتماع غریہ شدیم و مقدمہ کتاب مذکور
ایشان ذرا نیدہ بودند و بجا ہر عاشقی نہ در بارہٴ این
فکر داشتند اعادہ نمودند و وہ جلد سوط مکہ و ملصح
اسلام عہد اخیر بمزمت ایشان ذرا نیدیم“^۳

سوفیائے نراہ کی زندگی اور صفوئہات کے سائل سے یہ موضح ہوا ہے کہ

۱۔ لسانیہ ۲۔ ۱۰
۲۔ لسانیہ ۳۶-۳۷
۳۔ لسانیہ ۱۰-۲۴

اکثر مناہج و اس تصور وحدت الوجود کا عہدہ رکھنے پر بھی مکرر تاکید کی گئی ہے۔ بات یہ
 زور بھی دیتی ہے کہ تمام مذہبہ راسخ نہ ہونے پائیں۔ کیونکہ عام مسلمانوں میں بھی اکثر
 ہی وہ نرد و اصطلاحات نہ سمجھتے اور توحید و وجود کے اسرار و رموز کو انکھڑ کر کے ہی
 استعمال نہ نہیں پاتے۔ اتنی ساری وجہ سے تصور اور دعوایات کا ساتھ اٹا کر سونپہ اپنی
 ہی نہایت محدود رہنمائی اور راہ سلوک کے مہند ہوں کو بھیونے کی اجازت بھی نہ دیتی ہے
 جنس و پڑھانے کا مجاز بھی صرف وہی ہے۔ ہرستان کا چہرہ پڑھانے پر پورا اثر ہی سند
 حاصل کی ہو۔ چنانچہ انبیاء مہندہ جہ پاد میں حضرت سید اسد شیر پورؒ کا ذکر
 کیا ہے۔ اس پر مراد تصور اور دعوایات پڑھانے کی سند ہے۔ یہاں ہمیں سونپہ کے
 مفہم و دریافت اور اس پر بھی اکثر ہی اصطلاحات پر بار بار میں جو تفصیلات مضمون میں
 آئی ہیں۔ ان کے بارے میں عبدالحزاق کا بھی ہی سند ہے۔ حضرت سید اسد شیر پورؒ نے بیان
 کیا ہے۔

(۲) امام یافعیؒ

امام یافعیؒ کا نام عبد اللہ بن اسعد بن علی اور نسبت کھفہ اندہن ہے۔
 مسلکاً وہ یافعی تھے۔ عدنان میں بنی یافعی میں پیدا ہوئے اور ۷۶۲ ہجری میں وفات پائی۔
 ان کی علمی شخصیت کا اندازہ حضرت سید اسد شیر پورؒ کی حسب ذیل تحریر سے ہوا ہے جو انہوں
 نے مسوولہ دار فقی میں لکھا ہے۔

• ابن درویش عوارق حضرت امام انصاریؒ و مولیٰ انام الثاملین
 عبد اللہ یافعیؒ کا رائدہ بود امروز ہزدہ سال شدہ کہ در
 ہر سال مکتوب دے دینے یافتہ و بہرطرح موعودہ آخر کا فتم ہے۔^۱

وابہ آتیر -

حضرت سید ابروہ بران شی بہر جلا اور علیہم روحانی نصیب کا اثر ابروہ در پڑا تھا کہ ان کا نام آتیر ہی ان پر عجیب و غریب کیفیت طاری ہو جا یا سرش نمی - لہا ہدیر مند رجا - یہ مدد ہم عونا ہر کہ سید جہا ہداری کے معاصرین میں ہے دوش ایسا صوبی و - روہر نہ تھا جہا سی مغزمت میں حاضر ہو کر انہوں نے استفادہ نہ کیا ہو - یہ سب پر پہلے ان کو انہی آبا و اجداد سے نعمت و ملاقا ملی چہا - اس سبب حضرت عسی علیہ الرعوان قدس پہنچتا ہے - اہد ہدہ ان کے روحانی مدار - کی بابت حاجی دنام یعنی لکھتیر

میں -

• حضرت قدوہ الکبرا میں فرمودند کہ مثنای سلسلہ • عادات
بہارہ و مبداء نسبت و مقامات عالیہ بسیاری شدہ و آنمقدار
حقایق و معارف و دقائق و عوارف و حواری عادات سنیہ و
حواری مقامات یقینیہ کہ ازوں صادر شدہ از ہیکر ارباب ہدہ
• رماہرین شدہ است •

حضرت سید جہا ہداری نے دونوں مقاماتوں میں حضرت سید ابروہ خواہ تمام
صہر و برکات سے کمال محبت کے ساتھ نوازا ، جو ان کو اپنے ساندان کے بزرگون اور
دیگر مثنای سے حاصل ہوہر تھے - تاہجہ ان کی عنایات کا اعتراف حضرت سید ابروہ نے
جناحہا میں کیا ہے وہ یہ ہیں -

• جہ سارا العجاہب ہودہ اند ہر چند نہ اٹا ہر دیار

و مآثر روزگار از مناسبات مختلفہ و اشیاء متنوعہ اتخاذ علوم
و معارف و عقاید بردہ اند و نہ مشرک و نہ جہانیان ۱۰۰۰۰ الی ۱۰۰۰
حضرت سید جلال بخاری ۳۷ ہجرت میں پیدا ہوئے اور ان کی وفات ۷۸۵ یا ۷۸۸ ہجری
میں ہوئی۔ وہ محمد تغلق کے زمانہ میں شہزادہ سیّد علی کے عہدے پر فائز تھے۔ چیر بعد
میں تر شد یا۔ ان کا مہار حضرت نصیر الدین محمود جلالی کے خلاف اجلہ
مہار ہوتا ہے۔^۲

(۵) سید علی عمدانی۔

حضرت میر سید علی عمدانی نے جو شہزادہ سیّد محمود کے مرید تھے وہ اپنے
مرشد کے حکم سے تین مرتبہ دنیا کا سفر کیا۔ ان کی شخصیت آدمی ہند کی تاریخ میں
اتنی بڑی پہچانی ہے کہ عہد وسطیٰ کا کوئی بھی مورخ ان کے نام سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔
ہونکہ بالعموم آدمی معالہ اور بالخصوص کشمیر، ہندوستان (میں انھوں نے ہر انداز
سے اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام کیا) وہ رہتی دنیا تک دھڑا دھڑا جاتا رہے گا۔
سید علی عمدانی کا عیسوی میں ۱۸۸۵ میں پیدا ہوا ہے۔ ان کے والد کے
جن کا نام سید شہاب الدین تھا وہ عمدان کے گورنر تھے۔ ابتدائی تعلیم انھوں نے اپنے
مامون سید عبد اللہ بن سہروردی جواہر بلند ہائے مولیٰ نے دے کر نا نتیجہ یہ ہوا کہ
دولت و امارت کو شکر اگر میر عمدانی۔ وہ نے صرف مابین عولکیر۔ ان کی وفات کشمیر میں
واحد باہر وفات راستہ میں ۱۸۸۵ عیسوی میں "ختم" کے شہید ہوئی اور وہیں وہ شہرستان
بھی ہے۔^۳

ان کے سفر میں حضرت سید اشرف نے ان کے ساتھ بھی دنیا کا سفر کیا اور بہت سے

۱۔ سید اشرف ۳۲۰
۲۔ اخباراد خوار از عبداللہ محدث دعویٰ و صاحب مجتہبائی (ج ۱، ۲۰۱۰ ہجری) ص ۴۹۔
۳۔ کشمیر سلاطین کے عہد میں، مہر جم علی حماد عباسی، مطبوعہ معارف اعظم ٹرسٹ، ۱۹۶۷ء، ص ۱۵۵۔

مشاہد کبار کی مدقات پر مستفید ہوئیں۔ ہونا چہ حضرت سید اشرف فرماتے ہیں۔

”ایہ زہر کہ اشرف است ہر گاہ باو چون ذرہ میرسد و بی از
مواہد سلوک و مواہد معلوم و مواہد واذوان کہ از حضرت سید
یافتیم اگر ہر سر مور لسان کرد دہ شعر او از هزار پکی نتوانم
کردید“

حضرت سید ارشد اور حضرت سید علی ہمدانی میں ہوا بابائے ثبوت تھے وہ
یہ نہ سلوک پر ابتدائی زمانے میں ان دونوں حضرات نے علیؑ والد ولہ سمعانی سے تعلیم و
تربیت پائی تھی۔ حضرت سید علی ہمدانی نے اپنی زندگی میں ایک ہزار بار سو اولیائے کرام
کی صحبت پائی اور ان میں جو کچھ بھی روحانی استفادہ کیا وہ اس کا کچھ حصہ حضرت سید اشرف
کو بھی عطا کیا۔

(۶) خواجہ بہاء الدین نقشبند —

خواجہ بہاء الدین نقشبند کو جن کا اصلی نام محمد بن محمد اسپاری ہے وہ
خواجہ بابا سماسی نے اپنی فرزند پر مہین تہوں سے تھا۔ وہ اویسی تھے اور سیرت کی تمام
انچہ میر سید کمال سے پائی مگر خواجہ عبدالحق ہمدانی کی روحانیت نے بھی ان کی
تربیت سے تھی۔ ان کی وراثت دوشنبہ کی رات کو سوم ماہ ربیع الاول ۷۸۱ ہجری میں ہوئی۔
حضرت سید ارشد سے معقات خواجہ نقشبند پر بھی ہوئی تھی۔ انھیں بابا محمد سماسی نے
خواجہ بہاء الدین نقشبند کو اپنی فرزند سے مہین سے کہ تربیت کے لیے جب میر کمال کے
سیرت کیا تو اس وقت جو وصیتیں انھوں نے میر کمال کو کی تھیں وہ ان کی نصیحت سے ایف میں
اس قدر درپہن تھیں۔

۱۔ نمائندہ اس ۵۴

۲۔ ایسا

۳۔ ایسا ۳۸۵-۳۸۶

"نہراست کہ چون حضرت محمد بابا سماسی در آوان اسباب
 حضرت خواجہ بہا*الدین نقشبند را بحضور میر کش سرودند ہ
 فرمودند کہ در حق فرزندم بہا*الدین تربیت و سلفت در حق
 ندارم و ترا بعد نکتم اگر تقصیر منی ہ امیر فرمودند مرد
 بیام اگر در وصیت خواجہ تقصیر دہم - چون حضرت خواجہ
 بہا*الدین بزرگ شدند بموجب فرمودہ ہ حضرت خواجہ محمد در
 تربیت در حق فرمودند ہ روزی در مجلس عظیم خدمت امیر
 خواجہ را لبیدند و رو بہ ایشان کردند و گفتند سرزد
 بہا*الدین نفر خیر خواجہ محمد بابا سماسی را قدر سرہ در
 حق نما بجا آوردیم و اشارہ بسینہ خود کردند و گفتند کہ
 سنان را براہ نماختہ شد و من روحانیہ نما از جہنہ بشرہ
 بچہر آمد اما من خدا نما گفتم پرواز افتادہ است ہ انہوں
 ازت است مرا کہ جو بختام میرسد از سر و تاجہ بدیدید و
 در سلب بار بموجب عمت خود در حق نکلید ہ

حضرت خواجہ بہا*الدین نیز حضرت میر کش کی اشارت فرمود حضرت عین شمس
 من مرشد اعتبار فی مملکتان زیر مشایخہ میر کش - اور پھر وہاں میر سنان جا کر
 بہا*الدین سنانی کی کسی مدینہ میر استناد ہ کہا ۱۔ سراجہ بہا*الدین نقشبند
 "وجہ ساء" ہ اعتبار کرہ میر اور انہ تمام مریدین کو اسی سبب زیر رہے
 ہ تعالیٰ تہ پہنچا نہ میر - ان کی زبان "وجہ ساء" ہ مراد وہ مخصوص صریفہ تربیت
 غیر موصوفہ نقشبندیہ کی مشایخ در بیان آجی لایا تا میر - یعنی "تصور خدا"

اور " اسم دات " یعنی اسد کا ذکر حقی - ہونا چہ حرب سید ابرہہ سے شاید مین مندوں

میں -

" از حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بعضی از عزیزان اختصار

کردند ہذا بہ استقام این مشرب و فرمودند کہ عمہ مردم

روزگار و نہمت لایان کرد کار درین زمانہ گونا گونا گوست و

آفات راہ سلسلہ و تربیت و تجاہل علوم را ترتیب برسانان

راہ ہونیدہ نیست و بہر ضرورت شد کہ سائبان خدا و سائبان راہ

را بہ ایہ علوم مستمر بمصد میرسانم و بر آوردند و صوم می فنام

ایہ جگہ نام یعنی لہتر مین -

" حرب عدوہ الکبرا میفرمودند کہ عزیز از حرب خواجہ بہاء الدین

سوال کرد کہ درویشی شما موروئی است یا کسی ؟ ایہاں فرمودند

بحکم جذبہ من جد بات این ہر ازی عبد الشفیع و بہ این

سادت مشرب شتم و باز آن عزیز از خواجہ سوال کرد کہ

در توبہ شما ذکر چہر و خلوت و سماع مہیا شد ؟ فرمودند

آنها نمی باشد و بہر دقت ہذا رفقت شما بہرہست ؟ فرمودند

خلوت در انجمن و اہل بطلی و باطن باطن

خواجہ بہاء الدین سیرمدات در وقت حرب سید عبدالرزاق جن کو حرب سید اغرو

سیرانی بررند - مہر عبور تولیا تھا و بھی ان کو ساتھ تیرا اور خواجہ صاحب نیران کو بھی

استقام و عنایات بہر برقرار تھا ؟

(۱) بہرہ شتم -

حضرت شہن قلم ا شمار ترکستان زیر مشاہد کبار میں ونا ہر جو خواجہ احمد بسوی

کی خاندان۔ میرزا ان بنی باشند حالی کا اندازہ اور واقعہ یہ ہوا ہے کہ خواجہ
 باہا الدین نے شہید نہ بھی ان کی صحبت میں تھے مہینہ رہ کر ان سے سلوک میں استفادہ
 کیا تھا۔^۱ یہ قسم ہے مدقات ذکر وقت سید عبدالرزاق بھی حضرت سید اشرف کی ساتھی تھے
 چنانچہ سید عبدالرزاق پر حسب و نسب کی بابت دریافت کرنے پر حضرت سید اشرف نے
 یہ قسم تو بنایا کہ ان کا تعلق سادات چچہ سے ہے اور سید بن عبدالستاد رچیدی
 شاد آباد میں ہیں اور میں نے ان کو اپنی فرزند د میں قبول کر لیا ہے۔ یہ سن کر
 یہ قسم نے سید عبدالرزاق کو "مرد و بانہی" سے نوازا اور حضرت سید اشرف سے
 فرمایا۔

"ما ہم قبول کردیم کہ فرزند تو فرزند ماست و از حق تعالی
 سواستہ ایم کہ ہم اس قسم روزگار جویم خود انتہا اللہ تعالیٰ سے"^۲
 چونکہ یہ قسم کا تعلق خواجہ احمد یسوی کی خاندان سے تھا اور حضرت سید
 اشرف کی جدہ "نہرہ" سے انھوں نے اوردہ میں نہیں ہا۔ "نہرہ" اگر برابر د اورد کیے
 سبب اشرف نے میر معصومی توبہ کی اور چند مرتبہ انارون میں فرمایا۔
 "بہار عجب نمودہ کہ سیر سلو۔ جو جوہر باوجود این خاندان
 د نرجای کردہ اند۔"^۳
 حضرت سید اشرف نے جواب میں فرمایا۔

"..... ارادہ الہی چنان بود کہ بہ اعانت ابوالعباس کر
 بدائب عند وستان افتادہ و از آن مناسی استفادہ نصیب شد۔"^۴

۱۔ یہاں ۲۸۷۔ ۲۸۶

۲۔ یہاں ۲۸۷

۳۔ یہاں

۴۔ یہاں

بھر تھیں قسم تیر فرمایا ۔

”..... یا کی تیس کہ تیراں مہکوں ہند.....“

اذا انفرأۃ تنفر واحد۔“

اس کے بعد حضرت یہ قسم تیر حضرت سید ابراہیم کو علوم نامہ کی و باطنی سے نواز کر
اذا ار جہرہ اور اشتغال دورہ بن سقین فرمائی ۔

(۸) حرب طین اٹا۔

حرب طین اٹا بھی مشابہ ترستان مہم ہے۔ حواجہ بہاء الدین نقشبند
تیر سواب میں بتا کرتے ہیں کہ سبب ان کی خدمت میں طردی اور سلوک میں
ان سے استفادہ کیا ۔ حرب سید ابراہیم ان سے بھی ایسا سوزند معصوم سید عبدالعزیز
وساتھ لے کر ملیر اور انہوں نے ان کو دونوں حضرات کو ایسی عواذات سے سرفراز کیا ۔
(۹) حواجہ محمد یاربا ۔

حواجہ یاربا کا اصلی نام محمد بن محمد بن محمود حافظی انہمازی ہے۔

وہ اخیر عہد تیر چھ عالم اور صاحب رفق و سرامت بزرگ تھے۔ ان کی پیدائش ۷۵۱ ہجری
میں ہوئی اور وفات ۸۲۱ ہجری میں۔ وہ حواجہ بہاء الدین نقشبند کے خلفائے اچھے
میں تھے اور حضرت سید ابراہیم کی صفات ان سے بھی عموماً تھیں ۔ چنانچہ شاہ کی پہلی
پند (۲۸۶) میں شام یعنی تیراں کے بارے میں حضرت سید ابراہیم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے،
”حواجہ محمد یاربا از شمار اصحاب حرب حواجہ (بہاء الدین نقشبند)

۱۔ نہایت ۱ - ۲۸۷

۲۔ ایسا ۲۸۶

۳۔ صفات ۲۸۷

اند و ایستادند که بطلب و فرمودند امانی به از صابی
 متعدد می‌باشد و دودمان روانی تا صحنه مانده ایم و بشما سپرده ایم
۲۰) شهید ابوالوفا خوارزمی -

لشاید همین حضرت سید اشرف این صاحبین همین شهید ابوالوفا خوارزمی با نام متعدد
 مرثیه آید - و به این باب وی اور خوشگو اعرار و ناخواب سوزی میر - ان بی
 رباعی بی تشریح بی شاید همین در هر سر تا ذکر است مقایسه در باب چهارم می‌آید ۵ -
 حاکم می‌گوید که این در متعلق حضرت سید اشرف در حساب بی ارشاد است ظلم بند کبر همین -
 " حضرت قدوه الکبیرا می فرمودند که می‌زنند ابوالوفا خوارزمی
 را از مشارب طایفه ارباب وحید و اسباب ادیان مزایه سرب
 تمام بود و است و در جهان حقایق و معارف بصورت نظم و سرای
 دستی تمام داشت روی در جهان ارادت و قدرت و جهیز نه
 از معکانات مادر سرد و بی احقیق از بار دین راست سخن
 رفته و فرمودیم که رباعی مناسب طایفه در میان می باشد آورد
 بدیه فرمودند :

بد نکردن و اعتذار بد شر از ثناء
 - و - درین عذر رسد دعوی سباه
 دعوی و سود و قدر و دعوای نص
 - و - و دعوی آن با الله

حضرت قدس سرہ الدبیرا می فرمودند صد ہزار آنہیں ازین ادبیار سے
 غیر ابوالخوف خوارزمی در اس غیبی ابوالفتوح کے مزید بھیجنا ہے۔
 ہر روز انہیں شہری سے ملنا ہے۔ نرائین سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ترنٹان نے
 سفر میں وہ حضرت سید احمد سے ملے اور ان کے بعد آخر حیات تک سفر و حضر حضور میں
 ہر وقت ان سے ملتے رہے۔

(۱۱) سید محمد نسو د راز -

حضرت سید محمد نسو د راز کی شخصیت اور ان کے علمی و ادبی مرتبے کے
 مونی ہر اتنی شایع اور مشاہیر کے ہر باب کے ہیں کہ ان سے متعلق مزید کہہ لےنے کی
 ضرورت نہیں۔ پھر بھی یہاں چند سرسبز اور شیریں شمع کی چارہی ہیں کہ شاہد ہیں
 متعدد چہرے پر ان کا ذکر آتا ہے۔ یہ بات اسی باب میں "نامعات" کے ذیلی
 عنوان پر بحث لکھی جائے گی کہ حضرت سید انور نے دو مرتبہ شہرکہ (دکن) کا سفر
 کیا اور دونوں مرتبہ حجاجہ بندہ سوار نسو د راز کی ہی شائقہ میں مقیم رہے۔ پہلی
 مرتبہ پورہ شہرکہ شریف کے پیر نور اور وقت حجاجہ صاحب حیا سے تعیر اور دوسری مرتبہ
 کے سفر میں ان کے مذاقات حجاجہ صاحب سے سو تیر غاہ پدا شدہ اور غاہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مونی۔
 دوسرا یہ دوسرا سفر شہرکہ حجاجہ صاحب کی وفات کے بعد ہوا تھا۔ حجاجہ صاحب نے پورے
 حرم حیدر آباد کے بہت سرور و تعیر اور اسی کمال محبت کا یہ کرشمہ تھا کہ حضرت سید احمد
 کا تھاپا بارگاہی مہینہ شہرکہ میں رہا۔^۲

۱۔ شاہد اولی ۵۱

۲۔ مذکور ص ۷۰ و ۷۱

۳۔ شاہد اولی ۲۷

حزرت یسود راز ۴ رجب ۳۰ ہجری کو پیدا ہوئے اور خورد عمر طبعی کو پہنچ کر
 سنہ ۱۱۰۰ میں وفات پائی۔
 یوں یہ سوچنا ہے چار مہینہ اور انہی روز زندہ رہے۔ ان کا مرقد مبارک وہیت
 میں ہے۔ شہرہ سرخہ میں ہے۔
 حضرت سید احمد نے حضرت یسود راز پر بار بار مہینہ انی جن آرا کا اظہار کیا ہے
 ان کو طبعی نظام یعنی یہ آرا اور ہم بند کیا ہے۔

” حضرت قدوہ الشراعی فرمودند کہ چون بشرہ مسرت حضرت میر
 سید محمد یسود راز صوفیہ نامہ آرا مدار حقایق و معارف کے از
 حد متدوی بصورت ہیئت از حد متابع دین نہ ہو وہ سلطان اسد
 چہ چہ بدہ دوری استہ اندہ مدتی در ویدہ کی بے نصیبہ سپر کہ
 اتقان فزونی استاد و دو مرتبہ در آن دیار بذر راہات عدنی عدہ
 ” ۱۰۰۰۰ آرا خطہ سادات یسود راز آتہ کہ خطہ حضرت سید محمد
 یسود راز بہ ایمان می رسد و سبب یسود راز در ہند یافتہ اند
 بلکہ در وہ سادات یافتہ اند ؟ ” حضرت سید محمد یسود راز
 کہ جامع علوم امر و انانی بودند صاحب تصنیف راہی و تالیف
 میں بودند ”

حضرت سید احمد اور حضرت یسود راز کی صفات کے بیان پر نمن مہینہ
 ذریعہ وحدت ہووے کہ بار بار مہینہ بات کی وناحب مناسب معلوم غرض میرے اور وہ یہ کہ

پروفسور مسیح احمد ندائی نے اپنی کتاب "تاریخی مذاہن" (۱۹۶۷ء) میں شاہ محبوب علیہ السلام کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ شاہ حضرت یسوع مسیح اور
 متوحّد منہج کے رد میں لکھا ہے کہ یہ شاہ ارادہ کیا تھا کہ پہلے سید احمد جہانگیر صفائی
 نے اس کو ارادے پر باز رہا۔ پروفسور ندائی نے شاہ صاحب نے یہ مکتوب پر اعتماد
 کر دیا کہ اس کی تردید مکتوبات اعرافی کی حساب سے عبارت ہے مابعد
 یوگائی پر جس سے سید احمد نے شکیہ کیا۔

••••• کہ تصنیفات راہبہ و تائیدات راہبہ از آنصورت (یسوع مسیح) اور
 سر برزیدہ اند (سیر السیرانی) اخیراً تصنیفات حضرت میرا است
 و در وجود ملل اندکی اعطای بنسبت حضرت صاحب تصویر
 بردہ اند و فقیر سمیر مزاں بردہ و انوار دہیں عقلی و
 نقی مازناں حضرت میرا خود و فرجہ نہایت نہ در سیر
 آئینہ بردہ آید؟

مند زہد شاہ سارے سیر بہ باب رائے یوگائی پر کہ نئی ادب پر نظر ہے
 رحد از بودین رد میں حضرت سید یسوع مسیح از نئی آسرن معرکہ اذرا تصنیف یعنی
 سیرا سیری میں جو چھٹا شاہ شاہ میں حضرت سید احمد صاحب بردہ عقلی و نقی
 دہیں پر باوجود وہ اسے یوگائی نہ مویہ۔
 (۱) نئی مدہیں اردین مدار۔

حضرت سید احمد شاہ مدار کے متعلقہ ہمارے ہاں ہیں اور وہی ہے۔

۱۔ مددہ ہو۔ مکتوبات شاہ محبوب علیہ السلام (۱۹۶۷ء) میں پروفسور مسیح احمد
 مولانا آزاد صاحب پر "•••••"
 ۲۔ مکتوب سی و دوم

ہا تھا اور یہ تمام اصحابین اور ان کے معانی لطائف کی جلد اور میں لکھنے مہتمم کیے تحت مذکور ہیں۔ لیکن حیرت سے بات یہ ہے کہ ان کی اس انفرادیت و اہمیت کی باوجود ان کی بار بار میں لکھنے میں مندرجہ بالا بات نہ ہو گئی ہیں۔ لطائف میں ان کی متعلق جو کچھ مذکور ہے وہ حیرت سے ہے۔

”حضرت شہداء و صالحین و اولیٰ فرمودہ اند کہ ازین مراد اعضا* شریفست چنانچہ عین و اذان کہ معانی و اسرار صفات ظاہر مینمود بہ این محاسن و معانی محض اور ...“
نام یعنی لکھتے ہیں۔

”حضرت فدوہ الکبرا میفرمودند کہ مراد از منہی اور سفر اور یاد“ حضرت شاہ نعمت اللہ سی میفرمودند ہدایت سالک است در آغاز سلوک درین مختصر از عروج از باری مذکور مینمود کہ ہمہ از شاہ اسد اللہ این دعا آوردہ است و بعضی از اصناف کبیر حضرت علی مدظلہ العالی فرمودند کہ مراد اللہ سرہ ...“
”حضرت شاہ نعمت اللہ فرمودند کہ ہر وہ بیانی بوجہ حق صراط ہمہ اوست زیرا کہ حق را حقیقی نیست الا بحق و حقیقت حراست نزد اعلیٰ حق قائم و عین حق نہ مفہم ہمہ اشیا ...“

(۱۵) عین فہام اللہ بنیاد حق۔

لطائف میں عین فہام اللہ بنیاد حق کی بار بار میں حضرت سید احمد علی صریح فرمودہ

۱۔ لطائف السیر ۲۵۵

۲۔ ایضاً ص ۲۴۶

۳۔ ایضاً ص ۲۵۰

منقول ہے۔

”ابن قفیر یوں بظرف مقررہ شدہ تمام اشیاء میں مشرعت دی
مرا امر کرد در راه و خانه به ذکر جلی و نہ پناہ برین امر
مداومت می نمایند در سفر و حضر مر و میرا و اسرچہ بعض معاندان
بسیب اندام این امر کمر اثار بستہ در معرہ جد ہوا اندک
(۱۶) عہ اسماعیل سمثانی۔

لایف مہین حضرت عہ اسماعیل سمثانی کا نام علی طہ کی تعظیم و تربیت کے
مسلک ہے۔ آیتا ہے۔ حضرت یحییٰ و حضرت عہ اسماعیل سمثانی کے زیر تربیت رہ کر علوم
میں مہر حاصل کیا۔ تفسیر۔ لایف مہین عہ اسماعیل سمثانی نے ان کی قابلیت اور ہمت و حوصلہ
کا راز بہت وحشی بنایا تو انھیں درسید انور کی خدمت میں بھیجے اور اس بات کی ہرزور
سفارش کی کہ ان کی تربیت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کریں۔ درسید انور نے
عہ اسماعیل کی خواہش کو ملاحظہ کر لیا اور یہ طہ کی تربیت میں بالحد در پخت نہ کیا اور اکثر وہ
بہ بھی فرمایا۔ نتیجہ تفسیر کہ فرزند ’ہ سمثانی کی یاد تازہ ہیں و سوچا میں نے ایہ تفسیر موتی
لایف معد ہے۔ آیتا ہے اور ان کی تربیت میں کوئی کمی نہیں ہے۔

(۱۷) خواجہ قلیا بدین ہشتی۔

لایف مہین ’ہشت‘ نام کے دو قصبوں کا ذکر ملتا ہے۔ لایف قصبہ ’ہشت‘ ملتان
میں اورچہ کے سرحد پرچہاں حضر معدوم جہاں جہاں ہشت کی خانقاہ تھی و اور دوسرا
خراہ میں ہے جس کا نام ’سیر سلسلہ‘ چشتیہ کو نسبت حاصل ہے۔ حضرت عہ انور نے دونوں
خانقاہوں میں حاضر ہو کر تفسیر چپوہ سراپاں کے قصبہ ’ہشت‘ میں پہنچے و تمام وقت کے وہاں

کیر سجاد ہ نہین خواہے نہ سجاد بن مود و دحشتی نہ مدائن بنی اور انہیں نہ کر چہر کے منلیے
جو بنی نہ و عوئی نہ بنی تقصیر حساب میں ہیں۔

"جون این فقیر در بقعہ متبرکہ و روضہ منورہ حضرت خواجگان

بہشت ریحہ و بہترم مدرست حضرت مددوم زادہ صاحب سجادہ

حضرت خواہے نہ سجاد بن مشرقندہ و بہ احوال حامد ایمان

مخدوم نہ فرمودند کہ "التزام نہ کر حلقہ ہمیں و عام از دست

ند عید کہ معمول مناجات و درہن نوی نہ کر بسیار فائدہ است

خواہان پیش کر ایمان نہ کر چہر " معمولت میں نہ اور چونکہ حضرت سید اعرف

کا تصور بھی بیشک سلسلہ تھا ہاں لہذا انہوں نے ان کی تائید بنی تھی۔

۱۸) شہ نورالدین بن اسد الدین۔

شہ نورالدین طبر آباد کے بزرگوں میں سے ہیں۔ بچہ و سرور مرتبہ حضرت سید اعرف

جو مذکور تدریجہ مشر اور ایمان کے انابیر و اعتراف حصول پرست ہیں۔ ان کی حد میں طبر

ہوئے سیر ہ نو سید شہ نورالدین بن سید اسد الملت والدین طبر آباد کے جن کا سلسلہ

حضرت علی رضا الدین ابو القاسم نہ پہنچتا ہے ہ بھی شرف مدرست میں آئے اور حرفہ تہرت

لایا برمایا۔ حضرت جہان پر نیر جیسا کہ جمعی صوفیہ بنی طبیعت کا خاصہ ہے ہ اپنا حرفہ

اتار کر انہیں پہناتا ہا۔ سید نور بہت خود ہو پیر ہ اسیر اصحاب سے برمایا تھے کہ اگر

روز اسیرہ بھی ہم کو بہت پسند ہے اور امید ہے نہ ہمارے سلسلہ میں اسیر ہ کا حرفہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی بزرگ آں کے وسیلے سے جاری رہے گا۔

(۱۹) سید جعفر بہرائچی -

حضرت سید جعفر بہرائچی پیر حضرت سید احمد فی مدائن اور روضہ ہونی چبوتہ حضرت سید سار محمود عازد کبر مزار متبرکہ کی زیارت در لہور شریف لہ شیعہ تھے۔
 سببہ دونوں حرارت دریا کی طرف سیر کو تھے تو حضرت خیر عیہ اسم سے مددات ہوشی اور اس دوران ابھی بھی وہاں آہنچا۔ چنانچہ۔ اید میں ایرانی حسب ہن تصنیف منشی
 ہیں۔

• اتفاقاً • برای زیارت مزار متبرکہ حضرت سار چبوتہ بہرائچی
 گذر افتادہ بعد از شرف زیارت بخند مت میر حضرت دلہیز
 سید جعفر رستم۔ این گفتار و سید جعفر برسیدہ تشریح در سیر
 آب میزد عظیم ذہ بخیر سواہ خیر عیہ اسم عزم استقامت ہم
 بآمد بکر استفادہ عزم دینی میرد ہم و ناہ عزازہ (ابنیر)
 پیدا شدہ بھایان مسامحہ کرد و سہ از واقعات روحانیہ خود بجا
 بیان کرد۔ نزد یہ بہ ہما در رہا ہا ہرا شدہ بود کہ حضرت
 بخت صورت متعجب شدہ شای بہرہ شعی و ذہی بصورت شاب و
 شعی بشہ صبر و بعد از ان بہ عزازہ برسیدہ کہ موجب مانع
 سیدہ چہ بود؟ شہ عایشہ بجز معنوی دہکر را سجدہ نمیداند
 بہ محبوب را سجدہ کرد و سزاوار تر است کہ شتم نہ بحقشای عفت
 کار فرمودند کہ محبوب محبوب نیز محبوب است
 (۲۰) سید بہار است بخیر - شاند و ہور -

لہذا بہ اعرفی میں سید بہار است ہن مورد سکند و ہور تا دکر اسوس آہا ہے کہ

ایہ مرتبہ جب حضرت سید انورؒ نماز جمعہ ادا کر کے پھر بعد سببہ منجوسی ہے آرمیہ تعمیر ہ
 موش سٹند ر پور (کھولنے سے کچھ فاصلے پر ایک آؤں ہے جو اب موجودہ اکبر پور
 کے راستہ میں پڑتا ہے) کے پاس پہنچے تو فرمایا کہ اس قریب سے بویہ سیادت آرمی ہے
 سید بھالاند ہیں جو اب قریب کے ماسے تعمیر حضرت سید انورؒ سے اس وقت ملنے آرمی تعمیر
 انھوں نے فرمایا کہ بویہ سیادت زیادہ آرمی ہے اور ایک مدد کے بعد بویہ سیادت
 دماغ میں پہنچی ہے۔ حضرت سید انورؒ نے یہ کہہ کر سید بھالاند سے دیر میں اعتماد
 ایسا راجح ہوا کہ اکثر اوقات وہ بارگاہ عالی کی معزمت اور درگاہ منقاسی کی خدمت
 میں حاضر رہتے تھے۔ سید بھالاند سے خورد کے سائداں میں دو قہیں پہنچون سے صرف
 ایک لڑکا پیدا ہوتا تھا اور ان کے دل میں یہ آرزو تھی کہ کسی بزرگ سے مذاق ہو تو
 عمر مدعا کرے۔ ایک دن جب حضرت سید انورؒ جذبہ کرام میں تھے تو سید بھالاند سے
 یہ شکر ہرگز نماز مند کے ساتھ اپنی حوائج کا اشارہ کیا۔ حضرت سید انورؒ نے فرمایا
 کہ میرے نصیب مبارک ہو کہ تمہارا بہادری و احتیاد ہو کرے۔^۱

سید بھالاند سے کرام حضرت سید انورؒ کا ایک مشنوب بھی معنوط ہے جس سے
 معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عارف و موفی انسان تھے۔ اس خط میں ان کو روز و شب کے
 وظائف بخیر پیر میں اور راہ سلوک کے مہلکات سے آگاہ کیا گیا ہے۔ شاید کے متعدد
 سلسلے اور مشنوب کے ماحول سے یہ اندازہ ہوا ہے کہ وہ حضرت سید انورؒ کے حلقہ
 ارادت میں رہا۔ اس سے بھی ظہر مگر ان کو خلافت نہیں ملی تھی۔ مشنوب میں سید بھالاند سے
 خواہش کے مطابق کیا گیا ہے۔

• برادر اعز السادات سید بھالاند سے دعا ہے کہ وہ روستانہ و نشان
 برنجانہ اور روہنہ اور منجور سے ہند ہے۔^۲

(۲۱) خواجہ حافظ شہرازی -

فارسی گیر ماہہ* ناز شاعر خواجہ حافظ شہرازی د دیوان گیر تراجم دنیا کی اتنی زبانوں میں ہو چکی ہیں کہ ان کی شخصیت کسی تعارف کی قلمی محتاج نہیں۔ مگر چونکہ وہ حضرت سید اشرف کے معاصر تھے اور ان دونوں حضرات کی ملاقات بھی آہر میں ہو چکی تھی اور منصوفانہ عقائد و مطالبات بیان گیر ضمن میں لکھنا بھی د دونوں جلدوں میں ان کے بہت سے اشعار بھی مناسب موقع و محل گیر لفظ سے درمیان میں آئے ہیں ان کے مد میں رجحانات منصوفانہ مسئلہ اور افکار و نظریات کے بارے میں حضرت سید اشرف نے اپنی چہ راہیہ کا اظہار کیا ہے وہ تاریخی لحاظ سے بڑا اہمیت کی حامل ہے۔ حاجی شام یعنی آید جتہ لکھتے ہیں "شمس الدین محمد حافظ ویرا حضرت قدس وہ الکبرا مساحت واقع عد بسیار بسیار پسندیدہ تھے چنانکہ با این معنی در چند جای اشعار رفتہ است و وی فی الحقیقت اویسی بود مجذوب سور میشت و مریعد وی حاجی قوام کہ منصب وزارت داشت اشعار ویرا جی کردہ است و سخنان وی چند ان بلند معنی افتادہ اند کہ صبح کی را ازین نایبہ آن چنان وای نقد حتی نہ سخنان ویرا لسان العیب میگویند و وفات وی حد سنہ الثمین و تھمین و سیمائہ (۸۸۲ھ) بود و قہت در سنہ ثمانمائہ (۸۴۰ھ) و آخر اصبح علی مولف ثنائہ ویرا آید جتہ حضرت سید اشرف ہی گیر الفاظ میں حافظ شہرازی سے ان کی ملاقات کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

"حضرت قدس وہ الکبرا میفرمودند کہ چون بہ بلدہ* شہراز در آمدیم و بہ انکار آئیای معروف مدیم و پند از استغناء او این شعر وی

بہا رسیدہ بود ۔

حافظ از معتقدانست کرامی دارین
زائده بخشاید برروح مکرم بااوست

ازین جا دانسته بودیم کہ او اوپسی است و چون بہم رسیدیم صحبت
درمیان ما و او بسیار محرماتہ واقع شدہ مدتی بہمدیدر در
شیراز بودیم اما مغرب وی بسیار غاسی یافتیم و درآن روزگار
مرکرا داعیہ دانستن نہایت ایشان میبود بوی توجہ میکرد تا
حضرت سید انور نیز ایستادہ اور جدہ ان کی متعوفانہ مسئلہ کی متعلق جن الفاظ میں
ایہی برانندہ را یہی نا اظہار کیا ہے وہ یہ ہیں ۔

••••• حواجہ حافظ شیرازی سی از مجذوبان دربار عالی و
محبوبان بارگاہ متعاسی است و بہ این تہنیر نیازمند و دانت و
مدتی بہمدیدر صحبت داشتیم و روزی در بازارگاہ نشستہ بودیم
تہ صحنی در مراتب اہل معارف و زہد میگذشت و مجدد و ب شیرازی
خواند ۔

ز روز دوست دل د عثمان چہ دریا بد
ہرآن مردہ چو کجا و سخن آفتاب کجا ••

حضرت سید انور نیز حافظ شیرازی کی شاعری کے متعلق ان الفاظ میں ایہی را یہی
نا اظہار فرمایا ہے ۔

••••• و اشعار او بسیار معارف نمای و حقایق نظام واقع شدہ
است و اکابر روزگار اشعار و را لہ انصیب گفتہ اند و بلندہ

بزرگی درین راه گرفته اند که عهد دیوانی به از دیوان حافظ
نیم اکثر مرد موی باشد بنماید"۱

(۲۷) امیر تیمور لند -

لنایف بی پهلای چند مین د و بگه امیر تیمور بی حضرت سید اعراف بی مدیات کا د کر
ملنا بی - امیر تیمور بی ان بی مدیات د ویر بار بیرون هند کی سفر کی د ورا
هوئی بی - این مرتبه ان وقت جب تیمور سمرقند مین نما اور د ویر مرتبه ابروست جب
ده جزوار بی سمرقند یا تیر مویر "کنجند سانه" میر منیم موا سنا - بنانجه لنایف بی
بیرون هند د ویر ۵۰۰) مین مولد تیر لسا بی -

"..... دران هنگام امیر تیمور لند صاحبزادان د سمرقند بودند ه
بسمان ایمان رسانیدند که غلزاده از سامانیان و میرزاده از
ملوک سمنان در ایمان آمده و ایران بسیار مع کرده نزد بی
بیست هزار از بی و برمه و قیپان و مچی و ترمین بهم آمده
آمدند چند کس کرده و امیر تیمور صاحبزادان د تیر کرده که چه
نم باشد که چنین از د حام برآورده ؟ باز نمودند که ورا از
سادا - سمنان و سامانیه است اما از داحیه سور دارد و ترو و
تیرید گرفته معلوم نیست که بچه نوع در مد مردم افتاده
باز نمودند برای رفتند که مردم اعتقاد برآورده و مریدان
بدر و جد از آمد ما درین ده حرم سواجه احمد بیرون باشند
آمدند و برادران سواجی بودند و بعضی اسباب و مراتب بنظر

برآوردند که موجب چنین عوغای شد و آخر الامر صاحبزبان خود فرمودند
که من آن سید زاده را دهم و ام و در تکلیف این معنی کرده وی
قبول نکرد و ای -

اسرخر مین آمد و سر مدقات را کز کرتیر مویچ نظام معنی لستخ مین -
" تقریبا " میفرمودند که امیر تیمور از شهر سبزوار بسمرفند
مهرت بسر عیبه کتبه خانه که برآمده از آب مرود آمدند
در آن روز در معزمت او با نصد امیر صاحب شوکت و ولایت وطن
بوده اند همه فرود آمدند بودند و امیر تیمور میخواست که باره
راه رود و دو سوز چیره در زیر نعلها را برفتند بیجهت معنی که
در سای او بوده باره راه را که رفته است مرا گذارید که خود
مهروم و گذاشتند و بر او افتاد و باز برفتند و باز گفته مرا
گذارید که خود مهروم و گذاشتند و بر افتاد و تاسه تیره همین
شور کرده بعد از آن برفتند و میر تیمور روی خود سوی میران کرده
دند که تیمور را این چنین لند بی حاص است بمرود و قدم نمی
تواند رفت و این همه شوکت که می بینید همه علمت و جدان تعالی
است مرا به آن تار نیست و من در میان نیستم

منتقد شرک باء عبارات غیر صرفا انفا معصوم هوا میر نه امیر تیمور لند میر و مرتبه
حسرت سید انور بی مدقات عونی نمی و همین آن د و نون مدقاتون بی جو تعصیب معصوم عونی میر
و به میر نه امیر تیمور میر بهانی مدقات این زمانه همین عونی بیب نقتضی خان فیرا میر خدای
بماوت بی نمی - تیمور لند فیر مدقات عونی بر حسرت سید انور میر نه بماوت تا انجام در یافت

دیا تو انھوں نے دیوان خانہ میر بہ خان نشانہ "۱" بانگاہ کور کہ صاحبزادہ نوری^۱۔
 دیوان خانہ میر بہ خان نشانہ میر نے روایت مد میں سے مشہور ہے لیکن تاریخی لحاظ سے یہ بات
 بڑا احمقہ یعنی میر کہ یہ بھی فاب ہے چہرہ ذکر ملتا ہے^۲ امیر تیمور سے۔ ورنہ
 مدنا۔ بعد کا ذکر حضرت سید انور نے اپنے ایک مکتوب میں کیا ہے، مشہد میں ایک چھوٹے
 میر مقام "کنبد خانہ" میں مونی اور اربار بھی ان میر دعا کی درخواست کی تھی^۳۔
 اسی دوسرے سفر سے لوہاگر چہ حضرت سید انور ہندوستان آئے تو امرتسر کے عرصہ بعد یہاں
 تیمور کا حملہ ہوا اور اثبات ملو خان سے اس کی جدہ کا واقعہ بھی ملتا ہے اور مکتوبات میں
 مذکور ہے۔

(۲۴) فانی شاہ باندھن دہشت آبادی۔

ہندوستان آئے۔ بعد حضرت سید انور نے یہاں سرد و مرتبہ بلاد احمدیہ کا
 سفر کیا۔ دوسرے سفر کے بعد چب آخروں مرتبہ وہ ہندوستان تشریف لائے تو ان کا مقام
 یونیورسٹی جامع مسجد میں ہوا۔ عوام و خواجہ میں ان کی جلالت علمی اور نور و ہمت کا
 ایسا شہرہ ہوا کہ باوجود پندہ جو تصور میں بہت شمار متبع علم اور منافع موجود تھے۔
 ان ابراہیم اور عرفی کو ان سے مشیر کا امتحان ہوا۔ فانی نے اسے طلبہ العلماء
 فانی شاہ باندھن دہشت آبادی شہر میر چب اپنی یہ سواہر شاعر کی تو انھوں نے کہا
 کہ لو کہ یہ سہ تیر عین نہایت عالی حار پور۔ سید میں اس حیرت مناسبت ہے کہ پہلے
 میں خود دیکھ آؤں کہ حقیقت کیا ہے۔ چنانچہ فانی صاحب محد پر سوار ہو کر جامع مسجد
 پہنچے اور حضرت سید انور کو دیکھتے ہی ان کی بھائی سے آفتاب و دھیت کی بھونکی مونی لڑنوں

۱۔ فانی شاہ مکتوبات اشرفی۔

۲۔ حیا۔ سید انور چب انور سمٹانی ص ۹۱

۳۔ مکتوب فانی دہم

کو پہچان لیا اور بڑا ادب و احترام سے ملنے کے لیے آگے بڑھے۔ حضرت سید اعرف بھی ان کے استقبالیوں کو چند قدم آگے آئیں اور سب دنوں حضرات رو بہ رو ہوئے تو قاضی صاحب نے فی البدیہہ یہ لفظ بڑھا۔

چہ خورشید بست قایان از جبین
کہ خورشید فلک زو درہ کرد
بدوھر سداست دریای اقواج
کہ دریای جہان چون قنبرہ کرد

قاضی شہاب الدین دولت آبادی اور حضرت سید اعرف کی ملاقات کے وقت علی ابوالوفا خوارزمی بھی موجود تھے^۱ اور قاضی صاحب نے شیخ خوارزمی نے بھی علمی مونیعات سر نشنو کی تھی۔ قاضی صاحب نے رخصت کی اعازت مانگتے ہوئے حضرت سید اعرف سے جب یہ کہا کہ سلطان آسیر ملنے کے لیے آنا چاہتے ہیں لیکن میں نے کہا کہ پہلے میں غم مسرت طاس کر لوں گا اب ان شاء اللہ سلطان کے ساتھ آؤں گی یا بوسی کے لیے حاضر ہوں گا۔ تو حضرت سید اعرف نے فرمایا کہ فقیر کے نزدیک آسیر سلطان سے بد رجا بہتر ہیں۔ قاضی صاحب نے بانیہ کر بعد حضرت سید اعرف نے ان کے بارے میں فرمایا کہ

”در ہندوستان این مقدار فضیلت در کسی دم دیدہ ایم“^۲

قاضی صاحب کی علمی فضیلت سے متعلق حضرت سید اعرف نے مذکورہ بالا راہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے وہ ہندوستان کا دورہ کر کے یہاں کے جید علماء و فضلا سے مل چکے تھے اور انہیں میں قاضی صاحب کی شخصیت علم و فن کے لحاظ سے ان کو ممتاز قرار آئی تھی۔

۱۔ لسانیہ ج ۲ ص ۲۴۱۔ ۲۵

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً ص ۲۴۱

دوسرے مرتبہ قاضی صاحب نے ان ابراہیم شاہ عرفی کے ساتھ ملنے آئے اور
بھر مدعا۔ تا یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ قاضی صاحب جب بھی مذاقات کو حاضر ہوتے تو
علمی مباحث اور تصنیف و تالیف کے موضوع پر گفتگو ہوتی۔ حضرت سید اعظمؒ سے ان کو
ایسی عنایت ہوئی تھی کہ انھوں نے اپنی تصانیف مثلاً "نحو ارغاد" "ہدیہ البیان" و
تفسیر بھر مؤلف اور حامی الصنادید بھی ان کو دکھائی تھیں۔

ایک بار جونپور کی جامع مسجد میں جب کہ حضرت کبیر و حضرت قاضی رفیع الدین
اودھی و شیخ ابوالحکام اور حضرت شیخ ابوالوفا خوارزمی بھی موجود تھے و حضرت سید
اعظمؒ نیز حالت وجد میں یہ فرمایا کہ "الناس یعلم سید العبدی"۔ اراقول کی عہرت
کہ میرا تعلق عظمت ہے۔ تھا "آنا" "فانا"۔ پورے شہر میں پھیل گئی اور لوگ اس کی
مخالف میں باتیں کرنے لگے و یہاں تک کہ کچھ لوگ حضرت سید اعظمؒ سے بحث و مباحثے پر
بھی آمادہ نظر آئے۔ قاضی شہاب الدین دہلوی آبادی نے لوگوں کو بہت سمجھایا
کہ کوئی نہیں جانتا کہ حضرت سید اعظمؒ کے اراقول میں کیا بعید ہے و اراقول ان سے بحث
کرنے پر اعرار کرنا چاہیے۔ لیکن لوگوں کا اصرار اراقول پر تھا کہ جو شہر میں اسے
مستند متبحر علما اور بلند مرتبہ درویش موجود ہوں وہاں اسے شہر کا ایسا متکبرانہ
جملہ سہہ کرنا چاہنا مناسب نہیں و اور جواب دل کرنا خوب ضرور ہے۔ چنانچہ ایک
ماسب علم جو اس نام محمود بیہ سٹا و بحث کرنے پر تیار ہوا۔ جب قاضی صاحب کو
یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے لوگوں سے کہا کہ محمود درشت مزاج ہے اور متاہل فی
مبہرہ آداب ہے نا آنا بھی و مدد نہ وہ کوئی ایسی بات کہہ دے جو سید کی
کرائی کا سبب ہو و اس لیے بہتر ہے کہ کچھ میں سودھی پا کر اراقول کا مطلب دہرایا
کرلوں گا۔

۱۔ تصانیف ۲ ص ۲۶

۲۔ عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔ "تمام لوگ میرے بندے ہیں"۔

دوسرے روز جب فانی صاحب حریت سداغرد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے یہ ہندو قدم آکر رکھ کر فانی صاحب کا استقبال کیا اور نہایت تعظیم کے ساتھ ان کو بٹھایا اور پھر حقیقت و معرفت کے ساتھ انھیں انھیں - گفتگو میں ہونے پر بعد جب فانی صاحب انہیں مدعا کیا، بشیر و اسیر جانے لگے تو حریت سداغرد نے فرمایا کہ شاید آپ کوئی بات پوچھنے آئے ہیں۔ یہ سن کر فانی صاحب نے دعوت و فدا آمد کے ساتھ کہا کہ کدھر کے ہیں؟ میرا آکر جو کچھ ہمارے میں بڑے بحث تھی وہ اسی کے متعلق معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ حریت سداغرد نے فرمایا کہ اگرچہ میں نے مفہوم بہہ آسان ہے اور وہ یہ کہ "اسناہ" پر "ا" - "ا" کے لیے میرے ہر ہر کا مفہوم یہ ہے کہ اشتر لوگ ہوا و عورت کے ہندو ہیں اور جس تعالیٰ نے ہوائے انسانی کو میرا بندہ و مخلوق بنادیا ہے۔ ہونڈہ اشتر لوگ ہوائے انسانی کے ہندو ہیں اس لیے ہوا میرا بندہ ہے اور میرا مخلوق ہے ہندو ہیں۔ اس کے بعد حریت سداغرد نے حشر پر ہونڈہ نامی کے دو شعر پڑھائے جو بادشاہ مصر کے خط کے برابر ہیں انھوں نے لکھ کر بھیجے تھے۔

از حریر و ہوا دو بندہ دارم
در ملک خداں بادشاہم
تو بندہ ہوں بندگان مائی
از بندہ ہوں بندگان چہ سواہم !

(۲۸) ابراہیم شاہ شرقی -

جیسا کہ فانی شاہ پابند ہیں دولت آبادی کے تسلیم میں ایسی یہاں کیا گیا ہے کہ وہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی کے دربار میں وابستہ تھے اور جب پہلی بار حریت سداغرد

سے من تر لوفیر لیر تو د وبارہ باد شاہ کر ساتھ آئیر کر لیر کہہ سیر تیرے۔ چنانچہ
 حضرت سید ابروف کی خدمت میں سلطان ابراہیم شرفی کی پہلی خاطر کا بیان سنا بعد کی
 دوسری جلد (ج ۲) میں اس طرح ملتا ہے۔

• حضرت قدوہ الکبرا از وٹایف معبودہ برداختہ بودند کہ
 اثر سلطان ظہور شد کہ بعضی از خوانین و سلاہین خود می آیند ہ
 چون بر درشاہ مسجد رسیدند حضرت قاضی در میان قرار دادند
 کہ بہ این از دھام وانبوہ انام خود بمحضرت حضرت سید نمی
 توانم عدہ مبادا این کثرہ مردم موجب تلف ایٹان شود ہ
 آہرستان فرود آمدہ از سہین ہم انتخاب کردند و از اہم
 فنہلک و فراہ ہم ہجعی مختصر نمودہ بہ سہ کثرت ہائہ پور
 مشرف شدند برای اداب از حد گزارند کہ ماسر حضرت ایٹان
 را بندست آورد ہ

ابراہیم شرفی کو حضرت سید ابروف سے ملنے کی جو خواہش تھی وہ اس نے ابراہیم
 سبب یہ تھا کہ اسی زمانہ میں اس نے قلعہ چٹا دہ پر چڑھائی کر لیا تھا۔ توں بھی تھی
 اور اس کی نامیابی کہ بارہ میں متروک تھا۔ چنانچہ وہ اس حملہ میں اس نے شرفی
 کو رٹا ماری کہ واسطے حضرت سید ابروف سے دعا کا خواہشمند تھا اور چونکہ ماف
 بدنون میں اٹھارہ مدعا نہ کر سکا۔ اس لیے اس کی خدمت میں یہ اٹھارہ بھیجے۔

دلی ٹان انور است از ام جمید
 روان روشن تر از خورشید باعد
 چہ حاجت عر کردن بہ شہر
 کی کو را بہن امد باعد

حضرت سید اعتراف نے فرمایا : جواب میں فرمایا ۔

کر بہ یقین عد قدمت استوار
نزد ز دربانم از آد بہر آرا

حضرت سید اعتراف : مگر باد شاہ کی توقع اور پھر اس کے بعد ذیل واقعات

کا بیان ۔ ایک مہینہ تک یہ امر سر لشکر پر ۔

” یوں رخصت درخواست کنند مستند رہے از وہیں ہمراہ داغتند

ہمدان ایثار نمودند ہ ازین مہر بسیار جو طمان باز کتبہ

وفتی نہ بسربردند نہ توبہ رفتہ رفتہ درہ جہد سے ماسی جناب

و ماصد مآب الحمد للہ کہ در ہندوستان چہن مردم

در آمدہ اندے ؟

حضرت سید اعتراف : مدقات کے تین روز بعد پہلے طلوعہ جنابہ کی فتح کی خبر

آئی تو باد شاہ کی عہدہ ہزار تا بڑھائی ۔ اس کے بعد وہ ہندو مساجدیں کے ساتھ

دوبارہ حاضر خدمت ہوا اور حضور سید اعتراف نے جو نان و غریب اس کے سامنے رکھا

اس پر بھی اسے پسند نہ آیا ۔ نوگاہی طلوعہ کی فتح پر مبارک باد دے کر وہ ٹھٹھا

حضور و مبارک باد دے کہ فتح باب انیس تا ثمود ہوا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے بعد باد شاہ

نے اپنے فرزند و بیوی و حضور سید اعتراف پر حدیث ” ارادت میں داخل کر دیا اور ان سے

درخواست کی کہ دارالافتا کو جو نیور میں ہی تمام فرمانین ہ لیکن انھوں نے باد شاہ

پر اسرار کو پہنچا دیا اور یہ فرمایا کہ میں ہمدان کی حد و سلطنت سے باہر

نہیں آؤں ۔ ۲۰ ۔ ۲۱

بادشاہ کرد۔ مین حضرت سید اشرف کی عقیدت ایسی رہی کہ آخر حیات
تک وہ اس پر بیوز و برات حاضر کرتا رہا اور بد ریمہ^۱ علم محنت علمی و ادبی اور سیاسی
مسائل پر ان کی متورر اور رہنمائی کا ہمیشہ جوہا رہا۔ چنانچہ موجودہ مکتوبات اشرفی
مین سلطان ابراہیم شاہ غزنوی کے نام حضرت سید اشرف کے دو تین سو دستخط ہیں۔ ان سے
بہ صرف ان کے آپریر صفحات کی وضاحت کا بسوی اندازہ ہوتا ہے بلکہ عند وستان اور
امران کے چند مخصوص سیاسی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ //

یوں تو حضرت سید اشرف کے ذاتی تعلقات کا دائرہ بہت ہی وسیع تھا۔ مگر
بد شدہ صفحات مین سرمانہ ہیں علما و صوفیہ و بادشاہوں اور امرا و رؤسا کے ذکر پر
اشتغال کیا گیا ہے۔ جوہا تو علم و ادب اور تصور و سیاست کی تاریخ مین اہمیت کے
حامل ہیں یا ہیں۔ بار بار مین حضرت سید اشرف کے نام ایسی رائے کا اشارہ کیا ہے جس سے
ان کی حیثیت کے نشہ نویسے افسریر ہیں۔ اجتہاد بصر ایسی ارادہ نہ جن کے نام
حضرت سید اشرف کے خطوط بھی موجود ہیں۔ ان کو مذکورہ باد و شخصیات کے زمرے مین اس
سے خاص نہیں کیا گیا۔ نہ نقایہ اشرفی ان کے ذکر سے بات ش سیاسی ہے۔

۱۔ مرتبہ: دوست سید عبدالرزاق نورالعین

۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ حیات سید اشرف: چاندپور معنائی ص ۱۱۹-۱۸۲

واقعات

حضرت سید اشرف نے جو زندگی کو عمل بہم اور جہد مسلسل سے عبارت سمجھتے تھے ہزرگان دین سے ملاقات و مزارات مقدسہ کی زیارت اور تبلیغ اسلام کی غرض سے نہ صرف اسی ممالک کے مشہور و معروف شہروں کا سفر کیا، بلکہ جنگلون و پہاڑوں و پہاڑوں اور دیہاتوں سے گزر کر پہنچے دور افتادہ دیہاتوں اور قصبات تک بھی پہنچے۔

ہندوستان اور بیرون ہند کے سفر کے دوران وہ جن مقامات سے گزرے یا جہان ان کا قیام ہوا وہاں نئی تفصیلات لکھنے کی دوتوں جلد ون میں جا بجا بیان کی گئیں ہیں، حتیٰ کہ جن عجائبات روزگار کا انھوں نے مشاہدہ کیا اور جو عجیب و غریب واقعات ان کے سامنے پیش آئے ان سب کو ایک مستقل باب یعنی لطائف سی و پنجم کے تحت چمن فردا کیا ہے۔

اس وجہ سے غلط فہمی نہ ہو کہ عجائبات میں سے کچھ چیز کا مشاہدہ انھوں نے ہماری سرزمین میں کیا اور کچھ چیز کا روحانی یا مادی سفر میں، مگر جو کچھ ہماری سرزمین میں دیکھا ہے متعلق مسجد میں آتا ہے وہ بھی اتنا اہم ہے کہ اس پر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہماری ہماری اور مادی دنیا سے متعلق عجائبات اور واقعات کی تاریخ و جغرافیہ کی دوسری کتابوں میں نہیں ہوتی تو اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ لطائف کے زمانہء تاریخ کے قریب کے زمانہ میں لکھی گئی تاریخ یا جغرافیہ کی کتابوں کے مصنفین و تذکرہ نگار یا صاحبان ملفوظات کا گزر بھی ان تمام مقامات سے ہوا ہو، جہاں جہاں سے حضرت سید اشرف گزرے تھے۔ لہذا اس طور ذہن میں چند ایسے مخصوص واقعات و عجائبات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے مندر عام پر آئے ہیں بالعموم ایران اور بالخصوص ہندوستان کی سیاسی اور تہذیبی و ثقافتی تاریخ کو ترتیب دینے میں ہندو مت سے ملتی ہیں۔

تاریخ کی جھک تمام کتابوں میں لکھنے کے سیاسی اسباب کا بیان بہت ہی منصف اور مبسوط طریقے پر ہوا ہے۔ لیکن لطائف میں امر کے جو اخلاقی و روحانی اسباب بیان کیے ہیں وہ صوفیہ کے تذکروں یا تاریخ کی کسی اور کتاب میں نہیں ملتے۔ چنانچہ مولانا اید نے اس بابت حضرت سید اسرف کے ملفوظات کو جن لفظوں میں قلم بند کیا ہے وہ یہ ہیں۔

”عج مجد الدین در خوارزم وعط مہکفت و مادر سلطان عرونی
 بود بنایت جمیلہ ۰۰۰۰ ہوعط عج مجد الدین می آمد گاہ گاہی
 بزہارت عج معرفت و مدعیان فرست جستند تا شبی کہ سلطان
 بنایت مست بود و عرو داغند کہ مادر تو بحدیب ابوحنیفہ پنجاب
 عج مجد الدین در آمدہ است و سلطان ازین سخن رنجہ غد و فرمود
 کہ عج را در دجلہ اندازید و انداختند و ۰۰۰۰ خبر بحضرت عج
 نبی الدین کہوی رسید و متعمر گشتند و گفتند انا للہ وانا الیہ
 راجعون فرزند مجد الدین را در آب انداختند ۰۰۰۰ ہر سر بسجہ
 نہاد و زمانی نہت در سجہ بود و ہر سر از سجہ بر آورد و گفت
 از حضرت عرو در خواستم تا خون بہای فرزند ملت از سلطان محمود
 باز ستانند و اجابت فرمود و سلطان را ازان خبر دادند و ہمایت
 بہیمان غد و بہادہ بحضرت عج آمد و طفتی ہر زر بہاورد و غمخیز

۱۔ تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ سلطان عد الدین خوارزم شاہ کے عہد میں چنگیز خان نے ایران پر حملہ کیا تھا مگر لطائف میں بادشاہ کا نام ”محمود“ لکھا ہوا ہے۔
 موصفا ہے کہ یہ امر کا ٹوٹی لقب ہو یا کتابت کی غلطی ہے ”محمود“ لکھ کیا ہو۔

و گھن ہر سر آن نہادہ • و سر برہنہ کردہ در صف تعار (کذا)
 باستاد و گفت اگر دیت میخواستند ایند زر و اگر تعار خواہی
 ایند صغیر و سر • شہ در بواب فرمودند ••••• دیت او چلہ
 م • تست • سرتو برود و سر بسی غل و ما نمزد در سر عما رویم •
 سلمان محمود ناامید باز بخت و عفریب چندہر خان خروج کردہ •
 رفت آنچه رفت •^۱

ہوشتا ہے کہ امر اعتبار میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ اسے لوگوں نے نزد بد
 جو اوجہ کرام کیے گئے و کرامت کیے منکر میں • حضرت سید اعرف اور حاجی تمام یحییٰ کی
 امر سو عقیدہ سی کا نتیجہ ہو • جو ان حضرات کو حضرت علیہ نجم الدین کہری سے تھی •
 حیدر شاہد ہی میں جہان جنگیز خان اور ا • کی ورثا کیے صالح کی داستان بیان کی شی ہے
 وہاں یہ بھی در • ہے کہ ۳۷ یا ۶۶ ہجری میں ہڈکو خان بن تونی خان بن چندہر خان کیے
 حمون در دوران علیہ نجم الدین کہری نے پیام شہادت نو • فرمایا •^۲

لہذا یہ میں نہیں بلکہ مکتوبات میں موجود فرمانروا ہے جو نیور سلطان ابراہیم
 ترقی کی نام ایہ • علیہ بھی حضرت سید اعرف نے فتنہ • چندہر کی اسباب تحریر کیے ہیں •
 اس مکتوب میں اس سیاسی اسباب کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو تاریخ کی تمام کتابوں میں
 ملتے ہیں اور جن پر سیاسی مورخین قلم جنبانی کرتے رہے ہیں • لیکن حضرت سید اعرف
 نے اس کی سبب پر اس لیے سب سے زیادہ زور دیا ہے کہ اخلاقی ہستی ہی کی وجہ سے نومون
 میں بد معاملہ کی اور معاہدہ شکنی جیسے مہلہ امرا پیدا ہوتے ہیں • ان کے نزد بد

۱۔ لہذا یہ • امر ۱۳۸

۲۔ ایضا • امر ۲۷۶

اقوام و ملل کے زوار میں اس جہ ظاہری و مادی اسباب کو اہمیت حاصل ہے مگر ان کی حیثیت ثانوی ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

• آوردہ اند کہ در زمان عوارم شاہ بوستان روزگار و آوان
گلستان ادوار آنچنان نہ ریاحین تنعم آوردہ بود کہ برہان
خامہ و زبان و لسان قلم عکسہ بیان عمدہ از آن گفتن و نویدن
تواند۔

مردمان از کثرت تنعم رائدن و عیش و نعمت خوردن از
عبادت عداوت باز ماندند و خنقان از حلوتات نفسانی و عدت
معلومات حیوانی از یاد داراں فراموش آمدند و هیچ فردی از افراد
بہتری بمقتضای لثنت شکرتم نہ زدند نکم کاری نمی کردہ و چنانکہ
اکثر مشطای سحر خیز و بہمترا اولیای شب آمیز می شنیدند کہ
در چار سوی عالم غیب و خلوت کز بہتان معالم درہب ندا میکردند
یا ابطال الکفرہ اذتلو الفجرہ چون امہ روزگار از راہ ادای عکرات
نعم الہی بای بیرون نہادند و خلق ادوار از سہیل اجرای
حامدانہ کرم نامتظامی راضی برہم زدند بپہی کفران نعمت
کرفتار آمدند۔^{۱۰}

لہذا ہم و مکتوبات سے فتنہ چنہیز کیے جو روحانی و اخلاقی اسباب مندرج ہوئے
میں، ان سے ان سیاسی اسباب کی نفی نہیں ہوتی۔ یعنی مورخین نے یہ بیان کیا ہے۔ کہونکہ
ا۔ سہد میں خلافت بغداد اور دیگر اسلامی ممالک میں بحلیہ والیہ مسلمانوں و باد ناموں
اور امرا کی عیاشی و گاہلی و خود غرضی اور ہوائے نفسانی کی داستانوں سے جو تاریخ کی

کتابچہ بھری ہوئی تھیں وہ ان سے حسرت سداغریب کیے نقشہ نظر کی تائید ہوتی تھی۔
 دنیا کی تقریبا تمام سیاسی مفکرین اور مورخین اسی نتیجے پر پہنچے تھے کہ جب کسی
 قوم میں دولت کی فراوانی ہوتی ہے تو وہ کاہلی و عیاشی و شراب نوشی اور اخلاقی پستی
 کی طرف مائل ہو جاتی ہے اور یہی وہ مہلک امراض ہیں جو بڑی سے بڑی دلت اور جبری قوم
 پر اندر سے مردانہ جوہر کو ختم کر دیتے ہیں۔

امیر حسن جزوی اور امیر خسرو کی مثالی دوستی کا بیان صوفیہ اور شعرا کی
 تقریبا تمام تذکروں میں ملتا ہے لیکن یہ بات صرف لطائف سے معلوم ہوتی ہے کہ
 امیر حسن جزوی کی بھتیجی کا نکاح امیر خسرو کی بھتیجی سے ہوا تھا۔ کوہا خواجہ شیخ
 نظام الدین اولیا کی یہ دونوں جہتیر مرید صرف ایک دوسرے کی دوست ہی نہیں بلکہ
 شرافت دار بھی تھے۔ لطائف کی یہ عبارت مدعا ہو۔

• آوردہ اند کہ خواجہ حسن بھٹاب بودند، وقت شدت بودہ کہ
 ہوا از دست دادہ بودند، جماعت از فضلہ مند خواجہ خسرو
 و خواجہ منصور بدیدن وی رفتند، و ہر خواجہ حسن را بخانہ
 حضرت امیر خسرو بدختہ سن عقد نکاح بستہ، چون این سخن بہ
 مبارک حضرت سلطان اعظم رسید بسیار بسیار ہندیدند۔

اسکندریہ کو تاریخی لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔ لطائف میں یہاں ایسا ہی

عبارت کا ذکر موجود ہے جو تھم کٹر کی تھی اور جسے عرب عام میں "آئینہ سکندر" کہا جاتا تھا۔ اس عبارت کی تصویر کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک زمانہ میں فرنگیوں
 نے اس شہر کو اپنے تخت و تار کا میدان بنا لیا تھا اور راتوں میں اکثر غب خون مارا
 کرتے تھے۔ چنانچہ فرنگیوں کے اچانک حملوں سے محفوظ رہنے کے لیے اس شہر نے اس عبارت

کی تعمیر کی اور ایسا انتظام کیا کہ اگر کیر بلند مینار پر ہر وقت روغن رہتی تھی۔
لوہ پھر داری کیر لیے عمارت پر تعمیرات کیر جائے تاکہ جب دروغی حملہ آور ہوں تو
اس میں لڑ ہو پیر آئیں میناں کا عکس دیکھ کر اس پھر کو دشمنوں کی آمد کی خبر
دے دن جائیں اور پھر لوہ اپنی مدافعت کریں تو تیار ہوا میناں۔

ہندوستان کی تہذیبی و ثقافتی تاریخ میں ہنگامہ باد و کی بہت سی
روایتیں ملتی ہیں اور "ہنگامہ باد و" اور "گلکٹہ کا باد و" جیسی کتابوں کا
وجود بھی رہا ہے۔ حتیٰ کہ آ بھی بہت سے لوہ مغربی ہنگامہ اور آسام کے دیہی علاقوں
میں باد و کی خود سے سائے ہو پیر ڈرتے ہیں۔ اگرچہ لطائف میں "سار کا و" میں
ہے آ پیر ہو پیر باد و کا ایک واقعہ ہے ذکر حضرت سید ارف کی لڑائی کے ضمن میں آیا ہے
مگر ہمارے نقطہ نظر سے یہ بات بہت اہم ہے کہ کم از کم اس تہذیبی روایت کی تائید
ہوتی ہے۔ حسب ذیل عبارت مدعا ہو۔

"حضرت قد وہ الکبرا میفرمودند چون از مہرمت حضرت مخدومی
رعیت نرفتہ جانب سار گاؤں عنان عزیمت فقرا معطوف شد
راہت درویشان و عجم خوب کشتان دران دیار نزول یافت ہ
ہر چند کہ بعضی اسباب امتنان می ورزیدند چون تقدیر الہی
و ارادت نامتناہی بود ہ گذر فقرا بہ آن افتاد ہ دران صحن
مسلمانان کم ہودند و زنان صاحب حسن و سحرہ بسیار ہودند ہ
اتفاقاً فاضی حب را بہ یکی از ان جوانان سحرہ لہ میں افتاد
ہر چند کہ منی میگردیم باز نمی آمدند ہ چون عنان عزیمت فقرا
باز بہ این جانب معطوف گشت فاضی حبت را بصورت گاؤں ساختہ

پنہان کردہ اصحاب را بہ تردد ایٹان طاعتند باخر چنان معلوم
 عد کہ ایٹانرا گاؤ^۱ ساخته پنہان کردہ اندہ حضرت ایٹان گفتند
 ز نثر مگر خوکی است کہ ایٹانرا گاؤ^۲ کردہ ہ بہ ارادہ اللہ تعالیٰ
 زود خوش عدہ مادری کرہان و زاری گنان آمد و بمرور رسانیدہ
 گفتند کہ فاضی حبت^۱ را گاؤ^۲ ساخته اید ہ سر خود را ہدر آرد
 تا او بصورت خویش آید ہ آخر اورنت و افسونہا بکار برد تا
 فاضی حبت بصورت خویش آمدند ہ مادر ایٹانرا آورد و بہای
 مبارک در آورد ہ فرمودند او ہم بصورت خویش آمدہ باشد ہ
 بچہرد این سخن این بہ شہت اصلی ندہ بعد ازان مدت اصحاب
 خود را ازان سفر و مافردن بہ آن پودیت نصحت کردند کہ
 مرکز نہوید^۲

لایف مین سفر دکن گیر د و ران و دیت " جمنکمر " مین حضرت سید اشرف کیے
 تمام تا ذکر اس طرح ہوا کہ جب انھوں نے اس علاقے مین نزول کیا تو وہاں کیے مند و
 راجا نے ہوان کا تعویذ می دتوں مین عقیدت مند ہوکھا تھا ہ اس بات پر اصرار کیا کہ
 کچھ روز اور ایشیہ قدم مہمنت لزوم ہے اس لئے کہ کو روند بختن ہ راجا کیے ظور کو
 دیند کہ حضرت سید اشرف نے اس کی دعوت قبول کی اور مزید کہہ دتوں تن وہاں قیام
 فرمایا ہ اس علاقے مین مند و مذہب کیے صاحب مد ہوں ہے یہ رسم چلی آرہی تھی کہ شام
 کیے ریت سارہ عورتیں گھر سے باہر نکل کر " کند وز " (کذا) مین اپنا اپنا نمجہ

۱۔ فاضی حبت تا شمار حضرت سید اشرف کیے خط خطائے اجلہ مین ہوتا ہے ۔ تفصیل کیے نیچے
 دیکھیے اس مقالے کا باب اول ۔
 ۲۔ لغت ہج ۲ ص ۱۸۱ ۔ ۱۸۰

ڈال دیتیں۔ اس در بعد مرد جا کر ان لہجوں کو نکالتے اور چر عورت کا نیمچہ مرد
 ڈیر ہاتھ میں آجاتا ہے وہ اسی کے ساتھ خلوت میں داد عین دیتا ہے خواہ عورت اس کی سنی
 بہن ہے بہتی یا ماں ہی کیوں نہ ہو۔ لطائف میں مزید یہ بھی در ہے کہ یہ رسم اس
 عدید کے سولوں میں مذہبی درجہ رکھتی تھی اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اگر اسے ترک
 کر دیا گیا تو آسمانی بدنامی نازل ہوئے لکھن کی۔ حضرت سید اعرف کے عہد میں جب
 یہ بات آئی تو انہوں نے راجا کو بدکراہ رسم کو حتم کرنے کو کہا۔ راجا نے عوام کی
 بجاوٹ اور آسمانی بدنامی کے تصور سے خوف زدہ ہوئے کے باوجود ان کی بات مان لی اور
 وزیروں اور مشیروں کی مرضی کے خلاف اس رسم کو حتم کرنے کا حکم دے دیا۔ ممکن
 بادشاہ نے حکم کو عملی جامہ پہنے ہوئے ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ اچانک بڑ
 حرناہ بد نازل ہوئی۔ نتیجہ کے طور پر عوام کی طرف سے راجا کو بجاوٹ کی دھمکیاں
 سننے لگیں اور اہلکاران حکومت نے بھی راجا پر دباؤ ڈالا کہ مدیون ہرائی مد میں رسم
 کو نہ منسوخ کیا جائے اور یاد رکھو وہ رسم پھر سے دہرائی جائے لی۔ جب یہ باتیں
 حضرت سید اعرف کو معلوم ہوئیں تو انہوں نے فرمایا کہ تقدیر الہی سے کوئی باخبر نہیں
 اور بدیہ آسمانی کے اچانک نازل ہونے اور اس رسم کے از سر نو زندہ ہونے کے اسباب
 کوئی نہیں جانتا ہے اور نہ کہ یہ ارطافہ اہمیت ہے۔

حضرت سید اعرف نے بنگالہ، بہار، دکن، گجرات اور ملتان کے علاوہ اور بھی
 بہت سی مقامات کی سیر و سیاحت کی تھی اور ہر جگہ کے بار میں لطائف میں تحریر بہت
 نصیحت در ہے۔ لہذا یہ غالباً وہ پہلی کتاب ہے جس میں خطہ اودھ کے
 دیہات و فصیلات اور علماء و مشائخ کا ذکر در ملتا ہے۔ اس کتاب میں حضرت سید اعرف

کی تبلیغی سرگرمیوں سے متعلق ایک مستقل باب یعنی لٹیفہ پنجاہ و ہفتم قائم کیا گیا ہے
 جس میں علامہ اودھ کے نسبت اور دیہاتوں کی بابت ایسی بہت سی تفصیلات موجود ہیں
 جن سے تاریخ و تصوف کی دوسری کتابیں خالی نظر آتی ہیں۔ حضرت سید اعرفؒ نے د
 مرتبہ اودھ کا سفر کیا اور دوسری بار کے سفر میں جب وہ قنبہ "پالہی مشو" تشریف
 لے کر تروہان ایک مسجد میں قیام فرما ہوئے اور وہیں مقامی لوگوں سے اس مشہور
 روایت کی تصدیق ہوئی کہ "نقیر کلہ" یعنی چرچاۃ حضرت علیؑ فرید الدین بابا
 شکریت نے متعدد جگہ لکھنؤ کے اسی قصبے میں ہے۔

گذشتہ صفحات میں ہم کردہ واقعات سے اس حقیقت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا
 ہے کہ عہد وسطیٰ کے ایران اور ہندوستان سے متعلق اس کتاب میں ایسی تفصیلات موجود
 ہیں کہ جن کی بنیاد پر اسے تاریخی نقطہ نظر سے ایک اہم عالم کا درجہ دیا
 جاسکتا ہے۔

ہا بسوم

لٹایف کی متصوفانہ اعمیت

خدا نے انسان کو تمام مخلوقات سے ممتاز کرنے کے لیے جن صفاتِ حسنہ سے نوازا ہے، ان میں عشق کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ جذبہٴ عشق ہی کا کرشمہ تھا کہ انسان نے اندیشہ ہائے دوردراز کے بغیر خدا کی اس عظیم امانت کو قبول کر لیا جس کے اٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑوں نے بھی انکار کر دیا تھا^۱۔ جذبہٴ عشق کو سہارنے کی ہمت و طاقت کسی اور مخلوق میں نہیں، کیونکہ وہ آگ ہے جو نفس و خواہشات کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے اور پھر عاشق کے دل میں محبوب کے سوا کسی کی یاد نہیں رہنے دیتی۔ اکثر صوفیہ کے نزدیک عشق ہی تصوف کی اساس ہے کیونکہ اس سے دل میں سوز و گداز پیدا ہوتا ہے اور روح کو جلا ملتی ہے۔ یہی وہ لازوال توانائی ہے جس کی بدولت صوفی زمان و مکان کی قیود اور اپنی ذات کی حدود پہلانگ کر ایسا لامحدود ہو جاتا ہے کہ نہ وہ زمین میں سما سکتا ہے اور نہ آسمان اس کو ڈھانپ سکتا ہے^۲۔

تصوف یا روحانیت ایک ایسی فکر انسانی کا نام ہے جو تہذیبی ارتقا کے ہر دور میں دنیا کے تمام ادیان و مذاہب میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہی ہے۔ چنانچہ تاریخ اسلام کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی کے زمانے سے مسلمانوں میں شریعت کے ساتھ ساتھ روحانیت کا میلان بھی پیدا

۱۔ آیت قرآنی — اَنَّا عَرَضْنَا الْاٰمَانَ عَلٰی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَابْتِغَيْنَا اَن يَّحْمِلْنَہَا وَاَشْفَقْنَ مِنْہَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّہٗ كَانَ ظَلُومًا جَهُلًا — سورۃ الاحزاب، پارہ ۲۲، ردوخ ۵
 ۲۔ حضرت حصری کا قول کا قول ہے کہ ”صوفی آنست کہ زمین سپرد و در زیر آسمان نرود“
 طبقات الصوفیہ، ہروی بتصحیح و تعلیق و نخشبہ از عبدالحی جیبی قندھاری،
 مطبوعہ کابل، ۱۳۴۱ ش، ص ۷۸

ہونے لگا تھا۔ البتہ ایک منظم تحریک کی شکل میں اس کی ابتدا اس وقت ہوئی جب خلافت راشدہ کے بعد خصوصاً "عباسی خلافت کے ابتدائی عہد میں علما نے ظاہر میں اقتدار کی کشمکش اور دنیاوی حرص و طمع نے اس طرح جڑ پکڑ لی کہ وہ قرآن و حدیث کو بھی اپنے ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر غلط طریقوں سے استعمال کرنے لگے۔ فتنہ و فساد کے اس ہر آشوب دور میں جبکہ طبقہ علما کے ہاتھوں شریعت اسلامی کا چہرہ مسخ ہو رہا تھا، خدا کے برگزیدہ بندوں کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوئی جس نے دنیا اور اس کی تمام لذتوں کو ٹھکرا کر عوام کے دلوں میں ان کی مثبتاتی کا پتھن بٹھایا اور اسلام کی روحانی و اخلاقی قدرون کے تحفظ کو اپنا دینی فریضہ سمجھنے لگی۔ یہ جماعت جو علما کی بدعنوانیوں کے خلاف ایک زبردست مزاحمتی طاقت بن کر ابھری تھی، اپنے عقاید و نظریات اور اخلاص و عمل کی عالمگیر صداقت کے سبب دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا میں چھا گئی۔ اس جماعت کے افراد نے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب پر اسی احسان و اخلاص کے ساتھ اصرار کیا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی زندگیوں میں رچ بس گیا تھا اور یہی وہ احسان و اخلاص ہے جو بعد کو چل کر تصوف کے نام سے مشہور ہوا۔

چونکہ صوفیہ و مشائخ نے طبقہ علما کی ریا کاریوں کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا تھا، اس لیے ان کو اپنے عقاید و نظریات کی سچائی کے ثبوت اور ان کی تبلیغ کے لیے تصنیف و تالیف سے بھی کام لینا پڑا۔ تصوف و سلوک کے مسائل کے ضبط تحریر میں لائے جانے کے متعلق طبقات الصوفیہ ہر وی میں درج ہے کہ سب سے پہلے حضرت ذوالنون مصری نے متصوفانہ اشارات کو عبارت کی شکل دی، ان کے بعد حضرت جنید بغدادی نے علم تصوف

۱۔ فرمایا (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہ "احسان یہ ہے کہ بندگی کرے تو اللہ کی، گویا کہ تو دیکھتا ہے کہ اس کو، پس اگر نہیں دیکھ سکتا ہے تو اس کو، پس تحقیق وہ دیکھتا ہے تجھ کو"۔ مظاہر حق، شرح مشکوٰۃ المصابیح از مولانا محمد قطب الدین دہلوی (مطبع مجتبائی میرٹھ) ص ۲۴

کو ترتیب دیکر شرح و بسط کے ساتھ تحریر کیا — اور حضرت ابوبکر شبلی نے اس علم اور طریق زند کی کو سر منبر آشکارا کر دیا^۱۔ ان تین بزرگوں کے علاوہ علم تصوف کے ابتدائی مصنفین میں یحییٰ بن معاذ رازی، شیخ ابونصر سراج، امام ابوالقاسم قشیری اور شیخ علی بن عثمان ہجویری کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

ہندوستان میں تصوف کے موضوع پر چھٹی اہم کتاب میں لکھی گئی ہیں، ان سب میں لطایف اشرفی کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے^۲۔ آٹھویں صدی ہجری کی یہ تالیف اگرچہ بنیادی طور پر صوفیہ کے معتقدات اور تصوف کے گونا گون مسائل و مباحث پر مشتمل ہے، لیکن ضمناً اس میں اتنے متنوع موضوعات و مضامین آکھیں ہیں کہ یہ ایک بہت ہی جامع، قیمتی، معلومات افزا اور تاریخی و ادبی اشارات سے بھرپور کتاب ہو گئی ہے۔ لطایف اشرفی کی بعض خصوصیات ایسی ہیں جن کی وجہ سے ہندوستان میں لکھی گئی تصوف کی تقریباً تمام کتابوں پر اس کو فوقیت حاصل ہے۔ حضرت سید اشرف نے اگرچہ عملی زندگی کے معاملات اور تصوف کے متنازعہ مسائل کے بارے میں اپنے بزرگوں سے بعض جگہوں پر اختلاف کیا ہے، مگر چونکہ وہ سلسلہ چشتیہ سے منسلک تھے، اس لیے ان کی بیشتر تعلیمات پر خانوادہ چشت کے اکابرین کا اثر غالب ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ ہو کر نہیں کہ لطایف صرف سلسلہ چشتیہ کے عقائد و تعلیمات کا مجموعہ ہو کر رہ گئی ہے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب میں تصوف کے تمام سلسلوں کی تاریخ اور ان کے مخصوص مسائل پر اتنی تفصیل اور وقت نظر سے بحث کی گئی ہے کہ ہر سلسلے کے تقریباً تمام مسائل کا احاطہ ہو جاتا ہے

۱۔ طبقات الصوفیہ ص ۱۲

۲۔ ہندوستان میں تصوف و طریقت کی ابتدا، تدریجی ارتقا اور اس کے ضمن میں تالیفات کے بارے میں خیالات کا اظہار اس سے پیشتر تمہیدی باب میں کیا جا چکا ہے۔

تصوف کے تمام مسئلوں اور صوفیہ کے عقاید کی تشریح و توضیح اگرچہ قرآن و حدیث اور فقہ کی کتابوں کی روشنی میں کی گئی ہے، لیکن بعض اوقات متنازعہ فیہ اور پیچیدہ مسائل پر بحث کرتے ہوئے استدلالی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ حضرت سید اشرف نے اپنے نقطہ نظر کی تائید میں ابتکاری استدلال سے بھی کام لیا ہے اور مشایخ کبار کے اقوال سے دلیلیں بھی پیش کی ہیں۔ لطایف کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ صاحب ملفوظات نے ہر حالت میں یہ اصول ہمیشہ نظر رکھا ہے کہ شریعت و طریقت ایک دوسرے سے جدا نہیں، بلکہ ایک ہی زندگی کے دو پہلو اور ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ حضرت سید اشرف نے اپنے ملفوظات میں شعر و ادب، تاریخ، منطق و فلسفہ، علم کلام، فقہ اور حدیث کی جن کتابوں سے استفادہ کیا ہے، ان میں سے بیشتر کے نام بھی لطایف میں درج ہیں۔ اس امر کے ثبوت کے لیے کہ لطایف تصوف کی ایک مستند کتاب ہے، یہ بتا دینا کافی ہے کہ علوم اسلامیہ اور تصوف کی بیشتر کتابیں حضرت سید اشرف کے مطالعے میں رہی ہیں۔ لطایف اگر ایک طرف تصوف کی مستند اور قدیم ترین کتابوں پر مبنی ہے تو دوسری طرف یہ کتاب خود بھی اپنی تالیف کے بعد سے تصوف کی ہر چھوٹی بڑی کتاب اور صوفیہ کے تذکروں کا مستند ماخذ رہی ہے۔ چنانچہ مولانا جامی کی مشہور تصنیف نفحات الانس اور عبد الرحمن چشتی کی کتاب مرآۃ الاسرار ہمارے اس دعویٰ کی روشنی دلیلیں ہیں۔

علم تصوف کا مطالعہ کرتے وقت سب سے بڑی مشکل ان اصطلاحات کے سمجھنے میں پیش آتی ہے جن کے ذریعہ صوفیہ اپنے مشاہدات و تصورات اور وجدانی کیفیات کا اظہار کرتے ہیں۔ اگرچہ بیشتر اصطلاحیں قرآن و حدیث کی عبارتوں پر مشتمل ہیں، مگر چونکہ صوفیہ

نے ان کو اپنے مخصوص معنی و مفہوم میں استعمال کیا ہے اور بعض اوقات ایک ہی اصطلاح کی تشریح و توضیح مختلف سلسلوں میں مختلف انداز سے ملتی ہے، اس لیے ایک مبتدی کے لیے ان کا سمجھنا بہت دشوار ہے۔ حضرت سید اشرف کے عہد تک ہندوستان میں اصطلاحات تصوف پر نہ کوئی کتاب لکھی گئی تھی اور نہ ہی ہندوستانی صوفیہ کو شیخ اکبر کی وضع کی ہوئی وجودی اصطلاحات سے واقفیت تھی۔ چنانچہ جب ان حضرات نے شیخ اکبر کی دونوں تصانیف یعنی فتوحات مکہ اور فصوص الحکم کی اصطلاحات کی تشریح و توضیح پر مشتمل حضرت سید اشرف کا تالیف کردہ رسالہ وحدۃ الوجود دیکھا تو اس پر سخت معترض ہوئے۔ یہی وجہ تھی کہ جب لطایف کی تدوین و تالیف شروع ہوئی تو حضرت سید اشرف نے حاجی نظام غریب یعنی کو خاص طور سے ہدایت دی کہ وہ رسالہ وحدۃ الوجود میں درج شدہ اصطلاحات کو ایک لطیفہ کے تحت اس کتاب میں جمع کر دیں^۱۔ لہذا لطایف کے مولف نظام یعنی صاحب ملفوظات کی ایما و ہدایت کے مطابق ساتویں باب یعنی لطیفہ ہفتم کے ذیل میں ان تمام متصوفانہ اصطلاحات کو یکجا کر دیا ہے جو رسالہ مرکور میں لکھے ہوئے تھے۔

شیخ اکبر کا نظریہ وحدت الوجود روز اول ہی سے علما و صوفیہ کے درمیان اختلاف و نزاع کا باعث رہا ہے۔ ایک گروہ اسے عقیدہ توحید کا اصل اصول سمجھتا ہے تو دوسرا گروہ فلسفہ و ہدانت سے ماخوذ صریح غیر اسلامی عنصر قرار دیتا ہے۔ آٹھویں صدی ہجری میں جبکہ عموماً "دنیائے اسلام اور خصوصاً اسلامی ہند کے ہر گوشہ و کنار میں توحید وجودی کی شدید مخالفت ہو رہی تھی اور اس کے رد میں کتابیں اور رسالے لکھے جا رہے تھے، حضرت سید اشرف نے تنہا قرآن و حدیث کی روشنی میں بہت ہی زوردار طریقے پر اس کو خالص اسلامی عقیدہ ثابت کیا۔ لطایف کی دوسری جلد (ص ۱۲۹) میں ان کے سفر بخارا کا ذکر ہے

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۲۱۳

۲۔ ایضاً

جہاں انہوں نے علما و فقہاء سے بحث و مباحثہ کر کے دوران اپنے وجودی افکار و نظریات کی نہ صرف تبلیغ کی بلکہ قرآن و حدیث سے دلائل پیش کر کے ان کو صحیح ثابت کیا۔ لطایف کی دوسری جلد میں لطیفہ بیست و ہفتم کے ذیل میں حضرت سید اشرف نے عربی زبان کے اصول و قواعد، فقہ اسلامی اور علم کلام کی رو سے شیخ اکبر کے نظریات کی تشریح و توضیح کی ہے۔ لطایف اشرفی کا شمار ملفوظ لٹریچر میں ہوتا ہے۔ مستشرقین نے اس صنف ادب پر جو اعتراضات کیے ہیں، ان میں سے ایک بنیادی اعتراض یہ ہے کہ ایسی کتابوں میں ضعیف اور موضوع احادیث کی کثرت ہوتی ہے لیکن لطایف پر یہ اعتراض اس لیے درست نہیں ہو سکتا کہ اس میں تصوف کے تمام مسائل کی شرح و بسط آیات قرآنی کی روشنی میں کی گئی ہے۔ البتہ اگر کسی مسئلے کی مزید وضاحت کے لیے احادیث کو دلیل بنایا گیا ہے تو یہ بات ملحوظ رہی ہے کہ آیات قرآنی سے ان کا ٹکراؤ نہ ہو۔ احادیث نبوی کو نقل کرتے وقت استناد حدیث کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسماء الرجال کا بیان سلسلہ بہ سلسلہ کیا گیا ہے اور حدیث کی مستند کتابوں کے نام بھی درج کیے گئے ہیں تاکہ جن لوگوں کو اعتراض ہو وہ اصل مآخذ سے رجوع کر کے اپنے شبہات رفع کر لیں۔ انہیں خصوصیات کی بنا پر ہم لطایف اشرفی کو تصوف کی ان اہم کتابوں میں شمار کر سکتے ہیں جو نوین صدی ہجری تک معرض تحریر میں آئیں۔ چنانچہ تصوف و سلوک سے متعلق حضرت سید اشرف کے عقائد و نظریات کا تفصیلی جائزہ جو بہت ہی واضح طور پر قرآن و سنت پر مبنی ہیں، آئندہ صفحات میں پیش کیا جائے گا۔

تصوف اسلامی کا اصلی ماخذ

اگرچہ فی زمانہ تصوف ایک طریق زندگی اور عملی تحریک کے بجائے صرف علمی و نظری حیثیت سے باقی رہ گیا ہے، لیکن اس کی ہمہ جہت اور انقلابی توانائیاں نے اسلامی دنیا پر جو غیر معمولی اثرات چھوڑے ہیں، ان کی وجہ سے گزشتہ دو سو سال میں علما نے خاص طور سے متصوفانہ ادب کے مطالعے کی طرف توجہ کی ہے۔ مستشرقین یورپ نے تصوف کو اپنے خصوصی مطالعے کا موضوع منتخب کر کے اس کے آغاز و ارتقا کی تاریخ اور صوفیہ کے عقاید و نظریات کو انفرادی نقطہ نظر سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ مگر جس طرح صوفیہ کے اقوال میں اختلاف موجود ہے، اسی طرح علما کی تحقیقات بھی ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہیں۔ اکثر مستشرقین نے تصوف کو اسلام میں بدعت قرار دیا ہے اور جن کے نزدیک یہ مسلک خالصتہً اسلامی ہے، وہ بھی اس خیال کے حامی ہیں کہ اس پر مسیحیت، نوافلاطونیت، مذہب زرتشت، بدھ مت اور فلسفہ ویدانت کے نمایاں اثرات پڑے ہیں۔ لیکن لوئی میسی نون نے تصوف کو اسلام میں مذہب دخیل قرار دینے والے خطہ تمام نظریات کی تردید بہت ہی مدلل طریقے سے کی ہے۔ لوئی میسی نون کے بیان کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

”اسلام کی روحانی زندگی کے مختلف افکار گروہوں میں سے بعض کا خیال ہے کہ اسلام میں تصوف مذہب دخیل کی حیثیت رکھتا ہے، یعنی اسلام کا آوردہ نہیں بلکہ باہر سے آیا ہے، یا تو رہبانیت شام سے ماخوذ ہے۔ یا فلسفہ افلاطونی سے، یا فارس کے زرتشتیوں سے یا پھر ہندوستان سے، لیکن یہ سب نظریات بالکل ناقابل لحاظ ہیں۔“

سچی بات تو یہ ہے کہ ہم ظہور اسلام کے وقت سے تصوف کا رنک اور چاشنی مسلمانوں میں دیکھ رہے ہیں اور یہ چیز کہیں باہر سے نہیں آئی ، بلکہ قرآن و حدیث کی تلاوت اور مطالعے کا نتیجہ ہے۔ اسلامی جماعتوں میں تصوف کا ذوق اور وجدان باہر کا نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات ہی کا نتیجہ ہے۔^۱

صوفیہ کا دعویٰ بھی یہی ہے کہ تصوف نہ کہیں باہر سے آیا ہے اور نہ شریعت سے جدا گانہ کوئی چیز ہے ، بلکہ قرآن و سنت کی پہروی سے عبارت طریق زندگی کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ حضرت شرف الدین احمد بن یحییٰ منہری نے اپنے ایک مکتوب میں شریعت و طریقت کے ربط باہمی پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے۔

”طریقت راہی است کہ از شریعت خیزد و شریعت بیان توحید و طہارت و

نماز و روزہ و حج و جہاد و زکوٰۃ و دیگر احکام شرع و معاملات

است و تفہم کردن این مشروعات و آراستن اعمال بصفاء ضمائر و

تطہیر اخلاق است از کدورات طبیعی چون ریا و هوا و جفا و غرک و

مانند این ، در جملہ ہرچہ بتہذیب و تطہیر ظاہر تعلق دارد

شریعت است و ہرچہ بتصفیہ و تزکیہ باطن تعلق دارد طریقت است۔^۲

حضرت سید اشرف نے اصل اصول تصوف کو اسلام کا داخلی رجحان اور اصحاب صفہ سے

ماخوذ بتائے ہوئے اس امر پر اظہار افسوس کیا ہے کہ امتداد زمانہ سے اس کی اصلی

صورت مسخ ہو گئی ہے۔ ان کا قول ہے۔

۱۔ مولانا جوہر شہزادہ، ”تذکرۃ ائمہ و شہداء“، ج ۱، ص ۱۲۵، ”تذکرۃ“، ”از ویلی سیرت“، ص ۵۸۲۔

۲۔ مکتوب بیست و پنجم در شریعت و طریقت ، ماخوذ مکتوبات شرف الدین احمد یحییٰ منہری (مطبع نولکشور لکھنؤ ، ۱۸۹۸ء) ص ۷۲

” اعراض کردن از دنیا با خلق خصومت کردن ، بیافته قناعت

نمودن و نایافته را طلب ناکردن و بر توکل زیستن و اختیار

گذاشتن و بر قضا داوری ناکردن ، از اهل وطن و دوستان بریدن

این همه صفات اهل صفہ است بعینہ این مذهب اصحاب تصوف قبول

کرده اند و اصل مذهب صوفیہ این بود تا بگشتن روزگار تباہ گشت^۱

عوام کے ذریعہ تصوف کا غلط استعمال ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا ہرگز درست نہیں

کہ یہ مسلک اسلام میں مذہب دخیل ہے۔ یا اس میں سراسر غیر اسلامی عناصر کی آمیزش ہے۔

اس لیے کوئی اصول یا قانون غلط طریقے سے استعمال ہونے لگے تو اس بات سے اس کے اصل

حکم میں نہ نقص پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی افادیت میں کسی طرح کی کمی آتی ہے۔

حضرت سید اشرف نے اپنے اس نظریے کی وضاحت جن الفاظ میں کی ہے ، وہ یہ ہیں۔

” همچنان چون کارہای دیگر در اصل مذہب طعن نیست ، طعن اندران

کس است کہ مذہب را خلاف کند ، چنانکہ اگر بازرگانی خیانت کند اصل

بازرگانی تباہ نشود و اگر غازی غلو کند اصل جہاد تباہ نگردد و

اگر عالم دنیا طلب کند اصل شریعت تباہ نگردد و اگر سلطانی جور کند

اصل سلطانی تباہ نگردد و بہر روزگاری ہر گروہی در خور یکدیگر

صوفیان در اصل این طریقت بودہ اند^۲۔

تصوف کی یہی وہ عالمگیر سچائی ہے کہ جبکہ انقلاب زمانہ سے نہ جانے کتنے مذاہب و

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۲۳

۲۔ ایضاً

مسالك اور مكاتيب فكر تباه و برباد ہو گئے۔ یہ اچ بھی ایک زندہ اور توانا تحريك كى شكل ميں اسلام كى روحانى اور اخلاقى قدرون كى پشت پناہ بنا ہوا ہے۔

مسئلہ اشتقاق " تصوف " و " صوفى "

اصطلاحات تصوف و صوفى كے مسئلہ اشتقاق پر بحث كرتے ہوئے شيخ على ابن عثمان هجویری^۱ (م ۴۷۰ ھ) نے لکھا ہے۔

" مردمان اندر تحقيق اين اسم بسيار سخن گفتا ند و كتب ساختہ " موصوف نے یہ بات اگرچہ تقريباً " نوسو سال پہلے کہی تھی لیکن حقيقت یہ ہے کہ آج بھی یہ مسئلہ اتنا ہی پیچیدہ ہے جتنا کہ اس وقت تھا۔ ہوں تو ان اصطلاحات كے مادہ " اشتقاق سے متعلق تصوف كے علما و محققين كى مختلف آراء " ملتی ہیں، لیکن شيخ هجویری نے خاص طور سے جن چار اشتقاقى مادوں كا ذكر كیا ہے وہ صوفہ صفہ اصحاب (صفہ) اور صفا ہیں۔

" گروهی گفتا ند کہ صوفى را از آن جہت صوفى خوانند کہ جامہ " صوف دارد و گروهی گفته اند کہ بدان صوفى خوانند کہ اندر صفا اول

- ۱۔ شيخ هجویری كے حالات زندگى اور اقوال و آثار كے ليے ملاحظہ ہو " تحقیقات نوین راجع بہ كشف المحجوب (تصحيح وا لنتین ژوكوفسكى) و مصنف آن " ترجمہ مقدمہ مفصل (از) روسی بفارسی، بقلم محمد عباسی، ص ۱۹۔
- ۲۔ كشف المحجوب، ص ۳۴۔

باشند و گروہی گفته اند کہ بدان صوفی خوانند کہ تولی بہ اصحاب
 (صفہ) کنند و گروہی گفته اند کہ این اسم از صفا مشتق است ۱
 لیکن انہوں نے آگے چل کر مذکورہ بالا چاروں مآخذ کو لغوی تحقیق کی رو سے
 غلط قرار دیتے ہوئے لفظ " صفا " کو معنوی اعتبار سے مستحسن سمجھا ہے ، لکھتے ہیں
 اما بر مقتضی لغت ازین معنی بعید می باشد ***** پس صفا
 در جملہ محمود باشد ۲

صاحب کشف المحجوب نے صحابہ کرام اور صوفیہ کے ملبوسات کے بارے میں

جو روایات بیان کی ہیں ، وہ حسب ذیل ہیں —

" حسن بصری گوید ہفتاد یار بد رہبر (کذا) بد یدم ہمہ را
 جامہ * پشمین بود و صدیق اکبر اندر حال تجرید جامہ * صوف پوشید ،
 و حسن بصری گوید کہ سلمان را بد یدم گلیمی با رقعہای بسیار
 پوشید ، و عمر بن الخطاب و علی بن ابی طالب و ہزم بن حبان
 روایت آرند کہ ایشان مراویں قرنئ را بد یدند با جامہ * پشمین
 با رقعہا بران گذاشتہ و حسن بصری و مالک بن دینار و سفیان
 ثوری جملہ صاحب رقعہ * صوف بودند ۳

حضرت جنید بغدادی نے تصوف کی بنیاد جن آٹھ خصلتوں پر رکھی ہے ان میں

ساتویں خصلت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مانند لباس صوف کا شمار بھی ہے —

۱ — کشف المحجوب ، ص ۳۴

۲ — ایضاً " ص ۳۵

۳ — ایضاً " ص ۵۰

” بنای تصوف بر ہشت خصلت است و بلبس صوف بموسی کہ ہمہ
جامہای وی پشمین بود“^۱

لطایف مین حاجی نظام یعنی نیے لکھا ہے کہ جب حضرت قد وہ الکبرا^۲ استفسار
کیا گیا کہ طایفہ صوفیہ کو صوفی کیوں کہتے ہیں ، تو انہوں نے فرمایا —
” ایشان را بد و معنی صوفی خوانند یا بصفاء اسرار
با برای آنکہ در صفا اول باشند ، بواسطہ این ہر دو
معنی گفتہ اند ، اما اکثر مردم از ان جہت گویند کہ لباس
صوف اختیار کردہ اند و صوف لباس پیغمبرانست“^۳

حضرت سید اشرف نے مذکورہ بالا سطور مین جو تین مآخذ بیان کئے ہیں ، ان
مین سے اول الذکر دو یعنی ” صفا “ اور ” صف “ کو یکسر غلط قرار دے دیا ہے اور
” صوف “ کے بارے مین خاموشی اختیار کی ہے۔

” نسبت اصحاب تصوف و صوفی بصفاء و ارباب صف نیست“^۴
البتہ انہوں نے لفظ ” صفہ “ کو تصوف و صوفی کا اشتقاقی مادہ بتاتے
ہوئے تفصیل سے فرمایا ہے —

” و لیکن اخلاق صوفیہ از اصحاب صفہ گرفتہ اند و صفہ جائزست
بمدینہ کہ مرآنجا را قبا خوانند ، از مدینہ تا آنجا د و فرسنگ
است ، د رویشان کہ یاران پیغامبر علیہ السلام بودہ اند آنجا

۱- کشف المحجوب ص ۴۵

۲- حضرت قد وہ الکبرا سے مراد یہاں حضرت سید اشرف جہا نگیر سمنانی کی ذات ہے۔

۳- لطایف ج ۱ ص ۲۲

۴- ایضاً ص ۲۳

متوطن بودہ از دنیا و اصحاب و اعراض کردہ اندہ تا در اثر
 است کہ وقتی بود کہ اصحاب صفہ کہ ایشان چہل تن بودہ اند بہیک
 خرما کفایت کردہ اند و اندک لباس بسر می بردند و بیشتر برہنہ
 بودند خویشتن را در ریک پنهان کردہ بودند چون وقت نماز
 شدی ہر یک را یک جامہ بودی یکی بہ آن جامہ نماز گزاردی و دیگری
 در ریک پنهان شدی همچنین نبوت جامہ می گرفتند اصل مذہب تصوف
 از اینجا گرفتہ اند^۱۔

حضرت سید اشرف کی نزد یک تصوف و صوفی کا ماخذ لفظ "صفہ" ہے جبکہ
 شیخ ہجویری نے لفظ "صفا" کو مستحسن قرار دیا ہے، لیکن کشف المحجوب اور لطایف
 کے مباحث کا بغور مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ لفظ "صوف" ہی
 "تصوف و صوفی" کا اصلی ماخذ ہے۔ کیونکہ لغوی تحقیق کی رو سے "صوف" عربی زبان
 کا لفظ ہے اور اس کا فارسی مترادف "پشمینہ" ہے اور "صوفی" کو فارسی زبان میں
 "پشمینہ پو" کہتے ہیں اس کے علاوہ اکثر صوفیہ و محققین کا نظریہ بھی یہی ہے
 کہ جب مسلمانوں میں مختلف جماعتیں پیدا ہو گئیں اور ہر جماعت نے الکا الکا نام اور
 لباس کے ذریعہ اپنا تعارف کرانا شروع کیا، تو جو لوگ دنیا اور اس کے متعلقات
 سے کنارہ کش ہو کر زہد و عبادت کی زندگی گزارتے تھے، انہوں نے بھی خود کو دوسری
 جماعتوں سے متمیز و ممتاز کرنے کے لیے صوف یا پشمینہ کا لباس اختیار کر لیا اور یہی
 صوف بعد میں ان کے صوفی کہلانے کی وجہ تسمیہ بن گیا۔ چنانچہ اس کی تائید کشف المحجوب

کی ایک دوسری عبارت سے بہت ہی واضح انداز میں ہوئی ہے۔

”..... آنکس کہ مشرف مملکت خداوند تعالیٰ باشد چنانکہ اندر
جہان ہیچیز نرود آن روز از احکام و احوال الا کہ ویرا آگاہ کنند
پس مرقعہ سمت مالخان و علامت نیکان و لباس فقرا و متصوف است۔“^۱

”تصوف“ و ”صوفی“ کی تعریف

تصوف و صوفی کی تعریف کو قطعی طور پر متعین کرنا بہت ہی دشوار ہے۔ کیونکہ
صوفیہ و مشائخ جو غیر معمولی ریاضت و مجاہدت کے بعد واعلمین و کاملین کی صف
میں داخل ہوئے ہیں، وہ خود اپنے عینی مشاہدات کے باوجود ایسی کوئی تعریف نہ
کر سکے جس پر سب کا اتفاق ہو۔ چنانچہ حضرت اشرف نیر شیخ عبدالرزاق کاشی کی ایک
مجلس میں تصوف پر بحث کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

”در ملازمت حضرت شیخ عبدالرزاق کاشی این فقیر و حضرت
سید علی ہمدانی و جمعی از مشائخ نشستہ بودند کہ سخن از
معانی تصوف و اہل تعرف برآمد، ہر یک از اصحاب مجلس شریف و
ارباب محفل لطیف بہ القاء وقت و بمقضاء وصول خویش معانی
تصوف و اہل تعرف بتکلف از کلام در ربار و بنطق گوہر نثار
در بیان آوردند۔“^۲

شیخ عبدالرزاق کاشی کی مجلس میں موجود صوفیہ نے اپنے اپنے مشاہدات اور
فہم و ادراک کے مطابق تصوف کی جو تعریفیں کیں، وہ یہ ہیں۔

۱۔ کشف المحجوب ص ۶۴ - ۶۵

۲۔ لطائف - ج ۱ ص ۱۲

(الف) التصوف کله ادب^۱

(ب) التصوف کله ترك الفضول^۲

(ج) التصوف اسم ولا حقیقہ وقد کان قبل حقیقہ^۳

جب تمام صوفیہ مسئلہ تصوف پر اپنے اپنے خیالات کا اظہار کرچکے تو شیخ کاشی نے صاحب فتوحات^۴ سے نقل کرکے فرمایا —

التصوف انطواء الخلق فی سبحان الحق^۵

لیکن حضرت سید اشرف نے تصوف کی خود جو تعریف کی ہے، وہ یہ ہے —

التصوف جلوس العبد علی سریر التمکین والنکون^۶

حضرت سید اشرف نے تصوف کی تمام تعریفات میں جسے سب سے زیادہ پسند کیا ہے وہ حضرت جنید بغدادی کا یہ قول ہے کہ تصوف سراسر ادب ہے اس ضمن میں ان کا ارشاد بعینہ یہاں درج کیا جاتا ہے —

”اگرچہ جمعی از اکابر علی النہج التفصیل و ہمہ

۱- ترجمہ — تصوف سراسر ادب ہے۔ لطایف ج ۱ ص ۲۱

۲- ترجمہ — تصوف فضول کو بالکل ترك کردینا ہے۔ ایضاً

۳- ترجمہ — اب تصوف نام ہے نہ کہ حقیقت اور پہلے حقیقت تھا نہ کہ نام — ایضاً

۴- شیخ اکبر محی الدین ابن عربی مصنف فتوحات مکبہ

۵- ترجمہ — تصوف خلق کا حق سبحانہ تعالیٰ میں گم ہوجانا ہے۔ لطایف ج ۱ ص ۲۱

۶- ترجمہ — تصوف بندے کا تخت تمکین و تلوین پر بیٹھنا ہے۔ ایضاً ص ۲۲

.....

”تمکین و تلوین — تلوین مقام طلب ہے جس میں حالتیں آتی ہیں اور جاتی ہیں

اور مغلوب الحالی کے دور رہتے ہیں — تمکین مقام رسوخ و استقرار ہے

جس میں سالک صاحب مقام ہوتا ہے اور مغلوب الحال نہیں ہونے پاتا —

ماخوذ از کتاب ”سرد لبران“ مصنف حضرت شاہ سید نوقی (محفل ذوقیہ کراچی

طبع سوم ۱۴۰۰ھ) ص ۲۱

اماثر علیٰ حسب التاویل معانی^۱ تصوف فرمودہ اند و لیکن مرا
از آنها مقولہ سید الطایفہ بسیار خوش آمدہ کہ وی فرمودہ
"التصوف کلہ ادا ب"۱

مختصر یہ کہ حضرت سید اشرف نے بھی دیگر صوفیہ و مشایخ کی طرح اپنے فہم و
ادراک کے مطابق تصوف کی اپنی پیش کردہ تعریف کے علاوہ حضرت جنید بغدادی کا قول
بھی پسند کیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک راہ سلوک میں توحید سے لیکر تمام عبادات و
معاملات مثلاً نماز و روزہ و ذکر و فکر اور مراقبہ و مشاہدہ گویا جملہ معانی و
مفہم اس ایک مختصر سے جملے میں پوشیدہ ہیں۔
تصوف کے بعد حضرت سید اشرف نے صوفی کی تعریف کے سلسلے میں حضرت ابوالحسن خرقانی
کا حسب ذیل ارشاد نقل کیا ہے۔

"صوفی بمرقع و سجادہ صوفی نبود و برسم و عادات صوفی نبود
صوفی آن بود کہ او نبود بلکہ روزی بود کہ بہ آفتابش حاجت نبود و
شبی بود کہ بماہ و ستارہ دربایست نبود نہستی است کہ بہ ہستی اش
حاجت نبود و صوفی را شرط است کہ شب و روز در یاد حق تعالیٰ بیدار
باشد و شرط بیداری صوفی آن بود کہ چون حق را یاد کند از فرق
تا قدمش از یاد کردن حق سبحانہ خبری داشتہ باشد نہ آنکہ
مجرد تغیر لباس کند و صوفی بود"۲

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۲۱
۲۔ ایضاً

لیکن حضرت سید اشرف نے صوفی کی خود جو تعریف کی ہے ، وہ یہ ہے۔

”الصوفی هو الموصوف بصفات اللہ سوی الوجود والقدم“^۱

تصوف ہی کی طرح صوفی کی یہ تعریف بھی فلسفیانہ طرز کی ہے۔ کیونکہ اس جملے

میں جو دو الفاظ یعنی ”وجوب“ اور ”قدم“ آئے ہیں ، ان کا اطلاق ذات باری تعالیٰ

کے لیے مخصوص ہے۔ خدا کی ذات واجب الوجود اور قدم اس طرح ہے کہ وہ اپنے ہونے کے لیے

کسی کی محتاج نہیں ، بلکہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ مگر اس کے برعکس چونکہ کائنات

و موجودات کا وجود خدا کی ذات کا محتاج اور حادث ہے ، اس لیے کوئی انسان ان دو

الوہی صفات سے کبھی بھی متصف نہیں ہو سکتا۔ البتہ ”وجوب“ و ”قدم“ کے علاوہ خدا

کی دوسری صفات انسان کے اندر پیدا ہو سکتی ہیں مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ خدا

کے سوا دنیا کی کسی شے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ دنیا سے بے تعلق ہو جائے

کا مطلب رہبانیت اختیار کر لینا نہیں ہے بلکہ اس کے علی الرغم اسلام میں ترک دنیا کیجے کا

مفہوم یہ ہے کہ دنیا اور اس کی تمام لذتوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ خدا

کی یاد سے کبھی غافل نہ ہوا جائے۔ سالک کے درجات میں ترقی اس وقت ہوئی ہے جب اس

کی نظر میں دنیا کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہو۔ اگر اس کے پاس دنیا کی

ساری نعمتیں موجود ہوں تو ان سے وہ بے نیاز رہے اور جب وہ بالکل تہی دست ہو تو کسی

چیز کی خواہش نہ کرے۔ یہی وہ طریق زندگی ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور

آپ کے مقدس صحابہ کرام کا اصول رہا تھا۔ چنانچہ حضرت سید اشرف نے ترک دنیا کے

مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

۱۔ ترجمہ — صوفی وہ ہے جو وجوب و قدم کے سوا تمام صفات الہیہ سے متصف ہو۔

” دنیا د ریخ داشتن و آنرا قیمت نهادن مرد را از تصوف برون برد
 چون موی از خمیر - صوفیان دنیا را قیمت نہ نہند و اند وہ
 بران نخورند ، اگر ہمہ دنیا را لقمہ سازی و در دہان د رویشی
 نہی اسراف نباشد اسراف آن باشد کہ بہ رضائ حق سبحانہ صرف نکنی
 حق تعالی از دست تو چند ان ترک دنیا نخواهد کہ از دل تو ترک
 دوستی دنیا خواست“^۱

راہ سلوک کے یہی وہ ہر خطر مراحل میں جن کی وجہ سے حضرت سید اشرف اپنے
 مریدوں اور عقیدتمندوں سے اکثر فرمایا کرتے تھے —

” ای عزیز صوفی گری بہ دعویٰ راست نمی آید بلکہ گواہان می باید ،
 یکی انکسار نام دوم توجہ الی اللہ مسند ام“^۲

حضرت سید اشرف اکثر یہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا محض مٹی کا ایک ڈھیلہ ہے جس
 سے تھکو غیریت ہے^۳ اور صوفی یہاں مہمان ہے اور چونکہ میزبان پر مہمان کا تقاضا
 ظلم ہے اس لیے مہمان یعنی صوفی کو با ادب ہونا چاہئے^۴ — جیسا کہ پیشتر ذکر کیا جاچکا
 ہے ، انہوں نے تصوف کے آداب و طریق کے سلسلے میں جس چیز سے زیادہ زور دیا ہے ، وہ
 ادب ہے — گویا صوفی وہ ہے جو اپنی زندگی کو اشارار نفس سے پاک کر کے خدا اور اس کے
 بندوں کے نزدیک با ادب ہو جائے —

۱- لطایف ج ۱ ص ۲۲

۲- ایضاً ص ۲۱

۳- لطایف کی اصل عبارت یہ ہے — الدنیا مد رہ لك منعا و غیرہ — ملاحظہ ہو
 لطایف ج ۱ ص ۲۲ جس میں یہ عبارت طبقات الصوفیہ کے حوالہ سے پیش کی گئی ہے —

۴- لطایف ج ۱ ص ۲۳

صوفی اول و خانقاہ اول

تصوف اسلامی کی ابتدائی شکل اگرچہ وہ احسان و اخلاص ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی زندگی میں رچا بسا ہوا تھا، لیکن اس کے باوجود ان پر اصطلاح صوفی کا اطلاق اس لیے نہیں ہوا کہ وہ صحابی رسول جیسے عظیم لقب سے ہکا رہے جاتے تھے۔ اسی طرح صحابہ کرام کے صحبت یافتہ مسلمانوں کو تابعین کہا گیا اور جن لوگوں کو تابعین کی صحبت میسر آئی وہ تبع تابعین کے لقب سے ہکا رہے گئے۔ مگر جب دوسری صدی ہجری میں مسلمانوں نے شریعت کے ساتھ ساتھ اسلام کی باطنی زندگی کی نشوونما کی طرف توجہ کی تو جو لوگ کتابہ، تابعین اور تبع تابعین کے زمرے میں نہیں آتے تھے، ان کو صوفی کے لقب سے موسوم کیا جانے لگا۔ چنانچہ لطایف میں درج ہے کہ جس شخص کو سب سے پہلے صوفی کے لقب سے ہکا را گیا وہ ابوالہاشم کوفی تھے۔

”حضرت قد وہ الکبرا میفرمودند کہ ہمیشہ ازین طایفہ کسی را کہ باسم صوفی تسمیہ کردہ اند ابوالہاشم صوفی بودہ، ہمیشہ از وی بزرگان بہ زہد و ورع موصوف بودہ اند، بتوکل و عبادت و طریق محبت معروف، از سفیان ثوری^۱ نقل می کردند کہ وی میگوید لولا ابوالہاشم الصوفی ما عرفت دقیق الربا“^۲ و ہم میگوید من نہ دانستم کہ صوفی کہ صوفی چہ بود تا ابوالہاشم (م ۱۵۰ھ)^۳ راند یدم“^۴

۱۔ سفیان ثوری بن سعید بن مسروق بن جیب بن رافع، ہمدان کے کسی قبیلہ یا جگہ ”ثور“ کی نسبت سے ثوری کہلاتے ہیں۔ مگر چونکہ انھوں نے کوفہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اس لیے کوفی کے نام سے بھی ان کو شہرت حاصل ہے۔ ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور ان کا شمار ائمہ روزگار میں ہوتا ہے وہ ۷۷ھ میں پیدا ہوئے اور بصرہ میں ۱۶۱ھ میں وفات پائی (طبقات الصوفیہ حاشیہ ص ۷)

اگرچہ جامع لطایف نے یہ نہیں لکھا ہے کہ متذکرہ بالا عبارت کو حضرت سید نے کسی کتاب سے نقل کیا ہے، لیکن جیسا کہ بدیہی امر یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ ان کی اس معلومات کا ذریعہ طبقات الصوفیہ ہے۔ کیونکہ اس کتاب کے طبقہ اول میں جن صوفی کا ذکر سب سے پہلے آیا ہے وہ ابو ہاشم کوفی ہیں اور ان کے ساتھ ہی سفیان ثوری سے متعلق بھی تفصیلات موجود ہیں۔ حضرت سید اشرف نے اپنے اس نقطہ نظر کی تائید میں کہ زاہد و عابد کے لیے صوفی کا لقب دوسری صدی ہجری سے استعمال ہونا شروع ہوا تھا، رسالہ قشیری سے جو عربی عبارت نقل کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

”تم پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارباب فضل کا اس زمانے میں صحبت رسول کے سوا کوئی اور علمی نام اس لیے نہیں رکھا گیا کہ اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ جب دوسرے قرن والوں نے صحابہ کی صحبت پائی تو ان کا نام تابعین رکھا گیا۔“

۱۔ مصنفہ امام ابوالقاسم قشیری متوفی ۴۶۵ھ، قاموس الکتب ارد و ج ۱ ص ۵۷۱، انجمن ترقی ارد و پاکستان، کراچی۔

مسلسل —

۲۔ عربی عبارت کا ترجمہ یہ ہے۔

۳۔ اگر ابوہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریا کی باریکیاں نہیں سمجھ پاتا۔

۴۔ ابوالہاشم صوفی اپنے اصلی نام کے بجائے اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ کتاب اللمع، کشف المحجوب، طبقات الصوفیہ اور لطایف اشرفی میں سے کسی بھی کتاب میں ان کا اصلی نام درج نہیں ہے۔ ان کا اصلی وطن کوفہ تھا مگر انھوں نے شام میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ اسی لیے وہ ”شامی“ کے بجائے اپنے وطن کی نسبت سے ابوالہاشم کوفی کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ (طبقات الصوفیہ ص ۷)

۵۔ لطایف ج ۱ ص ۴۰

اور اسی نام کو انھوں نے اپنے لیے سب سے بڑی علامت سمجھی اور تابعین کے بعد والوں کو تبع تابعین کہا گیا۔ لیکن جب بعد لوگ مختلف جماعتوں میں منقسم ہو گئے اور ان کے مرتبے بھی ایک دوسرے سے جدا گانہ ہو گئے تو جن خواص کو امر دین کا زیادہ اہتمام تھا، ان کو زہاد و عباد کہا جانے لگا۔ لیکن جب کچھ مدت بعد فرقہ بندیان اور بد اعتقاد یا ن وجود میں آنے لگیں اور ہر فریق نے یہ دعویٰ کرنا شروع کیا کہ اس میں عبادت کرنے والے ہیں تو خواص اہل سنت و جماعت مخصوص ہو گئے۔ اس جماعت کے لوگ چونکہ اپنی سانس کو اللہ کے ساتھ نگاہ رکھنے والے اور غفلت کی آفتوں سے اپنے دلوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اس لیے ان بزرگوں کے طریق زندگی کو دوسری صدی ہجری سے کچھ قبل تصوف کا نام دے دیا گیا۔

دوسری صدی ہجری میں عبادت و ریاضت اور خشیت الہی کے اعتبار سے جو صوفی بزرگ سب سے زیادہ ممتاز نظر آتے ہیں وہ حسن بصری^۲ ہیں۔ تصوف کے بیشتر سلسلے میں انہیں کے واسطے سے حضرت علیؑ تک پہنچتے ہیں۔ علایق دنیا سے مطلقاً کنارہ کشی اور تفرید و تجرید اختیار کر لینے کے باوجود ان کو صوفی کے لقب سے اس لیے نہیں پکارا گیا کہ وہ

۱۔ لطائف ج ۱ ص ۲۰

۲۔ حضرت حسن بصری مدینہ میں ۲۱ ہجری قمری میں پیدا ہوئے اور ۱۲۰ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔ عطاء العرب کے مغرب میں ان کی قبر ہے۔ انھوں نے حضرت انس بن مالک سے علم حاصل کیا تھا، ستر اصحاب بدر کی صحبت پائی تھی اور حضرت علی سے ارادت حاصل کی تھی۔ لغت نامہ دہخدا (حزیف آزار۔ حسن فروختن) (طبع تہران ۱۳۷۰ ہجری شمسی ص ۵۸۵)

تا بعین میں شمار کیے جاتے ہیں۔

نفحات الانس میں جو لطایف کے بعد کی تالیف ہے، صوفیہ اول کی وجہ تسمیہ سے متعلق مولانا جامی نے جو عبارت لکھی ہے، اس میں اور طبقات الصوفیہ اور لطایف کی عبارتوں میں نفس مضمون کا کوئی فرق نہیں پایا جاتا۔ البتہ تصوف کی ان تینوں کتابوں کا بنظر غایر مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ نفحات کی تالیف کے وقت مولانا جامی کے پیش نظر لطایف بحیثیت ماخذ رہی ہے، لیکن پہلے صوفی کے بارے میں ان کی معلومات کا اصل ماخذ طبقات الصوفیہ ہے۔ کیونکہ یہ بات کہ ابوالہاشم صوفی اصلاً کوفہ کے باشندے تھے مگر انھوں نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی، یا تو طبقات میں درج ہے یا پھر نفحات میں!

اسی طرح پہلی خانقاہ کی تاسیس کے بارے میں لطایف کے مولف نے حضرت سید اشرف کا حسب ذیل بیان نقل کیا ہے۔

”و همچنین اول خانقاہی کہ برای صوفیان بنا کردند آنست کہ برملہ^۲ شام کردند و سبب بنای خانقاہ آن بود کہ روزی امیری از ترسا بشکار رفتہ بود در راہ دو تن را ازین طایف دید کہ فراہم رسیدند و دست در آغوش یکدیگر کردند و همانجا بنشستند و آنچه داشتند از خوردنی پیش نهادند و بخوردند آنگاہ از ہمدیگر مفارقت جستند، امیر ترسا را معاملہ“

۱۔ ملاحظہ ہو نفحات الانس (ص ۳۱) جس کو مہدی توحیدی پور نے ۴۲۶ ہجری شمسی میں مقدمہ و حواشی کے ساتھ شایع کیا ہے۔

۲۔ رملہ دراصل بیت المقدس سے بارہ میل دور فلسطین میں ایک شہر تھا (طبقات، حاشیہ ص ۱۰)

الفتایشان با یکدیگر خوش آمد و یکی از ایشان را بخواند و پرسید
 کہ آن بود و گفت ندانم و گفت ترا چہ بود و گفت هیچ و گفت از کجا
 بود و گفت ندانم و آن امیر گفت پس این الفت چہ کہ شما با یکدیگر
 کردید و درویش گفت این ما را طریقت است و گفت شما را جائی
 هست کہ آنجا فراہم آئید و گفت نی و گفت من برای شما جائی بسازم
 کہ یکدیگر آنجا فراہم آئید و گفت حاکمید و آن برملہ ساخت^۱
 لیکن خانقاہ کی تاریخ سے متعلق لغت نامہ دہخدا میں حسب ذیل بیان نقل ہے۔
 ”خانقاہ کلمہ فارسی و اصل آنرا خوانگاہ دانستہ اند یعنی
 جای کہ سلطان در آنجا طعام میخورد۔ امروز اطلاق خانقاہ بزاوایای
 صوفی میشود کہ تا قبل از قرن ششم ہجری وجود نہ داشتہ اند۔
 تختین خدیوی^۲ کہ در مصر خانقاہ کرد سلطان صلاح الدین یوسف بود
 و او علاوہ بر ساختن خانقاہ رزق معلوی برای سالکین راہ حق ترتیب
 کرد (قول سیوطی) مقریزی را عقیدہ بر این است کہ خوانق از
 مستحدثات عالم اسلامند و از حدود قرن چہارم ہجری بوجود آند و
 اند۔“^۴

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۲۰

۲۔ صاحب آنند راج نے لفظ خانقاہ کو ”خان“ اور ”گاہ“ کا مرکب بتایا ہے۔ اور
 دہخدا کے نزدیک بھی ”خانقاہ“ کی اصل ”خانگاہ“ جس کے معنی ”مجلسگاہ“ اور
 ”منزلگاہ“ کے ہیں یعنی وہ جگہ جہاں درویش و مشائخ عبادت میں مشغول ہوں۔
 لغت نامہ دہخدا (خالد بن سمیر۔ خانہ طبع تہران ۱۳۴۰ ہجری شمسی) ص ۱۶۹
 ۳۔ خدیو فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ملک، وزیر اور سید کے ہیں اور یہ لفظ قدیم
 مصر کے اندر عزیز مصر کا لقب تھا۔

۴۔ لغت نامہ دہخدا (خالد بن سمیر۔ خانہ) ص ۱۶۹

بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سب سے پہلی خانقاہ بصرہ میں قائم کی گئی تھی اس کا سبب یہ تھا کہ زید بن صوحان بن صرہ نے بصرہ کے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ زراعت و تجارت ترک کر کے خدا کی عبادت میں مشغول ہیں۔ چنانچہ زید بن صوحان ان کے طریق زندگی سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے ان کے لیے ایک ایسے گھر کی تعمیر کی جہاں قیام کے علاوہ کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں ان کو مفت مہیا کی جاتی تھیں^۱۔ لیکن لغت دہخدا میں آگے چل کر سب سے پہلی خانقاہ صفہ کو قرار دیا گیا ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان اصحاب کا مسکن تھا۔ جنہوں نے دنیا ترک کر کے فقر اختیار کر لیا تھا۔

”ہر چند بنای خانقاہ و اختصاص آن بمحل ساکنت و اجتماع متصرفہ“

رسمی محدث استاز جملہ^۲ مستحسنات صوفیان، و لیکن خانقاہ را باصفہ ای کہ مسکن فقرای صابہ بود در روزگار رسول صلی اللہ علیہ وسلم مشابہتی و نسبتی ہست چہ صفہ مقامی بود در مدینہ محل سکون و اجتماع فقرای اصحاب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر کہ او را مسکنی نبودی در آنجا اقامت نمودی و اگر کسی بعدینہ آمدہ و آشنائی نہ داشتی کہ بد و فرود آید بصفہ نزول کردی..... و هیچ شک نیست کہ بنای خانقاہ برصفتی کہ اصل وضع اوست زینتی استاز زینا ہای ملت اسلام^۳۔

چونکہ حضرت سید اشرف نے بھی صوفیہ کے طور و طریق کا ماخذ اصحاب صفہ کی زندگی

کے معمولات کو قرار دیا ہے، اس لیے اس امر سے انکار کی گنجائش نہیں کہ صفہ ہی کو

۱۔ لغت نامہ^۲ دہخدا، (خالد بن سمیر — خانہ) ص ۱۶۹

۲۔ ایضاً ص ۱۷۰

اولہن اسلامی خانقاہ کی حیثیت حاصل ہے۔ لیکن باضا بطہ عمارت کی شکل میں پہلی خانقاہ

صوفیہ کی تاسیس کے بارے میں حضرت سید اشرف نے جو اطلاع فراہم کی ہے، وہ معتبر اور

مستند ہے۔ کیونکہ لطایف سے پہلے طبقات اور پھر لطایف کے بعد نفحات میں بھی درج ہے^۱۔

کہ صوفیوں کی پہلی خانقاہ ایک عیسائی امیر نے رملہ میں تعمیر کرائی تھی۔

صوفی کے لیے علم کی ضرورت و اہمیت

دوسری صدی ہجری میں جب مسلمانوں میں تصوف کے نام سے تزکیہ نفس اور تجلہ باطن

کی تحریک شروع ہوئی تو خانقاہی اداروں کو اسلام کی روحانی زندگی کا جزو لاینفک سمجھا

جانے لگا۔ کیونکہ کاروباری زندگی اور دنیا کے ہنگاموں سے اکتاہٹ ہوئے لوگ خانقاہوں

میں آکر خدا کی یاد سے قلب کا اطمینان حاصل کیا کرتے تھے۔ صوفیہ انہیں خانقاہوں میں

گوشہ نشین ہو کر عبادت و ریاضت کی مشقتیں اٹھاتے تاکہ راہ سلوک کے مدارج و منازل طے

کر سکیں۔ خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے اگرچہ عبادت اور زہد و تقویٰ ضروری ہے،

لیکن اتنا ہی کافی نہیں بلکہ عبادت میں قوت کا پیدا ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ

حضرت سید اشرف کا قول ہے کہ ہونے کی عبادت و ریاضت میں جان اس وقت پڑتی ہے جب وہ عالم

ہو، جاہل نہ ہو، اس لیے کہ خدا کسی جاہل کو اپنا دوست نہیں بناتا^۲ اور کھف صرف عالم

ہی کو ہوگا، جاہل کو نہیں، کیونکہ ولی اگر عالم نہیں ہے تو وہ اچھائی اور برائی میں

تمیز نہیں کر سکتا اور اندھیروں اور کد ورتوں کے جنگل میں پریشان حال بھٹکتا رہے گا^۳۔

اس کے وجہ یہ ہے کہ علم ایک آفتاب ہے جس کی روشنی کا ہر تو پڑے بغیر اعمال و عبادات

۱۔ طبقات ص ۹-۱۰، نفحات ص ۳۱-۳۲

۲۔ لطایف ج ۱ ص ۴۰

۳۔ ایضاً ص ۴۱

اور زہد و تقویٰ میں چمک پیدا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اپنے اس نقطہء نظر کی تائید میں حضرت سید اشرف نے حضرت شیخ الاسلام احمد جامؒ کی زندگی پر پیل اور حضرت خواجہ مودود چشتی کی ملاقات کا ایک واقعہ بھی بیان فرمایا ہے جس کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

”ایک مرتبہ حضرت شیخ الاسلام احمد جامؒ زندگی پر پیل بزرگانِ چشت کے مزارات متبرکہ کی زیارت کے لیے جا رہے تھے کہ ان کو دوسری طرف سے حضرت خواجہ مودود چشتیؒ اپنے اصحاب کے ساتھ آتے ہوئے دکھائی دئے۔ دونوں بزرگوں کی ملاقات ایک دوسرے سے راستے میں ہوئی اور گفتگو کے دوران آپس میں کچھ بے لطفی بھی پیدا ہو گئی۔ کچھ دنوں بعد جب دونوں کی دلون سے کدورت رفع ہو گئی تو ایک روز حضرت احمد جامؒ نے حضرت مودود چشتیؒ سے فرمایا: ”ان احباب و اصحاب کے جمع گھٹے کو چھوڑ کر صرف دُخ مت گارا اپنے ساتھ رکھو، اور تین روز بعد مجھ سے ملو“۔ چنانچہ حضرت مودود چشتیؒ نے ارشاد کے مطابق عمل کیا اور پھر ان کا خدمت میں حاضر ہو کر بولے ”جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا میں نے ویسا ہی کیا۔ اب جیسا فرمایا ویسا کروں“۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے فرمایا ”سجادہ کو طاق پر رکھو، اور جاؤ، علم حاصل کرو کہ زاہد بے علم شیطان کا تابعدار ہوتا ہے اور عابد بے فقہ کولہو کے بیل کی طرح قابلِ تعریف نہیں ہوتا“۔ حضرت مودود چشتیؒ نے کہا ”میں نے قبول کیا۔ کچھ اور فرمائیے تاکہ اس پر بھی عمل کروں“۔ فرمایا ”جب تحصیلِ علم سے

فارغ ہو جاؤ تو اپنے خاندان کو زندہ اور روشن کرو کہ تمہارے
 آبا و اجداد میں سے بہت سے بزرگ صاحب کرامات و مقامات تھے۔^۱
 حضرت مودود چشتی نے کہا ”جب آپ مجھ کو خاندان کے زندہ کرنے
 کا حکم دیتے ہیں تو برکت کے لیے اپنے پاس بیٹھنے کی اجازت دیجیے۔“
 شیخ الاسلام نے فرمایا ”سامنے آؤ“ یہ سنتے ہی وہ سامنے آ گئے۔
 شیخ الاسلام نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے مسند کے کنارے بٹھایا اور تین
 مرتبہ فرمایا ”بشرط علم“ — یعنی یہ تمہاری خاطر ہے کہ مسند پر
 میں نے بٹھالیا لیکن اس پر بیٹھنے کا استحقاق اسی وقت ہوگا جب
 تم علم حاصل کر لو گے۔^۲

مولف لطایف لکھتے ہیں کہ حضرت سید اشرف فرمایا کرتے تھے کہ توحید و ایمان کے
 بعد شریعت و طریقت کا علم ہر بندہ پر واجب ہے اور دہریش پر عبادت کا جاننا فرض ہے۔^۳
 یہاں اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ حضرت سید اشرف کے نزد یک علم سے مراد ہ
 علم فقہہ مکہ ہے اور فقہہ کے لیے قرآن و حدیث کا غایر مطالعہ بہت ضروری ہے۔ اس بات
 کا ثبوت لطایف کے سیکڑوں صفحات سے ملتا ہے کہ وہ خود بھی فقہہ سے خاص شغف رکھتے تھے
 اور اس علم میں ان کو غیر معمولی درک تھا — چنانچہ علم فقہہ کی غیر معمولی اہمیت کو
 انہوں نے جن زوردار لفظوں میں بیان کیا ہے ہ ان کا ترجمہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے
 ”اگر کسی کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی زندگی میں صرف چند روز
 باقی رہ گئے ہیں تو اس کو علم فقہہ میں مشغول ہو جانا چاہیے۔“

۱۔ مقدمہ لطایف ص ۲۰

۲۔ ایضاً

کیونکہ ایک مسئلے کا جاننا ایک ہزار نماز نفل سے بہتر ہے۔^۱

متذکرہ* بالاسطور مین ایک ہزار رکعت نماز نفل پر ایک مسئلے کے جاننے کو

ترجیح حاصل ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ علم ہی سب کچھ ہے اور عمل کچھ بھی نہیں ،

بلکہ جس طرح علم کے بغیر زاہد و عابد شیطان کا تابعدار ہوتا ہے اسی طرح عالم بے عمل

اس تیر کے مثل ہے جس کی کمان نہ ہو ۔ گویا ایک عالم باللہ کو عالم بالا حکام پر ایسے

ہی فضیلت حاصل ہے جیسے کہ خبر پر معائنہ کو ہوتی ہے ۔

علم توحید

دایرہ* اسلام مین داخل ہونے کی بنیادی اور پہلی شرط یہ ہے کہ انسان وحدانیت

یعنی ذات خداوندی پر ایمان لائے ۔ " توحید " عربی زبان کا لفظ ہے اور " وحدت " سے

مشتق ہے ۔ اس کے لغوی معنی وحدت کے قائل ہونے کے ہیں ۔ مگر اصطلاح مین خدا کی

وحدانیت کے زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کو توحید کہا جاتا ہے ۔ اس

عقیدے کا اقرار و تصدیق کرنا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ، ہر مسلمان کے لیے

لازم ہے ، گویا وحدانیت باری تعالیٰ پر ایمان لانے کے معاملے مین خواص اور عوام دونوں

برابر کے شریک ہیں لیکن توحید کا علم رکھنا عام مسلمانوں سے کہیں زیادہ اولیا و صوفیہ

کے لیے ضروری ہے ، اس لیے کہ اس طبقے کے لوگوں کا اصل اصول اور ان کی آخری کامیابی

کا راز یہی علم شریف ہے۔^۲ امام غزالی کے نزدیک تو صوفیہ کے لیے علم توحید اتنا

ضروری ہے کہ ان کو اس شخص کے سوا خاتمہ کا خوف ہے جس کا حصہ اس علم مین نہیں۔^۳ علم

توحید کی یہی وہ اہمیت ہے جس کی وجہ سے تمام اکابر صوفیہ نے ایک سالک کے واسطے توحید

۱- مقدمہ لطایف ص ۱۱ - ۱۲

۲- لطایف ج ۱ ص ۳۳

۳- ایضاً بحوالہ احیاء العلوم

پر اعلیٰ درجے کا محکم عقیدہ رکھنا ہر چیز سے زیادہ اہم قرار دیا ہے۔ چنانچہ
حضرت سید اشرف نے مسئلہ توحید پر بڑی عمیق اور عالمانہ بحث کرتے ہوئے اس کی چار قسمیں
بتائی ہیں۔

(۱) توحید ایمانی۔

شُرک جلی سے محفوظ رہنے اور اسلام پر قائم ہونے کی بنیاد توحید ایمانی ہے یعنی
قرآن مجید اور احادیث نبوی پر اعتماد کر کے یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ ایک ہے اور اس کی
الوہیت بے مثل^۱۔
(۲) توحید علمی۔

دل میں اس عقیدے کا راسخ ہو جانا توحید علمی ہے کہ کائنات کی تمام اشیا اپنی
ماہیت و حقیقت کے اعتبار سے بے معنی ہیں، اور خدا کے ماسوا جو کچھ ہے، وہ سب اسی
کی ذات و صفات کا عکس ہے۔ جب بندہ توحید کے اس درجہ پر فائز ہو جاتا ہے تو پھر
وہ کسی "واسطہ" کو اہمیت نہیں دیتا، بلکہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ معاملات کی ہر
اچھائی برائی خدا ہی کی طرف سے ہے^۲۔
(۳) توحید رسمی۔

اگر کوئی شخص کتابوں کے مطالعے یا سنی سنائی باتوں یا اپنی ذہانت سے
توحید کی حقیقت کا تصور کر لے تو یہ توحید رسمی کہلائے گا۔ مگر اس قسم کی توحید کا
تصور اپنے اندر کوئی اثر نہیں رکھتا^۳۔

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۲۴

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً ص ۲۵

(۴) توحید حالی -

توحید کے اس مرتبے کو پہنچ کر موحد ، واحد یعنی خدا کے جمال کے مشاہدے میں ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ اس کو ذات و صفات ازلی کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی - وہ واحد کی جملہ صفات کو اپنی تمام صفتوں سے ماورا ہو کر دیکھتا اور بحر توحید میں خود کو صرف ایک قطرہ محسوس کرتا ہے - توحید حالی کا یہ احساس نور مشاہدہ سے ہوتا ہے - یہ وہ مقام ہے جہاں بشریت کے اکثر لوازمات فنا ہو جاتے ہیں اور جو باقی رہ جاتے ہیں ، ان سے اقوال و افعال کا صدور ہوتا ہے -

توحید حالی کی صفہ منزل میں موحد کی جو حالت ہوتی ہے ، وہ یہ ہے کہ د رہاے توحید میں موحد ایک ایسے قطرے کی مانند ہے جس کا کوئی نان باقی نہیں رہتا - اس حالت میں وہ کسی بھی اچھی یا بری چیز کی طرف مایل نہیں ہوتا ، کیونکہ اس کے حواس کا رآمد نہیں رہتے -^۱ حضرت سید اشرف نے توحید کی متذکرہ^۲ بالا چاروں اقسام اگرچہ اپنے نقطہ^۳ نظر کی تائید میں " ترجمہ عوارف " کے حوالے سے بیان کی ہیں ، لیکن خود

۱- لطایف ج ۱ ص ۲۶

۲- ایضاً

۳- " عوارف المعارف " سہروردی سلسلے کے مشہور بزرگ شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف ہے اور " ترجمہ عوارف " سے مراد " مصباح الہدایہ و مفتاح الکفایہ " ہے - اگرچہ اس کتاب کا نام لطایف میں کہیں نہیں ملتا لیکن لطایف کا اس کتاب سے مقابلہ کرنے پر صاف ظاہر ہوتا ہے کہ " ترجمہ عوارف " سے مراد ترجمہ عزالدین محمود کاشانی (م ۷۳۵ھ) ہے جو " مصباح الہدایہ و مفتاح الکفایہ " کے نام سے موسوم ہے - ترجمہ عوارف کا ذکر عوارف المعارف کے فارسی ترجمہ کی حیثیت سے کیا جاتا ہے لیکن دراصل یہ کتاب اس کا براہ راست ترجمہ نہیں - بلکہ اس کے اکثر مضامین اس میں شامل ہیں ، کہیں صرف ترجمہ ہے اور کہیں اس کے مطالب کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے ، کہیں ایجاز ہے اور کہیں اطناب - شیخ شہاب الدین سہروردی کی بیان کردہ حکایات و روایات کو بھی اکثر نظر انداز کر دیا گیا ہے - کتاب کی ترتیب اور فصول کے قایم کرنے کا طرز بھی عوارف المعارف سے جداگانہ ہے -

ترجمہ اسلامی، ایک ہندوستان دار (نصاب اشرفی) اردو از سہروردی اشرف

ماہنامہ " عوارف " اعظم گڑھ لاہور، اگست ۱۹۶۸ء

ان کے نزد يك اعلیٰ توحید ، توحید الہی ہے ، جس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ خدا بذات خود اپنی وحدانیت سے ہمیشہ سے متمف ہے یعنی جب کچھ نہ تھا تو خدا تھا اور جب کچھ نہ ہوگا تو خدا ہوگا ، اور کائنات کی تمام اشیا کا وجود خدا کے وجود میں مٹا ہوا ہے ، اس لیے کہ اس کے سوا کوئی دوسری ذات واجب الوجود^۱ نہیں^۲ — گویا جب خدا تھا تو اس کے سوا کوئی چیز نہ تھی ، وہ ہے تو اس کے سوا ساتھ کوئی چیز نہیں ، اور وہ ابد الابد تک اسی طرح رہے گا جس طرح کہ تھا اور جس طرح کہ ہے — اس ازلی و ابدی حقیقت کے ہونے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ موحد اس کو واحد بتا ہے — خدا کے جو بندے زمان و مکان کی قید سے آزاد اور بصیرت والے ہیں ، وہ اس کی تجلیات کا مشاہد ، اسی دنیا میں کرتے ہیں —

عقیدہ * توحید اور وحدت الوجود

عقیدہ * توحید جو مسلمان ہونے کی بنیادی شرط اور سلوک کی جان ہے ، وہ آغاز تصوف کے بہت تھوڑے عرصے کے بعد سے ہی علما و صوفیہ کے درمیان اختلاف و نزاع کا باعث بنا رہا ہے — کیونکہ ان دونوں گروہوں نے توحید کی جو تشریحات و توضیحات اپنے اپنے طور پر کی ہیں ، وہ ایک دوسرے کے لیے قابل قبول نہیں — اس مسئلے پر علما و صوفیہ کے مابین نظریاتی اختلاف ہے ، اس کے علاوہ خود صوفیہ کے طبقے میں بھی زبردست اختلافات موجود ہیں — ان تشریحات و تاویلات اور اختلافات و تنازعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ توحید جو اپنی شرعی حیثیت میں ایک بہت ہی سیدھا سادہ ، آسان فہم اور اسلام کا بنیادی

۱ — واجب الوجود کا اطلاق اس ذات پر ہوتا ہے جس کا وجود اس کی ذات کا مقتضا ہو —

سر د لبران ، ص ۳۱

۲ — لٹل ایف ج ۱ ص ۲۶

عقیدہ ہے، ایک ایسی گتھی بن کر رہ گیا ہے کہ اس کو جس قدر سلجھایا جاتا ہے، اتنا ہی الجھتا جاتا ہے۔

جس شخص نے سب سے پہلے مسئلہ توحید کی فلسفیانہ تشریح کی، وہ شیخ اکبر محمد الدین ابن العربی ہیں۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں فلسفیانہ استدلال کے ساتھ انہوں نے توحید کا جو نظریہ پیش کیا، اسی کو متصوفانہ اصطلاح میں فلسفہ وحدت الوجود یا توحید وجودی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ شیخ اکبر کی دونوں تصانیف یعنی فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ جو ان کے افکار و نظریات کا نچوڑ ہیں، اپنی تصنیف کے روز اول ہی سے اگر ایک طرف صوفیائے کرام کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ان کے دل کا قرار بنی رہی ہیں، تو دوسری طرف بعض لوگوں نے انہیں نذر آتش کر کے دل و نگاہ کی تسکین بھی حاصل کی ہے۔ شیخ اکبر پر کفر و زندقہ کا جو الزام لگایا گیا ہے، اس کی اصل وجہ شیخ عبد الرزاق کاشی کے نزدیک یہ ہے کہ لوکان کی وضع کی ہوئی اصطلاحات کو سمجھنے میں ناکام رہے ہیں، اور جب تک کہ کوئی شخص اصطلاحات تصوف کی باریکیوں کو نہیں سمجھ لیتا اس وقت تک وہ کلمات و مقامات کی گہرائیوں اور ہوشید گیوں تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا^۱۔ حضرت سید اشرف نے شیخ عبد الرزاق کاشی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے فصوص الحکم کا درس حاصل کیا تھا^۲ اور خود ان کے شیخ طریقت حضرت علاء الدین گنج نبات پندوی بھی توحید وجودی کے قائل تھے^۳۔ چنانچہ ان دونوں بزرگوں کی تعلیم و تربیت کا ان کی شخصیت پر اتنا گہرا اثر پڑا کہ وہ اپنے عہد میں ابن العربی کے عقائد و نظریات کے زبردست حامی و مبلغ کی حیثیت سے ابھر کر

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۲۴

۲۔ ایضاً

۳۔ مکتوبات سید اشرف جہا نگیر سمنانی، مکتوب ہفتاد و پنجم

سامنے آئے۔ یہی وجہ ہے کہ انھوں نے سلوک کے جو رموز و نکات بلیغ بیان کیے ہیں ۔
 ان سب میں عقیدہ " ہمہ اوست کی کرشمہ سازی اور جلوہ گری نظر آتی ہے ۔ توحید اور وحدت
 الوجود ، اگرچہ یہ دونوں مسائل ایک دوسرے سے جدا اور مختلف ہیں لیکن چونکہ بات
 توحید سے ہی شروع ہو کر وحدت الوجود تک پہنچتی ہے ، اس لیے پہلے توحید ہی کو زیر بحث
 لایا جا رہا ہے ۔ حضرت سید اشرف کے قول کے مطابق محبوب کی صفات میں عاشق کے مٹ جانے کا
 نام توحید ہے ۔

توحید کی متذکرہ " بالا تعریف میں " عاشق " سے بندہ اور " محبوب " سے ذات
 خداوندی مراد ہے ، جس کی تاویل یہ کی جاتی ہے کہ بندہ خدا کی ذات میں اپنے وجود
 کو اس طرح فنا کر دے کہ خود خدا ہو جائے ۔ توحید کا یہ عقیدہ صوفی اور فلسفی شعرا کے
 افکار میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے ، چنانچہ غالب کہتے ہیں

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر

ہم اس کے ہیں ہملا ہوجھنا کیا

قطرہ دہریا میں جو مل جائے تو دہریا ہو جائے

کام وہ اچھا ہے جس کا کہ مآل اچھا ہے

لیکن لطایف کے مطالعے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابن العربی پر کفر و زندقہ کا
 جو الزام لگا ہے ، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ بعض نا اہل صوفیوں اور خاص طور سے شاعروں نے
 ترنم میں آکر توحید وجودی کی تاویل غلط طریقے پر کی ہے ۔ حضرت سید اشرف کا نقطہ نظر
 یہ ہے کہ بندہ صفات خداوندی میں خود کو مٹا کر قرب کے بلند سے بلند تر درجے پر

فائز تو ہو سکتا ہے ، لیکن یہ بات اس کی فطرت کے منافی ہے کہ وہ خود خدا ہو جائے۔
 اس لیے کہ سالکین کا مقصد دنیائے احدث میں دُوبنا اور صحرائے الوہیت میں گم ہونا
 نہیں ہوتا ، بلکہ سلوک کا کمال یہ ہے کہ سالک اپنی موجودہ حقیقت اور علمی صورتوں سے
 ان احکام کا مستحق ہو ، جو ان سے جاری ہوتی ہیں۔ چنانچہ دنیا کی سلطنت میں کوئی شخص
 بادشاہ کا کیسا ہی مقرب خاص اور مستعد حاضر باش کیون نہ ہو ، اس کا مقصود بادشاہ کی
 ذات پر تصرف کرنا نہیں ہوتا ، بلکہ اس قرب کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ وزیر اور نائب صدر
 ہو جائے اور یہی منصب ان عارفوں کے لیے بھی ہے جو خدا کا قرب خاص حاصل کر لیتے ہیں۔
 گویا بندہ اپنی ریاضت اور مجاہدے کے ذریعہ خدا کی صفات میں تو فنا ہو سکتا ہے ، لیکن
 خدا کی ذات کا ادراک اس کے لیے کسی طور بھی ممکن نہیں۔ اس لیے کہ ذاتِ بحت^۱ اپنی
 کبریائی کی چادر میں ہمیشہ کے لیے پوشیدہ اور اپنی ماہیت کے اعتبار سے ناقابلِ ادراک
 ہے اور کائنات و موجودات میں انبیا و مرسلین اور اولیا و کاملین میں سے ایسا کوئی
 فرد نہیں جس نے خدا کی ذات کا ادراک کیا ہو۔^۲

لطایف کے ستائشوں میں باب میں مسئلہ وحدت الوجود پر مفصل بحث ہوئی ہے۔^{۳۷}

شیخ علاء الدولہ سمنانی کو جو ابتدا میں سلوک میں حضرت سید اشرف کے رہنما تھے ، شیخ
 اکبر سے عقیدت ہونے کے باوجود نظریہ توحید وجودی پر اعتراض تھا جبکہ اس کے برعکس
 انہیں کے ایک ہمعصر بزرگ شیخ عبدالرزاق کاشی اس مسئلے میں بیحد غلو رکھتے تھے۔
 چنانچہ اس مسئلے پر ان دونوں بزرگوں میں بذریعہ خطوط تبادلہ خیال بھی ہوا لیکن یہ
 لوگ اپنے دلائل سے ایدہ و سرے کو قایل نہیں کر سکے۔ لطایف میں دونوں حضرات کا ایک ایک

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۳۴-۳۵

۲۔ بحت کہتے ہیں خالص کو۔ یہاں ذات خالص از اسم و رسم و نعمت و وصف ہے۔

۳۔ لدبران ص ۳۴۶

۳۔ لطایف ج ۱ ص ۳۵

خط بھی نقل کیا گیا ہے^۱۔ جن کو پڑھ کر توحید وجودی کے رد و حمایت میں پیش ہونے والی دلیلوں کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ شیخ کاشی کے دلائل سے اگرچہ شیخ سمنانی کی تشفی نہیں ہوئی تھی مگر لطایف ہی میں ایک دوسری جگہ حاجی نظام یمنی نے لکھا ہے کہ حضرت سید اشرف نے فرمایا کہ زندگی کے آخری ایام میں وہ نظریہ وحدت الوجود کے قائل ہو گئے تھے^۲۔

دنیا کی سیاحت کے لیے جب دوسری مرتبہ حضرت سید اشرف نے ہندوستان سے باہر کا سفر کیا تو بخارا میں قیام کے دوران جن علما و صوفیہ سے ان کی ملاقات ہوئی، ان میں سے بیشتر حضرات وحدت الوجود کے منکر تھے۔ چنانچہ حضرت سید اشرف اور شیخ محمد بہرام بخاری نے مل کر ان لوگوں کو اس عقیدے کا قائل کیا^۳۔ توحید وجودی کو اسلامی عقیدہ ثابت کرنے کے لیے دقایق و غوامض پر بھرپور جو بحث ہوئی ہے اس کی تلخیص یوں پیش کی جاسکتی ہے۔

فلسفیانہ طور پر وحدت کی دو قسمیں ہیں

(۱) وحدت مطلقہ من حیث الذات و الصفات

ذات اور صفات کی حیثیت سے وحدت مطلقہ یہ ہے کہ صرف ایک ذات اپنی صفات کے ساتھ موجود ہو اور دوسری تمام ذاتیں اپنی ذات و صفات کے ساتھ معدوم۔ مثلاً، وحدت باری تعالیٰ یہ ہے کہ جب خدا موجود تھا تو اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہ تھی۔

۱۔ لطایف ج ۲ ص ۴۰-۴۶

۲۔ ایضاً ص ۴۶-۴۷

۳۔ ایضاً ص ۴۹

۴۔ ایضاً ص ۴۰

(۲) وحدت مقیدہ من حیث الصفات لا من حیث الذات۔

صفات کی حیثیت سے وحدت مقیدہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ذات تنہا ایسی صفات سے متصف ہو کہ کوئی دوسرا ان صفات میں اس کا شریک نہ ہو۔ جیسے وحدت باری "قدم" اور "تخلیق" کی صفت کے ساتھ متصف ہے۔^۱

گویا وحدت مطلقہ میں غیر کا وجود بالکل معدوم ہوتا ہے اور وحدت مقیدہ میں مثل کا وجود۔^۲ اسی طرح شریعت میں ذات و صفات ہر دونوں حیثیتوں سے باری تعالیٰ کی توحید کا اطلاق دو معنوں میں ہوتا ہے یعنی مجازی اور حقیقی۔

(۱) مجازی

مجازی اعتبار سے باری تعالیٰ اس معنی میں واحد ہے کہ اس کے وجود کے مقابلے میں گویا دوسری چیزوں کا وجود ہی نہیں ہے۔^۳

(۲) حقیقی

حقیقی معنی میں توحید یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ہر کائنات میں جو کچھ ہے وہی ہے یعنی ہمہ اوست۔^۴

اگرچہ بیشتر علما اور عوام توحید وجودی یعنی "ہمہ اوست" سے انکار کرتے اور اس عقیدے کو کفر و زندیقہ سمجھتے ہیں، لیکن حضرت سید اشرف کے نزدیک وحدت الوجود ہی توحید حقیقی ہے۔ چنانچہ انہوں نے "تاویل مسئلہ وحدت وجود از قول محی الدین ابن عربی" کے عنوان سے شیخ اکبر کے افکار کو پیش کرنے کے علاوہ اپنے نقطہ نظر کی

۱۔ لطایف ج ۲ ص ۳۰

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً ص ۷۷ - ۷۰

تائید میں قرآن کی پانچ آیات کریمہ اور دو احادیث صحاح بھی بطور دلیل قاطع پیش کی ہیں۔ انہوں نے جن آیات کریمہ کو دلیل بنایا ہے، ان میں "قل هو اللہ احد" کو بنیادی اہمیت دی ہے^۱ اور ان کے نزدیک اس آیت سے اسلوب عربیت، علم کلام اور اصول فقہ، تینوں لحاظ سے وجود غیر کا انعدام لازم آتا ہے۔^۲

حضرت سید اشرف وحدت الوجود کے قایل اس طور پر ہیں کہ باری تعالیٰ سلسلہ کائنات سے بالکل ایک جداگانہ ذات نہیں، بلکہ کائنات کی ہر شے میں اسی کی ذات کا عکس ہے اور اشیاء کائنات میں اسی کی وحدت جلوہ گر ہے۔ جب کسی بندے کے دل میں توحید کا یہ عقیدہ راسخ ہوتا ہے تو وہ احساس سود و زیان اور زشت و خوب سے بلند تر ہو کر رانی بہ رضا الہی ہو جاتا ہے اور یہی سالک کی ترقی کا انتہائی درجہ ہے۔

ولایت، ولی اور اس کی شرائط

جس شخص کو اصطلاح تصوف میں "صوفی" کہا جاتا ہے، اس کے لیے قرآن کریم میں "ولی" کا لفظ آیا ہے۔ اس لفظ کی اصل عربی ہے اور اس کا مصدر "ولایت" ہے جس کے لغوی معنی 'نزدیکی' کے ہیں اور اسی طرح "ولی" کے معنی ہیں نزدیکی رہنے والا، لیکن تصوف کی اصطلاح میں "ولی" خدا سے نزدیکی رہنے والے کو کہتے ہیں۔ حضرت سید اشرف نے "رسالہ" قشیری سے نقل کر کے فرمایا ہے کہ ولی کے دو معنی ہیں۔ ایک ولی تو "فعل" کے وزن پر بمعنی مفعول کے ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ بندے کے کاموں کا والی ہو جائے،

۱۔ لطائف ج ۲ ص ۴۱

۲۔ ایضاً ص ۴۱ - ۴۰

چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے کہ ”وہ والی ہے نہکون کا“۔ دوسرا ولی بھی اگرچہ ”فعلیل“ کے وزن پر ہے لیکن صیغہ ”مبالغہ“ میں اس کو فاعل کے معنی میں لیتے ہیں یعنی بندہ خدا کی عبادت و اطاعت کی ذمہ داری قبول کر کے اس کا متولی ہو جائے اور وہ عبادت خداوندی کو اس طرح جاری رکھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بغیر کوئی گناہ اس کے درمیان نہ آسکے، اس لیے کہ یہ دونوں باتیں ولی ہونے کے لیے از حد ضروری ہیں^۱۔ حضرت سید اشرف نے ولی کے متذکرہ ”بالاد و معنی بیان فرمائے کے علاوہ ولایت کی بھی حسب ذیل دو قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) ولایت عامہ۔

ولایت کی یہ پہلی قسم تمام ایمان والوں میں قرآن کی اس آیت کریمہ کے مطابق مشترک ہے کہ اللہ ان لوگوں کا والی ہے جو ایمان لائے اور ان کو اندھیروں سے روشنی کی جانب نکالتا ہے^۲۔

(۲) ولایت خاصہ۔

ولایت کی یہ دوسری قسم صرف سالکین واصلین کے لیے ہے اور وہ یہ کہ بندہ خود کو ذات حق میں فنا کر کے درجہ ”بقا“ بالحق پر فائز ہو جائے۔^۳ چنانچہ حضرت ابوعلی جرجانی^۴ کا یہ قول ولایت خاصہ کی مذکورہ بالا تعریف کے عین مطابق ہے۔ کہ ولی وہ شخص ہے جو اپنی حالت سے اس طرح مٹا ہوا اور دیدار حق میں اس درجہ مشغول ہو کہ اسے نہ کچھ اپنے خبر ہو اور نہ اسے کچھ غیر اللہ کے ساتھ قرار ملے۔^۵

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۳۹

۲۔ ایضاً ص ۳۸ (سورہ البقرہ، پارہ ۳، رکوع ۲)

۳۔ لایضاً

۴۔ اصلی نام محمد بن حسین بن علی مکنی ہے مگر ابوعلی کے نام سے مشہور ہیں۔ لغت نامہ دہخدا (جبلات۔ جرازہ)، طبع تہران، ۱۳۴۱ ہجری شمسی، ص ۳۲۲۔

۵۔ لطایف ج ۱ ص ۳۸-۳۹

حضرت سید اشرف نے ولایت خاصہ کی اس تعریف سے ملتی جلتی ولایت کی تعریف کی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ بندے کا فنا کے بعد بقا کے ساتھ قائم اور تمکین و صفا سے متصف ہونا ولایت ہے۔^۱ ولایت خاصہ کی تعریف و تفسیر کرتے ہوئے حضرت شاہ سید محمد ذوقی لکھتے ہیں۔

”ولایت خاصہ واصلین حق کے لیے ہے۔ ہر شخص کو ایک جہت خاص حاصل ہوتی ہے۔ جب وہ شخص حق تعالیٰ کی جناب مطلق میں حضور تام حاصل کر کے اس جہت کو تقویت پہنچاتا ہے تو وہ جہت خاص اس کی خلقیت پر غالب آجاتی ہے اور بشریت کو مقہور کردیتی ہے۔ اسی کو فناثیت کہتے ہیں جو ولایت کا لازمہ ہے۔ یہ فنا مقدمہ ہے اور سبب بن جاتا ہے واسطے بقا الحق کے۔ دراصل مقام فنا فی اللہ میں پہنچنا ولایت خاصہ کا ادنیٰ مرتبہ ہے۔ ورنہ اس ولایت کے اعلیٰ مراتب بقا باللہ اور ظہور من اللہ ہیں۔ جسے مرتبہ ”فناء الفناء“ کا عمر میں ایک بار بھی تجلی ہوگئی وہ ولایت خاصہ سے نواز دیا گیا۔ مگر اعلیٰ مراتب ولایت خاصہ کے یہ ہیں کہ حق تعالیٰ اپنے بندہ پر اپنے اسما و صفات بطور علم و یقین و حال کے ظاہر فرما کر اسے ان کے ذریعہ تاثیرات و تصرفات کی قوت عطا فرمادے اور اپنے اصماء و صفات کا اس بندہ کو متوالی کر دے۔ یہ مرتبہ حقایق الہیہ کے ثابت ہوئے بغیر نہیں حاصل ہوتا اور اس کے حصول کے لیے نہایت ضروری ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح اتباع کیا جائے اور تمام صالحین کے آداب کی پیروی کی جائے۔“^۲

حضرت سید اشرف کے نزد يك ولايت خاصہ کے د رجے پر پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ

سالک حسب ذیل تین شرطیں پوری کرے۔

(۱) جس طرح نبی کے لیے اس کا معصوم ہونا شرط ہے، اسی طرح ولی کا گناہوں سے محفوظ رہنا بھی شرط ہے۔ یعنی ولی وہ ہے جو گناہوں پر اصرار نہ کرے حتیٰ کہ گناہ صغیرہ پر بھی اصرار کرنے سے بچا رہے اور جس شخص پر کوئی شرعی اعتراض عاید ہوتا ہو، وہ ہرگز ولی نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ وہ مغرور اور فریب خوردہ ہے۔

(۲) ولی کے لیے قول و فعل اور اعتقاد میں اس آیت کریمہ کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانبردار ہونا ضروری ہے کہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی بحببکم اللہ اس کے ساتھ ہی ولی کو چاہیے کہ وہ دنیا کی اچھا ٹیموں برائیوں کی طرف بالکل توجہ نہ دے اس لیے کہ ولی کی نگاہوں میں دنوں جہان کا وجود و عدم برابر ہے۔^۳

(۳) ولی کے لیے تیسری اہم شرط یہ ہے کہ وہ عالم ہو، جاہل نہ ہو۔^۴

یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ علم شریعت اگرچہ سالک کے واسطے بنیادی اہمیت کا حامل ہے لیکن صرف علم ظاہری کے ذریعہ ولايت کے د رجے کو پہنچنا ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سید اشرف نے علم کی حسب ذیل دو اقسام کر کے ان کی الگ الگ تعریف اور اہمیت بیان کی ہے۔

۱۔ علم د راست۔

علم د راست ہی کو علم شریعت کہتے ہیں جو اکتساب سے حاصل ہوتا ہے مگر صرف

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۳۹-۴۰

۲۔ ترجمہ۔ (اے محمد) آپ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو تم اللہ کو محبوب ہو جاؤ گے۔ سورۃ ال عمران، پارہ ۲، رکوع ۱۱۔ تفسیر ماجدی (طبع ثانی، فروری ۱۹۶۸ء، جمال پرنٹنگ پریس، دہلی۔)

۳۔ لطایف ج ۱ ص ۴۰

۴۔ ایضاً ص ۴۱

اس علم کے ذریعہ ولایت نہیں حاصل ہو سکتی۔^۱

۲۔ علم وراثت۔

یہ وہ علم ہے جو دنیاوی طریقے پر کسی استاد کی خدمت میں زانوے ادب تہہ کھے بغیر صرف اللہ کی عنایت سے حاصل ہوتا ہے۔ علم وراثت ہی کو علم لدنی بھی کہتے ہیں۔ خواہ کسی شخص نے ظاہری طور پر ایک لفظ بھی کسی سے نہ پڑھا لکھا ہو، لیکن اگر اسے علم وراثت حاصل ہو گیا ہے تو وہ درجہ ولایت پر فائز ہو جائے گا۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَعَلَّمْنَا هٗ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا^۲ یعنی سکھایا ہم نے اس خضر کو نزد یک اپنے سے علم کہ جو علم خاص ہے ہمارے ساتھ اور دوسرا اس کو کوئی نہیں جانتا۔^۳

نبوت و رسالت کے بعد اسلام میں ولایت کو سب سے عظیم مرتبہ حاصل ہے۔ کیونکہ بندگان خدا کی رشد و ہدایت کے واسطے پیغمبری کا جو سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا تھا، وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث فرمائے جانے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ مگر چونکہ خدا کا بھی اپنے بندوں کی ہدایت کا سلسلہ ختم نہیں کرنا، اس لیے ختم نبوت و رسالت کے بعد اب یہ ذمہ داری اولیائے کرام کے سپرد کی گئی ہے۔ خدا کے یہ برگزیدہ بندے نبی و رسول نہیں، مگر چونکہ ان کے ذمے انبیاء و رسول انبیا و رسل کی طرح راہ راست سے بہکے ہوئے انسانوں کی رہنمائی و رہبری کا کام کیا گیا ہے، اس لیے ان کے درجات بہت بلند ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ علمائے کرام انبیا علیہم السلام کے وارث ہیں۔^۴ یعنی انبیا کی شریعت پر

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۴۱ (سورۃ الکہف، پارہ ۱۵، رکوع ۲۰)
 ۲۔ ایضاً
 ۳۔ ترجمہ۔ ماخوذ از تفسیر عمدۃ البیان۔
 ۴۔ لطایف ج ۱ ص ۴۱ منقول از صحیح بخاری و مسلم

قائم رہ کر اس کی تبلیغ کا کام علما کرتے ہیں۔ حضرت سید اشرف نے حدیث مذکورہ بالا کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہاں علما سے مراد علوم ظاہری کے ماہرین نہیں، بلکہ علوم وراثت کے علما یعنی اولیائے کرام مراد ہیں اور یہ لوگ ہر زمانے میں رہے ہیں اور ہر زمانے میں رہیں گے۔ حضرت امام ابو القاسم قشیری کے حوالہ سے حضرت سید اشرف نے علماے ظاہر پر اولیائے کرام کی برتری اور فوقیت جن الفاظ میں بیان کی ہے، ان کا ترجمہ یہ ہے۔

”زمانہ اسلام میں ایسا کوئی وقت نہیں گزرا جو توحید و معرفت میں بلند مرتبہ رکھنے والے مشایخ اور صوفیہ سے خالی رہا ہو۔ ہر زمانے میں امت کے عوام اور ائمہ وقت یعنی علما نے کسی نہ کسی ایسے شخص کی اطاعت ضرور قبول کی ہے اور ان کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کر کے ان سے برکت حاصل کی ہے۔“

اولیائے کرام کی عظمت سے متعلق حضرت سید اشرف کا حسب ذیل ارشاد بڑی اہمیت کا

حامل ہے۔

”یہ لوگ بلاشبہ انبیا و رسل کے خلیفہ و وارث اور موحد ہیں۔ یہ سچی فراست والے، باادب اور قیامت تک رسول کی سنت کا استقبال کرنے والے ہیں۔ ان پر الہام ہوتا ہے اور ان کے نور ولایت سے یہ دنیا ہمیشہ کے لیے روشن ہے۔ ہر زمانے میں ایک برگزیدہ کی روشن آیات و کرامات سے تائید کر کے اس کام کے لیے ان کو مقرر کیا گیا ہے کہ امت کی رہنمائی کریں اور ان کو بندگی، نفس کی پستی سے نکال کر خالق کی عبادت و حریت کی بلندی پر چڑھائیں۔ ان لوگوں کا نام

محققین کے نزدیک صوفیہ ہے اور یہی وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کر کے مرتبہ وصول حق کو پہنچ گئے ہیں اور اس کے بعد مخلوق کو طریق عبادت کی دعوت اور ہدایت کے لیے ان کو حکم دے دیا گیا ہے۔ ”

گویا جب بندہ خود کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں فنا کر کے توحید حالی کے مرتبے کو پہنچتا ہے تو اگرچہ وہ خدا نہیں ہو سکتا، لیکن وجوب و قدم کے سوا دوسری خدائی صفات سے متصف ہو کر انبیا و رسل کے طریق پر بندگان خدا کی رہنمائی اور رہبری کا فریضہ انجام دیتا ہے اور اس قسم کے برگزیدہ بندگان خدا کے درجات اتنے بلند ہیں کہ علمائے ظاہر ان کی گرد کو بھی نہیں پاسکتے۔

کرامات اولیا کا شرعی جواز

چونکہ اولیائے کرام کو دین حق کی تبلیغ اور انسانوں کی ہدایت کا فریضہ تفویض کیا گیا ہے، اس لیے عوام کے دلوں میں دینی معتقدات کو راسخ کرنے کے لیے ان کو خلاف عادات امور کے اظہار کی صلاحیت بھی ودیعت ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کی کتابوں اور مشایخ کے ملفوظات میں بزرگان دین کی کرامتوں کا بیان کثرت سے ملتا ہے۔ مگر دینی مسایل سے لاعلمی اور تعقل زدگی نے وہ کرشمہ دکھایا ہے کہ نہ صرف کرامات کو مبالغہ اور سراسر جھوٹ سمجھا جائے لگا ہے بلکہ صاحب کرامت اولیائے کرام کے نام کا

مذاق بھی اڑایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس قبیل کے لوگوں کے شبہات کا ازالہ حضرت سید اشرف کے اس بیان سے ہو جاتا ہے کہ کرامت اس خلاف عادت امر یا خلاف ارادہ کام کو کہتے ہیں جو اولیاء اللہ سے بالارادہ یا بلا ارادہ ظاہر ہوتا ہے اور اولیاء اللہ سے کرامت کا ظہور عقلاً و نقلاً دونوں اعتبار سے جائز ہے۔ اہلسنت و جماعت کے علما و مشائخ کے نزدیک جو کچھ انبیا و مرسلین کے لیے معجزات سے جائز ہے، وہی اولیائے کرام کے لیے کرامات سے بھی جائز ہے^۱۔

لطایف مین معجزہ، کرامت اور استدراج کی الکالک حسب ذیل تعریفیں نقل

کی گئی ہیں۔

(۱) معجزہ۔

نبوت کے جواز میں کسی نبی سے جو خلاف عادت امر واقع ہو، اسے معجزہ کہتے ہیں۔^۲

(۲) کرامت۔

اگر کسی ولی کامل یا پابند شرع مسلمان سے کوئی خلاف عادت امر ظاہر ہو تو

وہ کرامت ہے۔^۳

(۳) استدراج۔

احکام شرعیہ کی پابندی نہ کرنے والے کسی مسلمان یا جوگیوں اور راہبوں سے پہلے

ریانات و مجاہدات کی وجہ سے خلاف عادت امر ظاہر ہونے لگے تو نہ وہ معجزہ ہے اور

نہ کرامت بلکہ استدراج ہے۔^۴

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۱۲۴-۱۲۵

۲۔ ایضاً ص ۱۲۶

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

اس حقیقت کو ثابت کر دینے کے بعد کہ اولیاء اللہ سے سرزد ہونے والے خلاف عادات امور حرام یا ناجائز نہیں ہ بلکہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہی کی طرح جائز اور شریعت اسلامی کے عین مطابق ہیں ہ حضرت سید اشرف نے یہ بتایا ہے کہ نبی کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ معجزے کا دعویٰ کرے جبکہ ولی کے لیے کرامت کا چھپانا لازم ہے ہ اس لیے کہ ظہور کرامات سے سالک کے درجات کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر مریدوں اور طالبان حق کے اعتقاد کو مضبوط کرنے کی ضرورت پڑ جائے تو ناگزیر حالات میں کرامت کو ظاہر کرنا شیخ کے لیے نامناسب نہیں ہے^۱۔ کیونکہ اولیاء کی کرامات دراصل انبیاء کرام کے معجزات کا تتمہ ہیں اور اولیاء اسلام میں سب سے زیادہ خلاف عادات امور کا ظہور حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے ہوا ہے۔^۲

اگرچہ اولیاء اللہ سے انبیاء و مرسلین ہی کی مانند خوارق عادات امور کا ظہور ہوتا ہے مگر اس کے باوجود وہ معصوم نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ انبیاء عصمت و عفت کی فطرت پر پیدا ہوتے ہیں جبکہ اولیاء سے گناہوں کا سرزد ہونا ممکن ہے۔ اب یہ ایک الگ بات ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ خود اپنے اولیاء کو گناہوں کو محفوظ و مامون رکھے لیکن بہر حال اس سے ان کی عصمت لازم نہیں آتی۔ چنانچہ حضرت شاہ سید محمد ذوقی نے اپنی تصنیف ”سرد لبران“ میں ”تصرفات“ کے ذیلی عنوان سے جو کچھ تحریر کیا ہے ہ اس سے حضرت سید اشرف کے متذکرہ بالا نظریات کی تائید ہوتی ہے۔^۳

”اولیاء اللہ صفات الہیہ کی قوت سے خلق میں تصرفات کرتے ہیں۔ مگر سب سے قوی اور سب سے وقیع تصرفات ان کے وہ ہوتے ہیں جو

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۱۲۵-۱۲۶

۲۔ ایضاً ص ۱۲۲

۳۔ ملاحظہ ہو۔ ص ۲۲۰

قلوب طالبین میں ان سے سرزد ہوں۔ ان تصرفات کے ذریعہ سے گمراہوں کو وہ راہ راست پر لاتے ہیں، بد شوقوں کو صحیح ذوق و شوق کا فیضان کرتے ہیں، ناقصوں کو کامل بناتے ہیں اور جن لوگوں پر جہل کی مردنی چھائی ہو انہیں علم کی حیات میں لاکر زندہ کر دیتی ہے۔ جاوید بخشے ہیں۔ اس اعتبار سے شیخ کو محی بھی کہتے ہیں۔ ولی حقیقتاً "مظہر تصرفات نبی ہوتا ہے۔ اس کی صحت حال کی علامت بھی صحت متابعت نبی ہی ہوتی ہے۔ لیکن ظہور کرامات و خوارق عادات شرط ولایت نہیں۔ بلکہ علمائے ظاہر و باطن کا اتفاق ہے کہ ان امور کی قدرت کا ہونا بھی شرط ولایت نہیں۔ عصمت بھی شرط ولایت نہیں۔ مگر ہاں اولیاء اللہ محفوظ ہوتے ہیں اور انبیا معصوم۔"

ارادات اور اس کے مسائل۔

توحید کی معرفت کے لیے سلوک کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہ راہ اتنی پرخطر ہے کہ اس کے دشوار گزار مراحل میں الجھ کر اب تک نہ جانے کتنے مسافر نہ صرف منزل مقصود تک پہنچنے میں ناکام رہے، بلکہ وہ نشانات منزل کو بھی کھو بیٹھے۔ راہ سلوک کی انہیں مشکلات کے سبب اولیا و متابعین نے سالکوں کے واسطے بلند حوصلگی اور شیخ کامل کی رہنمائی کو بنیادی شرط قرار دیا ہے۔ جس شخص کو کسی مرد کامل کی دستگیری میسر نہیں، وہ نہ سلوک کی منزلین طے کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کو مشاہدات و کیفیات کے لائق اسرار و رموز سے واقفیت ہو سکتی ہے۔ صوفیہ کے یہاں یہ مقولہ مشہور ہے کہ جس کا کوئی شیخ نہیں، اس کا شیخ ابلیس ہوتا ہے۔ مگر کسی شیخ کی دستگیری

اور رہنمائی کے حوالے کے واسطے ضروری ہے کہ اس سے ارادت بھی پیدا کی جائے۔ اس لیے کہ اگر کوئی سالک ارادت کے بغیر کسی شیخ سے رجوع کرے تو اس کو فیض تو ضرور پہنچے گا لیکن اتنا نہیں جتنا کہ ارادت کے بعد پہنچتا ہے۔ اس لیے کہ جملہ عبادات و تقویٰ، ریاضات و مجاہدات اور نوافل کی حیثیت ایک ایسے بے حس و حرکت جسم کی ہے، جس میں کسی شیخ سے ارادت اور اس کی رہنمائی کے بغیر کبھی جان نہیں پڑ سکتی۔ چنانچہ حضرت سید اشرف نے تمام اعمال و افعال اور اقوال پر ارادت کو ترجیح دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ ارادت سینوں میں مختلف کیفیات کو بلانے والی ہے اور اس کو افعال پر تقدم حاصل ہے۔

کسی شیخ سے ارادت پیدا کرنے کے لیے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا ضروری ہے۔ کوئی چیز کسی کو دے کر اس کے بدلے میں دوسری چیز لینے کو "بیع" کہا جاتا ہے، اور لفظ "بیعت" اسی لفظ "بیع" سے مشتق ہے۔ جب بندہ اپنے غلط خیالات و اعمال سے تائب ہو کر اپنے اعضاء و جوارح کو بتوشی اور بہ رضا و رغبت اللہ تعالیٰ کے حوالے کر کے اس کی اطاعت پر کمر بستہ ہو جاتا ہے تو اس کے بدلے میں اللہ کی خوشنودی و رضا مندی حاصل کرتا ہے۔ مگر چونکہ خدا اور بندے کے درمیان یہ رشتہ بہت نازک اور یہ معاملہ نہایت اہم ہے، اس لیے اسے انتہا درجے کی سنجیدگی اور اعلیٰ درجے کے اہتمام کے ساتھ عمل میں لانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ساتھ یہ بیع یعنی لین دین ہمیشہ اس برگزیدہ شخص کی وساطت سے عمل میں آتی ہے جو اس سنجیدہ اور مہتمم بالشان معاملے میں وسیلہ بننے کا مجاز ہو۔ تصوف کی اصطلاح میں "ارادت" دراصل وسیلہ ڈھونڈنے کو کہتے ہیں جس کا ثبوت قرآن کی حسب ذیل آیت سے ملتا ہے۔

”اے وہ لوگو کہ ایمان لائے ہو، تم خدا سے اور طلب کرو تم
طرف اس کے وسیلہ اور مجاہدہ کرو اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ۔“
آیت مذکورہ بالا میں ”وسیلہ“ کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے حضرت شاہ سید محمد
ذوقی اپنی تصنیف ”سرّ دلبران“ میں لکھتے ہیں۔

”اس آیت میں ”وابتغوا الیہ الوسیلہ“ سے اسی نوع کا توسل مراد
ہے۔ جو لوگ اس وسیلہ سے ایمان مراد لیتے ہیں، غلطی پر ہیں۔
کیونکہ ”یا ایہا الذین آمنوا“ کے ساتھ خطاب انہیں لوگوں سے کیا گیا
ہے جو ایمان لا چکے ہیں اور مومن ہیں۔ جو تقویٰ مراد لیتے ہیں وہ
بھی غلطی پر ہیں کیونکہ تقویٰ کی ہدایت ”اتقوا اللہ“ کے الفاظ
سے فرمادی گئی ہے۔ جو اطاعت اور عبادت اور عمل نہک اس کے
معنی کرتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں کیونکہ یہ تمام باتیں ”جہاد و
فی سبیلہ“ میں آگئیں۔ وابتغوا الیہ الوسیلہ“ کے ماقبل اور
مابعد ”واو عطف“ ہے جس کا ہونا معطوف اور معطوف الیہ کے درمیان
مغایرت پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی جس وسیلہ کی جانب اللہ تعالیٰ
نے اس آیت میں اشارہ فرمایا ہے وہ تقویٰ اور مجاہدہ کے علاوہ ایک اور
چیز ہے۔

متقدّمین اور اکابر امت کے نزدیک یہاں وسیلہ سے توسل
مرشد مراد ہے۔ شاہ عبد الرحیم صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب اور
شاہ عبد العزیز صاحب متاخرین میں ان بزرگوں میں ہیں جن کی ہر معقول

پسند گروہ وقعت کرتا ہے۔ ان جملہ حضرات نے وسیلہ کے بھی معنی لیے ہیں۔ بعض لوگوں کو نہایت عجیب بات تو یہ معلوم ہوگی کہ مرشد کا وسیلہ تلاش کرنے والوں کا جو گروہ بہت شد و مد کے ساتھ مخالف ہے، وہ گروہ جن مولانا اسماعیل شہید کو اپنا مذہبی پیشوا اور امام یا اپنا ہم مذہب سمجھتا ہے، وہی مولانا اسماعیل صاحب اپنی کتاب "منصب امامت" مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی کے صفحہ ۵۵ پر تحریر فرماتے ہیں کہ "و مراد از وسیلہ شخصی است کہ اقرب الی اللہ باشد در منزلت و اقرب الی اللہ باعتبار منزلت اول رسول است بعد از ان امام کہ نایب اوست"۔^۱

حضرت سید اشرف جہانگیر نے بیعت کے جواز میں فرمایا ہے کہ حدیث کی مستند کتابوں میں نقل ہے کہ ایک مرتبہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس مطاہہ کرام کو بلایا اور ان میں سے ہر ایک کے دائیں ہاتھ کے اوپر اپنا دایاں ہاتھ رکھ کر ان سے بیعت لی۔^۲ چنانچہ آیات قرآنی کی شان نزول کا مطالعہ کرنے سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بیعت و ارادت کے اسی تاریخی موقع پر وحی بہ شکل آیت قرآنی نازل ہوئی تھی جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جو لوگ بیعت کرتے ہیں آپ سے وہ سوائے اس کے نہیں کہ بیعت کرتے ہیں اللہ سے۔ اللہ کا ہاتھ اوپر ہوتا ہے ان کے ہاتھوں سے"۔^۳

۱۔ سر د لبران ص ۹۳ - ۹۴

۲۔ لطایف ج ۱ ص ۳۲۲

۳۔ ایضاً "سورہ الفتح، رکوع ۸، ترجمہ منقول از تفسیر عمدہ البیان

قرآن حکیم کی متذکرہ * بالا آیت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جب کسی صحیح شخص کے ہاتھ پر پورے آداب و شرائط کے ساتھ بیعت کی جاتی ہے تو وہ سلسلہ بہ سلسلہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتی ہے اور خدا پر جا کر منہی ہوتی ہے۔ حضرت سید اشرف کے نزدیک کسی شیخ سے ارادت پیدا کرنے کے لیے اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا واجب ہے۔ چونکہ ارادت بغیر بیعت ایک ایسا وعدہ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں^۱۔

دور حاضر کی طرح حضرت سید اشرف کے عہد میں بھی امت مسلمہ کے بعض فرقوں کو ارادت اور اس کے مسائل سے اختلاف تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس موضوع پر بہت ہی عمیق اور عالمانہ بحث کرتے ہوئے ارادت کی دو قسمیں بتائی ہیں، جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) ارادت صوری جو سنت نبوی^۲ ہے۔

(۲) ارادت معنوی جو راہ سلوک کے لئے واجب و فرض ہے۔^۳

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیسے شخص کے ہاتھ کو خدا سے بیعت کرنے کا وسیلہ بنانا چاہیے؟ — اس سلسلے میں حضرت سید اشرف نے مشایخ سلف کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ صوفیہ کا یہ قاعدہ مقرر ہے کہ صرف اس شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنا درست ہے جو نہ صرف ایک خدا رسیدہ بزرگ ہو، بلکہ اس کا سلسلہ بھی ان صحابہ کرام میں سے کسی ایک تک ضرور پہنچتا ہو جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی تھی۔ کسی ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہرگز درست نہیں جس کے سلسلے میں عقیدت و ارادت کے اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے درمیان کہیں سے خلل واقع ہو۔

۱۔ لطائف ج ۱ ص ۳۲۲

۲۔ ایضاً ص ۳۲۲ - ۳۲۳

۳۔ ایضاً

اگر کسی شخص کے سلسلے میں کہیں سے خلل واقع نہیں ہے تو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنا جائز و درست ہوگا خواہ وہ سلوک کے درجہ کمال کو نہ پہنچا ہوا ہو۔ اس لئے کہ اگر سلسلہ درست ہوگا تو شیخ کے با کمال نہ ہونے کے باوجود اس کے سلسلے کے مباح کی روحانیت خود اس کی اور اس کے مریدوں کی رہنمائی و دستگیری ضرور کرے گی۔

لطایف کی جلد اول (ص ۳۳۳) میں حاجی نظام یمنی لکھتے ہیں کہ حضرت سید اشرف نے فرمایا کہ جن لوگوں کو عورتوں کی بیعت و ارادت پر اعتراض ہوتا ہے، ان کی ہدایت کے لئے قرآن کی حسب ذیل آیت کریمہ کافی ہے۔

”پس بیعت کیجیے آپؐ ان سے اور بخشش چاہئے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان عورتوں کے واسطے خدا سے۔ تحقیق خدا بخشنے والا ہے اور مہربان ہے۔“

اسی موقع پر مولف نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت سید اشرف نے فرمایا کہ عورتوں کی بیعت کے طریقے سے متعلق جو تفصیلات احادیث میں آئی ہیں، وہ اس طرح ہیں۔

”جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کی بیعت فرماتے تو اس وقت ایک پہاڑی میں پانی منگالیا کرتے اور جب عورتیں اس میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتیں تو پھر اس میں آپؐ بھی اپنا ہاتھ ڈبو دیا کرتے تھے اور یہ عمل اس طرح ہوتا تھا کہ آپؐ الٹ پردے میں ہوتے اور عورتیں الٹ پردے میں بیٹھی رہا کرتی تھیں۔“

عورتوں کی بیعت و ارادت کی درستگی اور اس کا شرعی جواز ہونے کے باوجود کوئی عورت کشف و کرامات میں خواہ کتنے ہی بلند مرتبے پر فائز ہو مگر اس کے ذریعہ مریدوں کی تعلیم و تربیت نہیں کرائی جاسکتی۔ چنانچہ اگر تاریخی پس منظر میں

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۳۳۳

۲۔ پارہ ۲۶، سورہ الفتح، رکوع ۸، ترجمہ منقول از تفسیر عمدہ البیان جلد ثانی

دیکھا جا رہے تو بعض عورتوں کو سلوک میں اتنا بلند مقام حاصل ہوا ہے کہ بعض مرد و ن پر ان کو فضیلت حاصل رہی ہے اور بہت سے اصحاب طریقت نے ان سے رجوع بھی کیا ہے ، لیکن کبھی کسی عورت کو شیخوخت کے منصب پر فائز نہیں کیا گیا ۔^۱

جہاں تک بچوں کی ارادت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں حضرت سید اشرف نے فرمایا کہ اگر کوئی باپ اپنے بچے کو کسی شیخ سے بیعت کرادے تو یہ جائز اور درست ہوگا کیونکہ ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔^۲ اسی طرح باپ اور بیٹے بھی ایک دوسرے سے روحانی ارادت پیدا کر سکتے ہیں ۔ چونکہ باپ کے ہاتھوں میں بیٹے کی جسمانی تربیت لازم ہے اس لیے اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کی روحانی تربیت بھی کرے گا تو اس سے جسمانی و روحانی ، دونوں قسم کی تربیتیں ایک ہی شخص کی نگرانی میں یکجا ہو جائیں گی ، جس کا نتیجہ مستحسن ہوگا ۔^۳ عام طور سے یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ بیٹے پر باپ کو ہر لحاظ سے فوقیت حاصل ہے ، اس لیے اگر کوئی باپ اپنے بیٹے سے ارادت پیدا کرے تو یہ جائز نہ ہوگا ۔ لیکن حضرت سید اشرف کے نزدیک بیٹے سے باپ کی ارادت بھی اسی طرح جائز و مستحسن ہے جس طرح کے باپ سے بیٹے کی ارادت ۔^۴

مشایخ کرام کا یہ دستور ہے کہ جب وہ کسی کو اپنا مرید کرتے ہیں تو بیعت لینے کے بعد اس کے سر سے تین بال جدا کرتے ہیں ۔ یہ تینوں بال دراصل ان حجابات کی علامت سمجھے جاتے ہیں جو سالک اور خدا کے درمیان حایل ہیں ۔ اس سے ان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ سالک کے دل و نگاہ سے یہ تینوں چیزیں دور کر دی جائیں جو بارگاہ احدیت تک اس کے پہنچنے کی راہ میں زبردست رکاوٹ بنی رہتی ہیں ، یعنی ۔

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۳۳۱

۲۔ ایضاً ص ۳۲۸

۳۔ ایضاً ص ۳۳۱

۴۔ ایضاً

(۱) خلق -

یہ پہلا حجاب ہے جو خدا کی اطاعت و عبادت سے روکتا ہے۔

(۲) دنیا -

یہ دوسرا حجاب ہے جو انسان کو عقبی کی طلب سے روکتا ہے۔

(۳) عقبی -

عقبی کی طلب وہ حجاب ہے جو سالک کے خدا تک پہنچنے کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ کیونکہ عقبی کو پا کر انسان مطمئن تو ہو جاتا ہے لیکن خدا کا قرب حاصل نہیں کر پاتا۔

مرید کے سر سے جب یہ تینوں بال الٹ کر دیے جاتے ہیں تو گویا طالب مادی اور محبوب حقیقی کے درمیان سے تینوں حجابات ختم ہو جاتے ہیں اور سلوک کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ بعض مشایخ تین کے بجائے چار بال الٹ کرتے ہیں اور وہ چوتھے بال کو نفس کی علامت سمجھتے ہیں جو سالک کا سب سے خطرناک دشمن ہے۔ اس کے علاوہ مرید کے سر پر چار گوشے والی ٹوپی رکھنے کا بھی عام رواج ہے۔ اس ٹوپی کے بیچ میں اوپر کو ایک گھنڈی لگی رہتی ہے جو نقطہ وحدت کی علامت سمجھی جاتی ہے یعنی متذکرہ بال چاروں حجابات کے خاتمے کے بعد بارگاہ احدیت تک رسائی حاصل کرنے کے راستے کی تمام رکاوٹیں دور ہو گئیں۔ چنانچہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا اپنے مریدوں کو چار گوشے والی ٹوپی پہنایا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ چشتی سلسلے کے دیگر مشایخ کبار کی خانقاہوں میں بھی یہی دستور تھا۔ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں جب امیر خسرو نے خواجہ صاحب کے دست باصفا پر بیعت کی تو انھوں نے اپنے اس مرید کے سر پر بھی چار گوشے والی ٹوپی رکھی جو

ان کے سلسلے کی نشانی تھی۔^۱

چونکہ راہ سلوک میں کسی شخص کا یکبارگی داخل ہونا خطرے سے خالی نہیں ہے اس لیے حضرت سید اشرف مبتد ہون کے لیے قصر کو حلق سے بہتر سمجھتے ہیں۔^۲ چنانچہ بیشتر مشایخ کبار نے قصر ہی کے مطابق راہ طریقت کے طالبوں کی بتدریج تربیت کی اور جب ان کے قدم کامیابی کی منزل کی جانب بڑھ گئے تو ان کے واسطے حلق کو جائز قرار دے دیا۔^۳

مرید و ن کی تعلیم و تربیت

مشایخ کرام اپنے مرید و ن کی تعلیم و تربیت کا آغاز دل کی صفائی سے کرتے ہیں۔
 کہو کیونکہ دل ہی وہ مقام ہے جہاں تجلیات الہی کا نزول ہوتا ہے۔ جیسے جیسے دل کی تاریکیاں چھٹتی جاتی ہیں ویسے ویسے اس میں نور بھرتا جاتا ہے اور بالآخر ایک منزل ایسی آتی ہے کہ سالک کا دل انوار خداوندی سے پر ہو کر آفتاب کی طرح چمکنے لگتا ہے۔
 اس وقت جب دل کے انوار کا عکس روح پر پڑتا ہے تو نظر سے سارے حجابات دور ہو جاتے ہیں۔ سلوک کی یہ تمام ابتدائی منزلیں مرید کو ذکر و فکر کے ذریعہ طے کرنی ہوتی ہیں اور ذکر و فکر کی شرطیں اولیں توبہ ہے۔ تصوف میں توبہ سے مراد تو یہ ہے کہ سالک کو جملہ افعال نا پسندیدہ مثلاً "نفاق و حسد و کجب و کذب و غیبت و حسرت و حرص و طمع و بخل و غضب اور طہ تلبیس و بہتان وغیرہ سے قطعی اعراض کرنا چاہیے۔"

۱۔ شعرا العجم ج ۲ ص ۱۲۸

۲۔ قصر بمعنی بتدریج کم کرنا اور حلق بمعنی یکبارگی مونڈ دینا ہے۔ اصطلاح تصوف میں سالک کی بتدریج تربیت کرنے کو قصر کہا جاتا ہے اور حلق سے مراد سالک کو یکبارگی انتہائی راستے پر ڈال دینا ہے۔

۳۔ لطایف ج ۱ ص ۳۴۰

۴۔ لطایف ج ۲ ص ۱۵۰

توبہ کے علاوہ تمام احکام شرعی جیسے نماز ، روزہ ، زکوٰۃ ، حج اور جہاد کی پابندی کرنے کو بھی مشایخ نے لازم قرار دیا ہے۔ لیکن ان احکام کی پابندی کرنے کے معاملے میں راہ سلوک کے طالبوں اور عام مسلمانوں کے درمیان جو فرق ہے ، اس کی وضاحت لطائف میں اس طرح کی گئی ہے۔

۱۔ نماز۔

جب سالک نماز کے لیے وضو کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ (۱) اس کی جسمانی طہارت ہو۔ (۲) اس کی دماغی طہارت ہو یعنی اوہام و وساوس سے اس کا ذہن پاک ہو۔ (۳) اس کے حواس باطنی پاک ہوں اور (۴) اس کی روح پاک ہو۔

جو نماز خشوع و خضوع کے بغیر پڑھی جائے گی اس کی مثال بے جان کے قالب کی ہوگی۔ چنانچہ جن چیزوں سے نماز میں لذت ملتی ہے ، وہ یہ ہیں۔

(۱) حضور قلب ، (۲) فہم معانی ، (۳) تعظیم ماہیت ، (۴) خوف و رجا اور (۵) حیا۔

جب نماز میں یہ پانچ چیزیں موجود ہوتی ہیں تو سالک کو ایک عجیب لذت کا احساس ہوتا ہے اور اس سے وہ ایسے انوار کا مشاہدہ کرتا ہے جو اس کے تمام جسم میں سرایت کر کے اس پر سکر کی کیفیت طاری کردیتے ہیں۔

۲۔ روزہ۔

جب سالک روزہ رکھتا ہے تو گویا وہ اپنے حواس ظاہری و باطنی کو مغلوب کر کے ہوا و نفس کو خود سے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس طرح اپنے باطن کو منور کر کے کشف حاصل کرتا ہے۔

۴۔ زکوٰۃ۔

شریعت کی زکوٰۃ کے علاوہ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ سالک کا دل ذمہ کے خیال سے پاک ہو اور اولیا و مشایخ عام مسلمانوں کو علم سلوک سمجھائیں اور اپنے مریدوں کو دل کی صفائی، روح کی تجلی، عشق و محبت، قربت و معرفت اور حقایق و معارف کی تعلیم دیا کریں۔^۱

۵۔ حج۔

سالک کا حج یہ ہے کہ جب وہ احرام باندھتا ہے تو گویا دنیا کے علائق سے تجرید حاصل کرتا ہے، جب عرفات میں آتا ہے تو اسرار و معارف سے واقف ہوتا ہے، جب مزدلفہ پہنچتا ہے تو اس کی مراد میں پوری ہونی شروع ہوتی ہیں، جب طواف کرتا ہے تو اس کا دل خدا کی طرف گردش کرنے لگتا ہے، جب صفا و مروہ میں سعی کے لیے جاتا ہے تو گویا بشری کدورتوں سے نکل کر ملکوتی صفات کی طرف منتقل ہوتا ہے، جب منیٰ آتا ہے تو اس کے خیالات تمام خلروں اور وسوسوں سے پاک ہوتے ہیں اور جب قربانی کرتا ہے تو اپنے نفس کے دیو کو ہمیشہ کے لیے ذبح کر دیتا ہے۔^۲

۵۔ جہاد۔

حضرت سید اشرف نے اصول اسلامی ہی کے مطابق جہاد کے سلسلے میں یہ فرمایا ہے کہ جب کفار مسلمانوں کے مقابلے میں خروج کریں تو خدا کی راہ میں جہاد کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص جہاد کرنے سے معذور ہو تو اسے حج کرنا چاہیے اور اگر حج بھی نہ کر سکتا ہو تو اس کو چاہیے کہ نماز جمعہ میں شریک ہو، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مسکینوں کا حج نماز جمعہ ہے۔^۳

۱۔ لطایف ج ۲ ص ۱۵۹

۲۔ ایضاً ص ۱۶۲

۳۔ ایضاً ص ۱۶۵

حضرت سید اشرف کے نظریے کے مطابق سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ متذکرہ بالا ارکان اسلامی یعنی نماز، روزہ، زکوہ، حج اور جہاد کے فرائض سے عہدہ برآ ہوئے کے ساتھ توکل، تسلیم و رضا اور جود و ایثار کو بھی اپنا شعار بنائیے جن کی تفصیلات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ توکل۔

توکل یہ ہے کہ دنیا کی کسی بھی شے کے لیے سالک کسی آدمی سے سوال نہ کرے، بلکہ وہ یہ سمجھے کہ خدا ہی روزی دینے والا اور پھر اسے واپس لے لینے والا ہے۔ مگر چونکہ خدا نے رزق کا وعدہ کیا ہے اور وہ ہر حالت میں اپنے بندوں تک روزی پہنچاتا ہے۔ اس لیے سالک کو یہ یقین رکھنا چاہیے کہ روزی بہر صورت اس کے پاس پہنچے گی۔ کیونکہ توکل کا تقاضا یہ ہے کہ سالک کا دل روزی کے وجود و عدم کے خیال سے پاک رہے۔ اگر کبھی غیب سے فتوح اور نذرانے آجائیں تو ان کو قبول کر لینا چاہیے مگر اس کے بعد سالک پر ایک بڑی ذمہ داری یہ عاید ہوتی ہے کہ وہ فتوح کو اپنے پاس رکھنے کے بجائے اسے دوسروں پر خرچ کر دے۔

۲۔ تسلیم و رضا۔

راہ سلوک میں شیوہ تسلیم و رضا یہ ہے کہ جب خدا کی طرف سے سالک کو کوئی نعمت ملے تو وہ خوش ہو اور حق شکر خدا وندی بجا لائے۔ لیکن جب اس پر کوئی بلا نازل ہو تو اس سے اس کو غمگین اور کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہیے۔ چونکہ ہندوستان میں حضرت سید اشرف کے زمانے میں شیوہ تسلیم و رضا کے نام پر د رویشوں نے لکتساب معاش کرنا چھوڑ دیا تھا، اس لیے انہوں نے ایسے لوگوں کے نظریہ و عمل کی تردید کرتے ہوئے سالک کے واسطے کسب معاش کو لازم قرار دیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں مولف لطائف

نے ان کا جو ارشاد نڈل کیا ہے، اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے —

”اکثر مٹایخ نے ہمیشہ کوئی نہ کوئی ہمیشہ کیا ہے اور اس کی طرف دل و جان سے بڑھے ہیں — اگلے زمانے کے علما و مٹایخ بھی کسی نہ کسی ہمیشے میں مشغول رہا کرتے اور اس کو موجب عزت سمجھتے تھے — ہندوستان میں لوگ اس وجہ سے محتاجی و فقیری میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ وہ کسب معاش کے واسطے ہمیشہ اختیار کرنے کو بدترین خصلت اور موجب رسوائی سمجھتے ہیں — یہ نہیں جانتے کہ ہمیشے کی توہین کرنا ایک قسم کا کفر ہے کیونکہ بیشتر انبیاء کرام بھی کسی نہ کسی ہمیشے کی طرف منسوب رہے ہیں — لوگوں یعنی مٹایخ سلف نے یہ کہا ہے کہ جو لوگ توکل کے درجہ^۱ منتہا کو نہیں پہنچے ہیں، ان کے لیے کسی ہمیشے میں مشغول رہنا جائز ہی نہیں بلکہ لازم بھی ہے —“

۳۔ جود و ایثار —

کسب معاش کے ساتھ ہی سالک کے اندر سخاوت اور جود و ایثار کا ہونا بھی ضروری ہے یعنی جو مال اس کے پاس ہو، اس کا کچھ حصہ وہ اپنے پاس رکھ لیتا ہو اور کچھ حصہ دوسروں کو دے دیتا ہو — لیکن اگر کوئی شخص اپنے پاس کچھ بھی نہ رکھے تو وہ جوآد ہے اور اگر اپنی متاع کل دوسروں کو دے کر خود تکلیف اٹھائے تو وہ صاحب ایثار ہے^۲۔

چونکہ راہ سلوک کے تمام ابتدائی مراحل سے گزرنے کے بعد سالک کو بہکے ہوئے

بندگان خدا کی ہدایت کے فراہم بھی ودیعت کہے جاتے ہیں، اس لیے حضرت سید اشرف

کے نظریے کے مطابق اس کو معاشرتی لحاظ سے بھی اعلیٰ قسم کے اوصاف سے متصف ہونا چاہیے۔

۱۔ لطائف ج ۲ ص ۲۴۳۔۲۴۴

۲۔ ایضاً ص ۲۴۷

مثلاً، آداب خورد و نوش کے سلسلے میں حضرت سید اشرف نے فرمایا ہے کہ زندہ رہنے کے لیے کھانا فرض ہے، خدا کی عبادت اور کسب معاش کے واسطے کھانا سنت ہے، سیر ہو کر کھانا مباح ہے مگر طبیعت کی سیری سے زیادہ کھانا حرام ہے۔^۱

حضرت سید اشرف نے کھانے میں جو چار چیزیں سالک کے واسطے فرض قرار دی ہیں، وہ اس طرح ہیں کہ

(۱) جو چیز وہ کھاتا ہو، حلال ہو، (۲) کھاتے وقت اس کے دل میں یہ خیال جاگزیں رہے کہ وہ چیز خدا کی طرف سے ہے، (۳) راضی بہ رضائے الہی ہو کر کھاتا ہو اور (۴) عبادت و طاعت کے لیے کھاتا ہو۔

اسی طرح سالک کے واسطے کھانے میں چار چیزیں سنت بھی ہیں۔ مثلاً،

(۱) وہ کھانا شروع کرنے پہلے بسم اللہ کہے، (۲) کھانا ختم کرنے کے بعد

الحمد للہ کہے، (۳) کھانا شروع کرنے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھوں کو دھوئے

اور (۴) جب کھانے کے لیے بیٹھے تو دائیں ہاتھ کو اٹھائے اور بائیں ہاتھ کو گرا کر بیٹھے۔

خورد و نوش کے فرائض و سنن کے بیان کے بعد حضرت سید اشرف نے یہ بھی فرمایا

کہ کھاتے وقت کھانا سامنے ہونا چاہیے، لقمہ چھوٹا ہونا چاہیے، خوب چبانا چاہیے،

دوسروں کے لقمے کو نہیں دیکھنا چاہیے، کوئی ٹکڑا گرجاویے تو اس کو اٹھا کر کھا لینا

چاہیے، انگلیوں کو چاہے صاف کرنا چاہیے اور کھانا سونکھ کر نہیں کھانا چاہیے۔^۲

معاشرتی لحاظ سے سالک کو خلیق اور متواضع ہونا چاہیے یعنی جب اس کے پاس کوئی

مہمان آئے تو اسے باعث برکت سمجھ کر اس کی خوب خاطر و مدارات کرنی چاہیے۔ لیکن

اس کا مطالبہ یہ ہرگز نہیں کہ مہمان کی تواضع میں اپنی ذات پر تکلیف اٹھائی جائے،

۱۔ لطایف ج ۲ ص ۸۶

۲۔ ایضاً ص ۸۶-۱۸۸

بلکہ سلوک میں مہمان کی خاطر داری سے مراد یہ ہے کہ میزبان کے پاس کھانے پینے کی جو چیز بھی موجود ہو، اسے پورے اخلاص کے ساتھ بے تکلف اس کے سامنے رکھ دیا جائے۔

یہ تو رہی مہمان کے آنے پر اس کے ساتھ حسن سلوک کی بات، مگر اس کے علاوہ بھی سالک کو مہمان داری کرتے رہنا چاہیے۔ مثلاً، یہ کہ اس کو چاہیے کہ تمام عزیز و اقارب کو امیرو و غریب کے امتیاز کے بغیر اپنے گھر بلائے، مہمان سے کھانا کے واسطے پوچھے بغیر خود سے کھانا لائے، کھانا کھانے کا آغاز مہمان سے کرایے اور کھاتے وقت جلدی ختم کرنے کی فہمائش نہ کرے۔ اسی طرح مہمان کے سامنے اپنے بچوں پر غصہ غصے کا اظہار نہیں کرنا چاہیے اور مہمان کو وضو اور استنجا کی جگہیں بھی دکھلا دینی چاہئیں۔^۱ اس امر کی وضاحت کے بعد کہ میزبان کو اپنے مہمان کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیے، حضرت سید اشرف نے فرمایا کہ مہمان پر بھی یہ لازم ہے کہ وہ اپنے میزبان کی سہولتوں اور اس کے آرام کا خیال رکھے یعنی میزبان کے گھر پہنچ کر وہ نفل روزہ نہ رکھے اور دائیں بائیں ہر چیز کو دیکھتا نہ پھرے۔ اس لیے کہ ادھر ادھر دیکھنے سے دیکھنے سے میزبان یہ سمجھے گا کہ مہمان ان چیزوں کا طلبگار ہے جن کو وہ دیکھ رہا ہے۔^۲

سماع

سماع کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ اس کے متعلق علما اور مشائخ خجہ میں ہمیشہ سے اختلاف رہا ہے۔ اس مسئلے پر علما میں بھی آپس میں بکثرت اختلافات پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ کسی نے حرام قرار دیا ہے تو کسی نے مباح، اور کسی نے بعض صورتوں میں جائز سمجھا ہے اور بعض صورتوں میں ناجائز۔ جہاں تک صوفیائے کرام کے عقیدے کا تعلق ہے تو اولیاء اللہ کے تذکروں کا مطالعہ کرنے والوں کی نظر سے یہ

۱- لطائف ج ۲ ص ۱۹۰

۲- ایضاً ص ۱۹۵

حقیقت پوشیدہ نہی کہ تصوف کے ہر سلسلے کے بزرگوں نے سماع سنا ہے اور اسے اپنے مدارج کی ترقی کے حصول کا ذریعہ پایا ہے۔ عوام میں یہ بات غلط مشہور ہے کہ نقشبند یہ سلسلے میں سماع مذہباً "حرام" ہے۔ کیونکہ اس سلسلے کے مشایخ کا یہ مقولہ ہے کہ "نہ انکار میکنم نہ این کار میکنم"۔ حضرت شاہ سید محمد ذوقی نے اپنی کتاب "سرّ دلبران" (ص ۲۱۶) میں حضرات نقشبند یہ کے اس مقولے کی توجیہ کرتے ہوئے حسب ذیل عبارت لکھی ہے۔

"جب انہیں سماع سے انکار نہیں تو ان کے نزد یک بھی یہ حرام کیوں کر ہو سکتا ہے۔ حرام چیز کی حرمت سے انکار کرنا تو کفر صریح ہے۔ انکار کا نہ ہونا ان کے نزد یک بھی اباحت پر صاف دلیل ہے۔ مگر پھر سواں یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ حضرات اس کی اباحت سے منکر نہیں تو "نہ این کار میکنم" پر ان کا عمل کیوں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بوجہ ذوق سماع نہ ہونے کے۔ نہ کہ بوجہ کسی حجت شرعی کے۔"

گویا یہ کہ صوفیائے کرام میں مسئلہ سماع پر اتفاق ہے۔ البتہ تصوف کے تمام خانوادوں میں چشتی سلسلے کے مشایخ کو سماع سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ رغبت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نسبت شراب کے نشے سے مشابہہ ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ شور و غمات سے لذت پائیں۔ چنانچہ خانوادہ "چشت" کے تمام اکابر مشایخ مثلاً، حضرت ابواسحق چشتی، حضرت خواجہ ابو احمد ابدال چشتی، حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی، حضرت خواجہ مودود چشتی، حضرت خواجہ عثمان ہارونی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی، حضرت بابا فرید الدین شکر گنج اور سلطان المشایخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمہم اللہ کئی خانقاہوں میں سماع کی محفلیں منعقد ہوتی تھیں۔ ان مجلسوں میں لوگ جوق در جوق شریک ہوتے اور ہاکمزہ اور

لطف اشعار سن کر سامعین پر وجد کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے کہ بے استہار ہاتھ پاؤں مارنے لگتے۔ ہندوستان میں چشتی سلسلے کی خاںقاہوں میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کے چہیتے مرید اور فارسی کے ماہہ* ناز شاعر امیر خسرو دہلوی کی عارفانہ اور عاشقانہ غزلوں کو آج بھی ویسی ہی مقبولیت حاصل ہے جیسی کہ ساڑھے سات سو ساں قبل تھی۔ چشتی سلسلے کے دیگر مشایخ کی طرح حضرت سید اشرف بھی اپنے اکابرین کی پیروی میں سماع سنتے تھے۔ انہوں نے سماع کے جواز شرعی کے سلسلے میں آیات قرآنی، احادیث صحاح، فقہ اور مشایخ کے اقوال کی روشنی میں اس مسئلے پر جو عالمانہ اور عمیق بحث کی ہے اس سے تمام اعتراضات کا جواب مل جاتا ہے۔ چنانچہ سماع کی تعریف ان کے توضیح نزدیک یہ ہے کہ

”سماع وجد نمودن صوفیان است در فہمانیدن معنی کہ تصور

نمودہ میشوند از آوازهای مختلفہ۔“^۱

حضرت سید اشرف کے نزدیک سماع فی غفہم نفسہ نہ حرام ہے نہ حلال، بلکہ مباح ہے۔ اس لیے کہ سماع ایک ایسی موزون اور پاکیزہ آواز کا نام ہے جو سمجھی جاتی ہے اور جس کے معنی سے دل میں تموج پیدا ہوتا ہے۔ اس میں حرام ہونے کی کوئی علت اس لیے موجود نہیں کہ قرآن مجید میں سورہ ”المائدہ“ کے پانچویں رکوع میں قوں ربانی ہے کہ تمہارے لیے پاک چیزیں حد کی گئی ہیں^۲۔ چونکہ سماع سے قلب و روح کو پاکیزگی ملتی ہے اس لیے یہ دیگر تمام چیزوں کی بنسبت زیادہ پاک ہے۔ لیکن سامعین کے درجات ایمانی کے لحاظ سے اس کے متعلق حکم شرعی بدل جاتا ہے یعنی یہ کہ ^{سامع} اگر تارک الدنیا، طالب عقبی، باذوق اور مرد کامد ہو تو سماع اس کے واسطے حلال ہے، جب کہ عوام الناس کے لیے

۱۔ لطایف ج ۲ ص ۴۵

۲۔ ترجمہ ماخوذ از تفسیر عمدہ البیان۔

حرام کا حکم رکھتا ہے۔ ایسا اس وجہ سے ہے کہ سماع ایک امر مخفی ہے جس میں عرفانی اسرار و رموز کی ایسی بلند یا ن پوشیدہ ہیں کہ ان کی اطلاع صرف عارفوں کو ہی ہو سکتی ہے۔ ان عرفا و کاملین پر سماع سننے سے ابتدا میں صرف ایک ذوقی کیفیت پیدا ہوتی ہے مگر پھر رفتہ رفتہ وہ انتہا کو پہنچ کر باہم معرفت نوش کر لیتے ہیں۔^۱

سماع کو حرام قرار دینے والوں کے بارے میں حضرت سید اشرف نے بہت ہی سخت لہجے میں فرمایا ہے کہ جو شخص خوش آوازی سے پیدا ہونے والی غذائی کیفیت کو زنا اور لواطت کے مترادف حرام سمجھتا ہے، وہ گمراہ اور دوزخی ہے۔ کیونکہ بخاری، مسلم اور مسند امام احمد سے یہ ثابت ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے د ف کے ساتھ غنا کی آواز سماعت فرمائی تھی۔^۲ پھر حضرت سید اشرف نے فرمایا کہ صحیح بخاری میں ربیع بنت معوذ بن عفرا سے روایت ہے کہ ”جب میری شادی ہوئی تو ایک روز آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور میرے قریب ہی فرش پر بیٹھ گئے۔ اس وقت چند لڑکیاں د ف بجا کر کچھ گارعی تھیں اور ہمارے باپ دادا وہاں کے مرثیے پڑھ رہی تھیں۔ جب ان لڑکیوں نے آپ کو دیکھا تو پلنگا^۳ ایک ان میں سے ایک نے لمپ یہ مصرعہ گانا شروع کیا۔

و فیما نبی یعلم ما فی غد

(یعنی ہم میں ایک ایسا پیغمبر ہے جو کل کی بات کو جانتا ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ ”یہ مت کہو اور جو گیت تم پہلے گا رہی تھیں وہی گاتی رہو۔“^۴

حضرت سید اشرف نے متذکرہ بالا حدیث شریف سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ چونکہ پیغمبر اسلام نے لڑکیوں سے د ف کے ساتھ غنا کی آواز اور شعر سماعت فرمایا ہے، اس لئے

۱۔ لطائف ج ۲ ص ۴۶-۴۷

۲۔ ایضاً ص ۴۷

۳۔ ایضاً ص ۵۰

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مرد و نرے دف کے ساتھ غنا کی آواز اور شعر سننا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔^۱ علاوہ برین جملہ فقہائے کرام کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس سماع میں فسق اور لہو و لعب کے عناصر نہ شامل ہوں، اس کا سننا مباح ہے۔ اس لیے اس سے یہ بھی نتیجہ نکلتا ہے کہ جب تک مجلس سماع حاضرین کو گناہوں کی طرف مائل نہ کرے، اس وقت تک اسے حرام نہیں کہا جاسکتا۔^۲ چنانچہ سماع کے جواز میں حضرت سید اشرف کے ارشادات کو حاجی نظام غریب یعنی نے جن الفاظ میں قلم بند کیا ہے، ان کا ترجمہ یہ ہے۔

(۱) جب صوفیائے کرام تار و رباب اور لمحے تے کی آواز سنتے ہیں تو ان کو اپنا اصلی دِل یاد آنے لگتا ہے۔ ان کے دل کے آئینوں میں انوار الہی کا عکس چمکتا ہے جس سے ان پر بے پناہ اسرار و رموز کا انکشاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ انوار الہی کے عکس کی چمک اور اسرار و رموز کے انکشافات سے ان پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور وہ جوں میں آکر ہاتھ پاؤں مارنے لگتے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کو راہ حق میں ہار کر نقد موجودات کو ہاتھ سے چھوڑ دیا اور دنیا کی پشت پر لات مار دی اور اس کی نیرنگیوں کو خاطر میں نہ لاکر غیر حق کی تمام باتوں کو پا ماں کر دیا۔^۳

(۲) صوفیا کے واسطے سماع اس لیے جائز ہے کہ اس سے وہ عام لوگوں کی طرح عورتوں کے زلف و رخسار، خط و خال اور اعضائے جسمانی کے حسن و جمال کا خیال اپنے دل میں نہیں لاتے اور نہ ہی لذت نفسانی کا حظ اٹھاتے ہیں۔^۴

(۳) جس مجلس سماع میں لہو و لعب کے طور پر مزامیر کا استعمال ہوتا ہو، وہ ضرور حرام ہے اور اس کے حرام ہونے پر علما و صوفیہ کا اتفاق بھی ہے۔^۵

۱۔ لطایف ج ۲ ص ۵۰

۲۔ ایضاً ص ۵۳

۳۔ ایضاً ص ۴۵

۴۔ ایضاً ص ۴۶

۵۔ ایضاً ص ۴۹

(۴) چونکہ صوفیائے کرام حلاوظ نفسانی سے مجرد اور عادات شہوانی سے بے تعلق ہو کر صدق و صفا کے ساتھ طلب الہی کے نون و شوق میں مجتمع ہوتے ہیں، اس لیے ان کے واسطے محفل سماع میں رقص و تواجد بھی جائز ہے۔^۱

حضرت سید اشرف نے اس امر کے ثبوت میں کہ بیشتر مشائخ سلف نے سماع کو جائز سمجھا اور سنا ہے، اور جن بزرگوں نے سماع نہیں سنا انہیں بھی اس سے انکار نہیں ہے، اپنے تیس سالہ سفر بلاد اسلامیہ اور اولیا و مشائخ سے ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

”این فقیر مدت سی سال در تحت قبہ نیلگون و زیر کنبد گردون
برکاروار گردید، و بملازمت اکابر روزگار رسید، و از بزم نعمت
ایشان جرعه چشید، و خلعت ہمت و نعمت در بر کشید، و ہیچکس
ازین طایفہ بی سماع نیافتہ، و ہمہ این اشفا داشتند، اگرچہ
بعضی اکابر بی سماع ہم بودند و لیکن انکار نداشتند، و از
مشایخ ما تقدم حضرت سید الطایفہ و ابوبکر شبلی و معروف کرخی
و سرّی سقّی و یامزید و ابو سعید ابوالخیر و عبد اللہ خفیف و
حاجی شریف و عزیزانیکہ در تذکرہ الاولیا مذکور اند و بزرگانیکہ
در طبقات الصوفیہ مפור، اکثر ازینہا صاحب سماع بود، اند،
و از مشایخ ما تاخر حضرت شیخ فرید الدین و قاضی حمید الدین و
خواجہ قطب الدین و شیخ نظام الدین، و روایات صحیحہ کہ از ایشان
رسید، معلوم شد، کہ ہمہ تواجد کرد، اند و رقص فرمود،^۲

حضرت سید اشرف نے لمحضہ اپنے متذکرہ بالا مشاہدات بیان کرنے کے بعد یہ فرمایا
ہے کہ جو لوگ سماع کا انکار کرتے اور اسے حرام سمجھتے ہیں، ان کے نزد یک کو یا جملہ

اولیائے کرام حرام کے مرتکب ہوتے رہے ہیں ، جبکہ خدا کے ان برگزیدہ بندوں کے متعلق دن میں برائی کا خیال بھی لانا گویا خدا سے جھٹکنا و عداوت مول لینا ہے۔^۱ حضرت سید اشرف چونکہ چشتی سلسلے سے منسلک تھے اس لیے وہ اپنے اکابر مشایخ کی پیروی کرنے پر نازان ہوتے ہوئے فخریہ طور پر فرماتے ہیں۔

”جواب آخرین ما در مقابلہ منکران سماع و مواجہ مدعیان اتباع اینست کہ سنت پیران ما است و ما می شنویم ، و اگر شما را استازین انکار ، در انکار باشید“^۲

حضرت سید اشرف نے تصوف کی مشہور کتاب ”ترجمہ عوارف“ کے حوالے سے یہ مزید فرمایا کہ سماع کا منکر تین باتوں سے خالی نہیں ، یعنی یا تو وہ جاہل ہے کہ اسے بزرگان دین کے اقوال کا علم نہیں ، یا اس کو اپنے اعمال حسنہ کا غرور ہے یا وہ بد ذوق ہے۔^۳

جبر و قدر

بنیادی طور پر اس مسئلے کا تعلق علم کلام سے ہے لیکن تصوف کے دیگر معتقدات کی مانند یہ عقیدہ بھی عرصہ دراز سے علما و صوفیہ کے درمیان تنازعہ کا باعث بنا رہا ہے۔ اس مسئلے کی نزاکت اور نزاعی حیثیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جمہور متکلمین کے نزدیک اس پر بحث کرنا گویا دو بھاری تلوار پر چلنا ہے۔ حضرت سید اشرف کا قول ہے کہ تصوف کے کلمات عقاید میں مسئلہ جبر و اختیار کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ اس کی نزاکتوں کو پورے طور پر سمجھے بغیر کوئی بھی شخص راہ سلوک کی دشوار گزار وادیوں سے کامیابی کے ساتھ نہیں نکل سکتا۔ اگر آپ طرف علما ”اختیار“ کے قائل ہونے میں شدت

۱۔ لطایف ج ۲ ص ۵۷

۲۔ ایضاً ص ۷۸

۳۔ ایضاً ص ۵۷

اختیار کیے ہوئے ہیں تو دوسری طرف بیشتر صوفیہ نے بھی "جبر" کو ثابت کرنے میں حد درجہ غلو سے کام لیا ہے۔ جب کہ اکابر صوفیائے محققین نے عیدہ "جبر و اختیار کے معاملے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کی ہے اور دوسروں کو بھی غلو کرنے سے منع کیا ہے۔ حضرت سید اشرف نے اس مسئلے کی نزاکت سے پیدا شدہ خطرات سے ایمان کو محفوظ رکھنے کے واسطے بہت ہی معتدل انداز میں "قدر" یعنی اختیار کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک اختیار حقیقی جو صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے ہے اور دوسرے اختیار مجازی جو خلق یعنی انسان کے واسطے ہے۔^۱ حضرت سید اشرف نے اس امر کی دلیل میں کہ اختیار حقیقی صرف ذات خداوندی کے لیے مخصوص ہے، جو دو آیات قرآنی ہیں ان کا ترجمہ یہ ہے کہ "اللہ ایک ہے" اور "اللہ بے نیاز ہے۔"^۲

جو بے نیاز ہوتا ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہوتا اور چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ بے نیاز ہے، اس لیے وہ کسی کا محتاج نہیں اور اسی کو اختیار کلی بھی حاصل ہے۔ جس طرح خدا کی ذات و صفات میں کوئی اس کا شریک نہیں، بالکل اسی طرح اس کی بے نیازی اور اس کے مختار حقیقی ہونے میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں ہو سکتا۔ گویا خدا پاک و تنہا تمام کائنات و موجودات کا مختار مطلق ہے اور انسان اور دیگر ساری مخلوقات اس کی محتاج اور دست نگر ہیں۔^۳ لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں لینا چاہیے کہ انسان کی تسلیم جبر محض کی فطرت پر ہوئی ہے۔ کیونکہ مخلوق انسانی کو بھی اختیارات عطا کیے گئے ہیں۔ البتہ ذات باری تعالیٰ اور انسانوں کے اختیارات میں ایک بنیادی اور اہم فرق یہ ہے کہ خدا جو حیات و کائنات کا مختار مطلق ہے، اس نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں کو جزوی اختیار بخشا ہے۔ چنانچہ اس عقیدے کے ثبوت کے واسطے کہ

۱۔ لطائف ج ۲ ص ۷۹

۲۔ پارہ ۳۰، سورہ الاخلاص

۳۔ لطائف ج ۲ ص ۸۰

خدا ہی مختار مطلق ہے ، قرآن کی یہ چند آیتیں کافی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ " سب کچھ اللہ کی جانب سے ہے " ^۱ اور " وہی رہنمائی کرتا ہے " ^۲ اور " ثم اللہ کے چاہے بغیر کچھ نہیں چاہ سکتے " ^۳۔

متذکرہ بالا آیات قرآنی کی روشنی میں حضرت سید اشرف جہانگیر اسماعیلی نے لطایف کی دوسری جلد (ص ۸۲) میں جو نتیجہ نکالا ہے وہ یہ ہے کہ بندہ نہ مجبور محض ہے اور نہ مختار مطلق ۔ بلکہ اعمال سے متعلق بندے کو جزوی اختیارات بھی حاصل ہیں اور جزوی طور پر مجبوری بھی اس کا مقدر ہے اور یہی اکابر صوفیہ و مشائخ کا عقیدہ ہے ۔

تاریخ سلاسل تصوف

یہ بات گذشتہ صفحات میں عرض کی جا چکی ہے کہ لطایف بنیادی طور پر تصوف کی کتاب ہے ، اور اسی لیے اس کی پہلی جلد میں تصوف کے آغاز و ارتقا کی مفصل تاریخ پر مشتمل ایک مستقل باب یعنی لطیفہ چہار دم قائم کیا گیا ہے ۔ حاجی نظام یعنی لکھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری دنیا سے پردہ فرما جانے کے ایک سو سال بعد تک مسلمانوں نے آپ کے اس قول کو حرز جان بنائے رکھا کہ

" اصحابی کا لنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم " ^۱

(یعنی میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ، تم میں سے جس نے بھی ان میں سے

کسی کی اقتدا کی ، ہدایت پائی)۔

چنانچہ جن لوگوں نے صحابہ کرام کی محبت پائی اور ان کی پیروی کی ، وہ تابعین کہلائے ۔ لیکن دوسری صدی ہجری میں جب کہ صحابہ کرام میں سے کوئی زندہ نہ رہا اور

۱۔ کل میں عند اللہ - لطایف ج ۲ ص ۸۰ ، قرآن ، سورۃ النبا ، پارہ ۱ ۔

۲۔ وهو یہدی القلیل - المیزان ص ۸۱ ، قرآن ، سورۃ الاحزاب ، پارہ ۲ ۔

۳۔ وما کنز سرور الا الذم بربہ اللہ لا یخافون ، سورۃ الزمر پارہ ۵ ص ۳۰ ۔

تابعین میں سے بیشتر حضرات بھی انتقال کر گئے ، تو امت مسلمہ کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ ابد دینی معاملات میں کس کی تقلید کی جائے ؟ — ایسے تشویش ناک حالات میں امام اعظم ، امام محمد اور امام یوسف نے جو اپنے عہد کے جید علما و فقہا تھے ، یہ اجماع کیا کہ خلفائے راشدین کے نایم مقام ہی کو آج — دعوت دین کا حصہ حاصل ہے اور اسی کی اقتدا تمام مسلمانوں پر واجب و لازم — اس لیے کہ ان حضرات کا نائب بھی انہیں کی مثل ہے — چنانچہ بہت تلامذہ و جستجو کے بعد لوگوں کی نگاہ انتخاب حضرت حسن بصری پر پڑی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلیفہ تھے اور پھر سب نے ان کے ہاتھ پر بیعت کرنا شروع کر دیا — گویا باضابطہ طور پر اسی دن پوری مریدی کی ابتدا ہوئی ورنہ اس سے قبل بزرگان دین کی صحبت ہی پر اکتفا کیا جاتا تھا^۱۔

جب حضرت حسن بصری کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے دو مریدین یعنی شیخ عبدالواحد بن زید اور شیخ حبیب لمج عجمی کو خلافت و اجازت سے سرفراز کیا ، اور انہیں دونوں حضرات سے تصوف کے وہ چودہ مشہور خانوادے جاری ہوئے جن کی مختلف شاخیں آج مختلف ناموں سے پکاری جاتی ہیں^۲۔ شیخ عبدالواحد بن زید سے جو بانج خانوادے جاری ہوئے ، وہ حسب ذیل ہیں —

(۱) زیدیان —

حضرت عبداللہ ابن عوف کے بانج بیٹے تھے جو شیخ عبدالواحد بن زید سے مرید ہوئے اور ان سے خلافت و اجازت بھی پائی — ان بانچوں بھائیوں نے اپنے اجداد اور ولین سے نسبت ختم کر کے خود کو پھر و مرشد کے نام سے منسوب کیا اور زیدیان کہلائے^۳۔

۱۔ لطایف ج ۱ ص ۳۷۰

۲۔ ایضاً " تراۃ بحوانہ حجت المالکین از خواجہ مودود چشتی

۳۔ ایضاً " ص ۳۷۳-۳۷۴

(۲) عیاضیان۔

یہ خانوادہ شیخ فضل ابن عیاض سے شروع ہوا جن کی کنیت ابوعلی ہے۔^۱

(۳) ادھیان۔

اس خانوادے کو سدا ان ابراہیم بن ادہم بلخی سے نسبت ہے جو ابنائے ملوک مہن سے تھے۔^۲

(۴) ہبریان۔

یہ سلسلہ شیخ ہبیرۃ البصری سے جاری ہوا تھا۔^۳

(۵) چشتیان۔

تصوف کا یہ مشہور خانوادہ اگرچہ شیخ معناد علود نیوری سے منسوب ہے مگر اس

کا مبداء اصلی شیخ ابواسحاق چشتی کی ذات تھی جو اصلاً شام کے باشندے تھے اور

خراسان کی نسبت سے مشہور ہوئے۔^۴

شیخ حبیب عجمی سے جو نو خانوادے جاری ہوئے، ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) حبیبیان۔

حضرت حمزہ بن عبد الرحمن بن عوف کے دو بیٹے تھے جن میں ایک کا نام مبارک

تھا اور دوسرے کا محمد۔ یہ دونوں شیخ حبیب عجمی سے مرید ہوئے اور ان سے خلافت و اجازت

پائی ان دونوں بھائیوں نے اپنے وطن اور خاندان کی نسبت ختم کر کے خود کو اپنے مرشد

کے نام سے منسوب کیا اور حبیبی یا حبیبیان کے لقب سے مشہور ہوئے۔^۵

(۲) طیفوریان۔

حضرت سلمان العارفین طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان نے اگرچہ ایک سو تیرہ

۱۔ نفاذ ج ۱ ص ۳۴۴

۲۔ ایضاً ص ۳۴۶

۳۔ ایضاً ص

۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً ص ۳۴۸

مشایخ کے علاوہ حضرت امام جعفر صادق کی بھی صحبت پائی تھی، مگر ان کو ارادت شہخ حبیب عجمی سے حاصل تھی اور انہیں سے خلافت و اجازت بھی ملی۔ ان کے مریدوں نے خود کو ان کے نام یعنی طیفور سے منسوب کر کے طیفوریان کا لقب اختیار کیا۔^۱

(۳) کرخیان۔

اس سلسلے کا آغاز حضرت معروف کرخی سے ہوا ہے جو حضرت داؤد طائی کے خلیفہ تھے۔^۲

(۴) سقطیان۔

تصوف کے اس خانوادے کو سید الطائیفہ جنید بغدادی کے استاد حضرت ابوالحسن سری سقطی سے نسبت حاصل ہے۔^۳

(۵) جنیدیان۔

یہ سلسلہ حضرت جنید بغدادی سے جاری ہوا۔^۴

(۶) گازرونیان۔

یہ خانوادہ بھی حضرت جنید بغدادی اور خصوصیت سے حضرت ابواسحق گازرونی سے منسوب ہے جو گازرون کے امراء میں سے تھے۔^۵

(۷) فردوسیان۔

تصوف کا یہ سلسلہ بھی حضرت جنید بغدادی تک پہنچتا ہے۔ لیکن اس کی ابتدا

سہرورد سے ہوئی تھی۔ شیخ ضیاء الدین ابو نجیب سہروردی اور فردوسیان ایک ہی مرشد کے مرید تھے۔ شیخ رکن الدین فردوسی کے کسی رسالے (جس کا نام نہیں لکھا ہے)

۱۔ لطائف ج ۱ ص ۳۴۸

۲۔ ایضاً ص ۳۴۹

۳۔ ایضاً ص ۳۵۰

۴۔ ایضاً ص ۳۵۱

۵۔ ایضاً

کے حوالے سے نظام یعنی نے لکھا ہے کہ فرد وسیمون کا سلسلہ شیخ نجم الدین کبریٰ تک پہنچتا ہے۔^۱

(۸) طوسیہ ن۔

یہ سلسلہ بھی تین واسطوں سے حضرت جنید بغدادی تک پہنچتا ہے اور فرد وسیان اور طوسیہ ایک ہی خرقے میں ہیں۔^۲

(۹) سہروردیان۔

یہ خانوادہ شیخ ضیاء الدین نجیب سہروردی سے جاری ہوا جن کا سلسلہ تین واسطوں سے حضرت جنید بغدادی تک پہنچتا ہے۔^۳

حضرت سید اشرف نے اگرچہ شیخ عبد الواحد بن زید اور شیخ حبیب عجمی سے جاری ہوئے مذکورہ بالا چودہ خانوادوں کو مسلک تصوف کا مبداء اصلی قرار دیا ہے، لیکن حضرت علی کے توسط سے بغیر دیگر واسطوں سے آنحضرت علی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے والے اور بھی آٹھ سلسلے ہیں، جن کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

(۱) حضرت خضر علیہ السلام کے واسطے سے تین سلسلے ہیں، یعنی کبرویہ، بیضاویہ

اور شنعویہ۔

(۲) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شرکت کے ساتھ سلسلہ اویسیہ۔

(۳) حضرت انیسار علیہ السلام کے واسطے سے صرف ایک سلسلہ ہے۔

(۴) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے چار سلسلے ہیں، یعنی

دیکھ، شہابیہ، شفکنہ اور جونہریہ (کذا)۔

۱۔ لہذا یفہم ج ۱ ص ۲۵۱

۲۔ ایضاً ص ۳۵۲

۳۔ ایضاً

(۵) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے تین سلسلے ہیں ، یعنی عمریہ ،
خفییہ اور اویسیہ ۔

(۶) حضرت عبد اللہ بن عباس کے واسطے سے صرف ایک سلسلہ ہے ۔

(۷) حضرت ابی درداء کے واسطے سے صرف ایک سلسلہ ہے ۔

(۸) حضرت اویس قرنی کے واسطے سے صرف ایک سلسلہ ہے ۔

لیکن حضرت سید اشرف نے انہیں چودہ خانوادہ کو مسلك تصوف کا مبداء قرار دیا ہے جو شیخ عبد الواحد بن زید اور شیخ حبیب عجمی سے جاری ہوئے
اور حضرت حسن بصری کے واسطے سے حضرت علی تک اور پھر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم
تک پہنچتے ہیں ۔

باب چہارم

مطالعہ کی ادبی قدر و قیمت

ادبیا۔ فارسی کی تاریخی تناسل میں لٹایہ اعراف کا مطالعہ کرنے سے متقدم میں اور حضرت سید احمد سے معاصرین میں سے بہت سی ایسی علمی و ادبی شخصیات کا علم ہوتا ہے جن میں یہ ناموں اور آثار ناموں پر امتداد زمانہ کی تردید کی دہریز نہیں جم سکتی تھیں۔ لٹایہ میں متقدم میں سے چنانچہ لوگوں کا دور ہوا ہے وہ وہ ہیں جن سے بارے میں حضرت سید احمد نے اپنے معاصرین سے کہہ سنا یا سنا جوں میں لڑھا تھا۔ یہ کتاب حضرت سید احمد کی معصروں کی متعلقہ بھی ہے۔ مستند اور بنیادی ماحول کا درجہ ارفع رکھنے والا انہوں نے اپنے دونوں مساعرتوں میں جن بعد ترمیم اور مراکز علم و فن کی سیر و سیاحت کی وہاں کی رسم و مناسک اور شعرا و ادباء کی حالت اور علمی و ادبی مرتبہ کی بابت ان کے ملاحظات کو مولف نے بہت تفصیل سے شمل بند کیا ہے۔

حافظ کے سب سے اہم صفحات وہ ہیں جن میں شاعر شہرین حسن خواجہ حافظؔ شہرازی کی حالت زندگی اور ان کی عزتوں کے شعری معانی کو جان لیا گیا ہے۔ حافظؔ کے نام و گواہی پر اس کتاب کو بنیاد ماحول کا درجہ ارفع دیا جاسکتا ہے۔

حضرت سید احمد اور حافظؔ شہرازی ایک دوسرے سے معاصر ہیں اور شہرازی میں ان دونوں بزرگوں کی آمد میں بحرمانہ نسبتیں بھی رہی تھیں۔ حافظؔ کے مدیم ترین ماحول کی حیثیت سے اس کی ادبی اہمیت کو دیکھ کر ان کی اوجیت کا عرف پروردگار ہر احمدؔ کو

۱۔ حافظؔ شہرازی اور حضرت سید احمدؔ کی نسبتوں کی تفصیل درجہ ماحول سے ہے۔
۲۔ ملاحی کا باب دوم۔

۳۔ سابقہ فارسی و مسلم پروردگار کی اوجیت۔

حاصل می‌گردد. چنان‌که گاهی موشی راه بر چرخ تاری زبان و ادب گیرد و سر را کالرون نیز
از زبان بی‌برف آینهی توجیه می‌شود بی‌نی —

«بیانات السویه کو جو اود» قدیم هروی لهجه میهن هونیر نیز به حد باعث بقول
مودنا جامی که آن نیز عهد مین تاری دان لوتون که نیز یکی نا قایل بهم هوکنی تمی ه
آسان اور سهد بنانی نیز و اسیر مروجه قایل زبان مین منتفح سرنی بی اولیت تا آخرت خود
انمین تو حاصل می‌گردد. چنانچه دیباچه نفحات اده نیز به ماحوذ به اقتباس مدخله هو —
« ۱۰۰۰۰ اما چون بزبان هروی قدیم که در آن عهد مینهود بود ه

وقوع یافته بتصحیف و تحریف نویسندهان بجای رسیده که
در بسیاری از مواضع فهم مقصود سو به سویت دست نمیدهد و
اینها مختصر است بر ذکر بعضی متقدمان و از ذکر بعضی دیگر
و از ذکر حضرت غیاث‌الدین و معاصران وی متاخران از وی
خالصت بارها در خاطر این فقیه میگذشت که بقدر وسع و
ثاقت در تحریر و تفسیر آن خوش نماید و آنچه معلوم می‌شود
بعباری که متعارف اهل روزگار است در بیان آرد و آنرا که
معلوم نشود در حجاب ستر و طمان بنماید و از رتب معتبره
دیگر سخنان چیده و معارف سنجیده انفاه آن کرده برلوح
تیمان ندارد ۱۰۰۰۰ —

-
- ۱- مدخله هو مقاله «حافظا برید و قدیم ترین ماخذ» به ماضی فکر و نظر مسلم یونیسورستی
علی‌نوه ۱۳۳۵ هـ — برویسر نذیر احمد نیز به مقالیه کا ایسا شهره هوا ده
لند امر علی حکمت نیز تاری مین امر نا سریمه سرنی «میه» دانشگاه ادبیات
شماره هفتم بهمن ماه ۱۳۴۱ هـ قسری هری مین غالی شرایا —
۲- مراد از خواجه عبداللہ انصاری الملک المعروف به پیر عرات —

بیت

از مشک که وحش مشک
زان سوز ازین بهشت منزل^۱

بیت

ز دریای شهادت چون نهضت^۱ به برآرد هو
تیمم فرود شد در خون را در عین وفات^۲

بیت

آسمان بار امانت نتوانست دهند
رخه^۱ تار بنام من دیرانه زدند
(حافظ شیرازی)

بیت

از آن مادر که من زادم در باره عدم جفتش
از انم کبر میخواستند که با مادر زنا کردم
(مولانا روم)

بیت

مادری دارم که آن جفت خدا است
ممازانی مادر زنا را زاده ام
(مولانا روم)

بیت

چندان کہ آرزوی تو در صحنہ جای کرد
والله کہ آرزوی خدا ہم محترم است

(عین عرفان دین پانی پتی)

بیت

L

آن عد کہ بار منت مدح برد می
کوهر جو دست داد بدربار چه حاجت است
(حافظ شہرازی)

بیت

بسر ما رفت خطا در علم صنع نرفت
آفرین بر رفتار باد خطا بوسی باد

بیت

چشم اگر این است و ابرو این و ناز و غمخیز این
الفرار از زهد و تقوی الوداع ای عقل و دین^۲
(عین مرہبی)

۱۔ لایف مین نام کا نام درج نہیں ہے۔

۲۔ اب شعر کی جو تشریح کمال سعیدی نے لکھی ہے اس سے پہلے خود مرہبی نے بھی ایک تشریح کی تھی یہ نیز الفاظ لایف اور نفحات دونوں میں ہو بہو درج ہیں۔
صفحہ ۱۷۰ لایف پر ۲۴۔ ۲۵۔ ۲۶۔ ۲۷۔ ۲۸۔ ۲۹۔ ۳۰۔ ۳۱۔ ۳۲۔ ۳۳۔ ۳۴۔ ۳۵۔ ۳۶۔ ۳۷۔ ۳۸۔ ۳۹۔ ۴۰۔ ۴۱۔ ۴۲۔ ۴۳۔ ۴۴۔ ۴۵۔ ۴۶۔ ۴۷۔ ۴۸۔ ۴۹۔ ۵۰۔ ۵۱۔ ۵۲۔ ۵۳۔ ۵۴۔ ۵۵۔ ۵۶۔ ۵۷۔ ۵۸۔ ۵۹۔ ۶۰۔ ۶۱۔ ۶۲۔ ۶۳۔ ۶۴۔ ۶۵۔ ۶۶۔ ۶۷۔ ۶۸۔ ۶۹۔ ۷۰۔ ۷۱۔ ۷۲۔ ۷۳۔ ۷۴۔ ۷۵۔ ۷۶۔ ۷۷۔ ۷۸۔ ۷۹۔ ۸۰۔ ۸۱۔ ۸۲۔ ۸۳۔ ۸۴۔ ۸۵۔ ۸۶۔ ۸۷۔ ۸۸۔ ۸۹۔ ۹۰۔ ۹۱۔ ۹۲۔ ۹۳۔ ۹۴۔ ۹۵۔ ۹۶۔ ۹۷۔ ۹۸۔ ۹۹۔ ۱۰۰۔ ۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۳۔ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ ۱۰۶۔ ۱۰۷۔ ۱۰۸۔ ۱۰۹۔ ۱۱۰۔ ۱۱۱۔ ۱۱۲۔ ۱۱۳۔ ۱۱۴۔ ۱۱۵۔ ۱۱۶۔ ۱۱۷۔ ۱۱۸۔ ۱۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۱۔ ۱۲۲۔ ۱۲۳۔ ۱۲۴۔ ۱۲۵۔ ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ ۱۲۸۔ ۱۲۹۔ ۱۳۰۔ ۱۳۱۔ ۱۳۲۔ ۱۳۳۔ ۱۳۴۔ ۱۳۵۔ ۱۳۶۔ ۱۳۷۔ ۱۳۸۔ ۱۳۹۔ ۱۴۰۔ ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳۔ ۱۴۴۔ ۱۴۵۔ ۱۴۶۔ ۱۴۷۔ ۱۴۸۔ ۱۴۹۔ ۱۵۰۔ ۱۵۱۔ ۱۵۲۔ ۱۵۳۔ ۱۵۴۔ ۱۵۵۔ ۱۵۶۔ ۱۵۷۔ ۱۵۸۔ ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ ۱۶۱۔ ۱۶۲۔ ۱۶۳۔ ۱۶۴۔ ۱۶۵۔ ۱۶۶۔ ۱۶۷۔ ۱۶۸۔ ۱۶۹۔ ۱۷۰۔ ۱۷۱۔ ۱۷۲۔ ۱۷۳۔ ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۱۷۶۔ ۱۷۷۔ ۱۷۸۔ ۱۷۹۔ ۱۸۰۔ ۱۸۱۔ ۱۸۲۔ ۱۸۳۔ ۱۸۴۔ ۱۸۵۔ ۱۸۶۔ ۱۸۷۔ ۱۸۸۔ ۱۸۹۔ ۱۹۰۔ ۱۹۱۔ ۱۹۲۔ ۱۹۳۔ ۱۹۴۔ ۱۹۵۔ ۱۹۶۔ ۱۹۷۔ ۱۹۸۔ ۱۹۹۔ ۲۰۰۔ ۲۰۱۔ ۲۰۲۔ ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ ۲۰۵۔ ۲۰۶۔ ۲۰۷۔ ۲۰۸۔ ۲۰۹۔ ۲۱۰۔ ۲۱۱۔ ۲۱۲۔ ۲۱۳۔ ۲۱۴۔ ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ ۲۱۷۔ ۲۱۸۔ ۲۱۹۔ ۲۲۰۔ ۲۲۱۔ ۲۲۲۔ ۲۲۳۔ ۲۲۴۔ ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ۲۲۷۔ ۲۲۸۔ ۲۲۹۔ ۲۳۰۔ ۲۳۱۔ ۲۳۲۔ ۲۳۳۔ ۲۳۴۔ ۲۳۵۔ ۲۳۶۔ ۲۳۷۔ ۲۳۸۔ ۲۳۹۔ ۲۴۰۔ ۲۴۱۔ ۲۴۲۔ ۲۴۳۔ ۲۴۴۔ ۲۴۵۔ ۲۴۶۔ ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۲۴۹۔ ۲۵۰۔ ۲۵۱۔ ۲۵۲۔ ۲۵۳۔ ۲۵۴۔ ۲۵۵۔ ۲۵۶۔ ۲۵۷۔ ۲۵۸۔ ۲۵۹۔ ۲۶۰۔ ۲۶۱۔ ۲۶۲۔ ۲۶۳۔ ۲۶۴۔ ۲۶۵۔ ۲۶۶۔ ۲۶۷۔ ۲۶۸۔ ۲۶۹۔ ۲۷۰۔ ۲۷۱۔ ۲۷۲۔ ۲۷۳۔ ۲۷۴۔ ۲۷۵۔ ۲۷۶۔ ۲۷۷۔ ۲۷۸۔ ۲۷۹۔ ۲۸۰۔ ۲۸۱۔ ۲۸۲۔ ۲۸۳۔ ۲۸۴۔ ۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ۲۸۷۔ ۲۸۸۔ ۲۸۹۔ ۲۹۰۔ ۲۹۱۔ ۲۹۲۔ ۲۹۳۔ ۲۹۴۔ ۲۹۵۔ ۲۹۶۔ ۲۹۷۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۰۔ ۳۰۱۔ ۳۰۲۔ ۳۰۳۔ ۳۰۴۔ ۳۰۵۔ ۳۰۶۔ ۳۰۷۔ ۳۰۸۔ ۳۰۹۔ ۳۱۰۔ ۳۱۱۔ ۳۱۲۔ ۳۱۳۔ ۳۱۴۔ ۳۱۵۔ ۳۱۶۔ ۳۱۷۔ ۳۱۸۔ ۳۱۹۔ ۳۲۰۔ ۳۲۱۔ ۳۲۲۔ ۳۲۳۔ ۳۲۴۔ ۳۲۵۔ ۳۲۶۔ ۳۲۷۔ ۳۲۸۔ ۳۲۹۔ ۳۳۰۔ ۳۳۱۔ ۳۳۲۔ ۳۳۳۔ ۳۳۴۔ ۳۳۵۔ ۳۳۶۔ ۳۳۷۔ ۳۳۸۔ ۳۳۹۔ ۳۴۰۔ ۳۴۱۔ ۳۴۲۔ ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ ۳۴۵۔ ۳۴۶۔ ۳۴۷۔ ۳۴۸۔ ۳۴۹۔ ۳۵۰۔ ۳۵۱۔ ۳۵۲۔ ۳۵۳۔ ۳۵۴۔ ۳۵۵۔ ۳۵۶۔ ۳۵۷۔ ۳۵۸۔ ۳۵۹۔ ۳۶۰۔ ۳۶۱۔ ۳۶۲۔ ۳۶۳۔ ۳۶۴۔ ۳۶۵۔ ۳۶۶۔ ۳۶۷۔ ۳۶۸۔ ۳۶۹۔ ۳۷۰۔ ۳۷۱۔ ۳۷۲۔ ۳۷۳۔ ۳۷۴۔ ۳۷۵۔ ۳۷۶۔ ۳۷۷۔ ۳۷۸۔ ۳۷۹۔ ۳۸۰۔ ۳۸۱۔ ۳۸۲۔ ۳۸۳۔ ۳۸۴۔ ۳۸۵۔ ۳۸۶۔ ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ ۳۸۹۔ ۳۹۰۔ ۳۹۱۔ ۳۹۲۔ ۳۹۳۔ ۳۹۴۔ ۳۹۵۔ ۳۹۶۔ ۳۹۷۔ ۳۹۸۔ ۳۹۹۔ ۴۰۰۔ ۴۰۱۔ ۴۰۲۔ ۴۰۳۔ ۴۰۴۔ ۴۰۵۔ ۴۰۶۔ ۴۰۷۔ ۴۰۸۔ ۴۰۹۔ ۴۱۰۔ ۴۱۱۔ ۴۱۲۔ ۴۱۳۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵۔ ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ ۴۱۸۔ ۴۱۹۔ ۴۲۰۔ ۴۲۱۔ ۴۲۲۔ ۴۲۳۔ ۴۲۴۔ ۴۲۵۔ ۴۲۶۔ ۴۲۷۔ ۴۲۸۔ ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ۴۳۱۔ ۴۳۲۔ ۴۳۳۔ ۴۳۴۔ ۴۳۵۔ ۴۳۶۔ ۴۳۷۔ ۴۳۸۔ ۴۳۹۔ ۴۴۰۔ ۴۴۱۔ ۴۴۲۔ ۴۴۳۔ ۴۴۴۔ ۴۴۵۔ ۴۴۶۔ ۴۴۷۔ ۴۴۸۔ ۴۴۹۔ ۴۵۰۔ ۴۵۱۔ ۴۵۲۔ ۴۵۳۔ ۴۵۴۔ ۴۵۵۔ ۴۵۶۔ ۴۵۷۔ ۴۵۸۔ ۴۵۹۔ ۴۶۰۔ ۴۶۱۔ ۴۶۲۔ ۴۶۳۔ ۴۶۴۔ ۴۶۵۔ ۴۶۶۔ ۴۶۷۔ ۴۶۸۔ ۴۶۹۔ ۴۷۰۔ ۴۷۱۔ ۴۷۲۔ ۴۷۳۔ ۴۷۴۔ ۴۷۵۔ ۴۷۶۔ ۴۷۷۔ ۴۷۸۔ ۴۷۹۔ ۴۸۰۔ ۴۸۱۔ ۴۸۲۔ ۴۸۳۔ ۴۸۴۔ ۴۸۵۔ ۴۸۶۔ ۴۸۷۔ ۴۸۸۔ ۴۸۹۔ ۴۹۰۔ ۴۹۱۔ ۴۹۲۔ ۴۹۳۔ ۴۹۴۔ ۴۹۵۔ ۴۹۶۔ ۴۹۷۔ ۴۹۸۔ ۴۹۹۔ ۵۰۰۔ ۵۰۱۔ ۵۰۲۔ ۵۰۳۔ ۵۰۴۔ ۵۰۵۔ ۵۰۶۔ ۵۰۷۔ ۵۰۸۔ ۵۰۹۔ ۵۱۰۔ ۵۱۱۔ ۵۱۲۔ ۵۱۳۔ ۵۱۴۔ ۵۱۵۔ ۵۱۶۔ ۵۱۷۔ ۵۱۸۔ ۵۱۹۔ ۵۲۰۔ ۵۲۱۔ ۵۲۲۔ ۵۲۳۔ ۵۲۴۔ ۵۲۵۔ ۵۲۶۔ ۵۲۷۔ ۵۲۸۔ ۵۲۹۔ ۵۳۰۔ ۵۳۱۔ ۵۳۲۔ ۵۳۳۔ ۵۳۴۔ ۵۳۵۔ ۵۳۶۔ ۵۳۷۔ ۵۳۸۔ ۵۳۹۔ ۵۴۰۔ ۵۴۱۔ ۵۴۲۔ ۵۴۳۔ ۵۴۴۔ ۵۴۵۔ ۵۴۶۔ ۵۴۷۔ ۵۴۸۔ ۵۴۹۔ ۵۵۰۔ ۵۵۱۔ ۵۵۲۔ ۵۵۳۔ ۵۵۴۔ ۵۵۵۔ ۵۵۶۔ ۵۵۷۔ ۵۵۸۔ ۵۵۹۔ ۵۶۰۔ ۵۶۱۔ ۵۶۲۔ ۵۶۳۔ ۵۶۴۔ ۵۶۵۔ ۵۶۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔ ۱۰۰۱۔ ۱۰۰۲۔ ۱۰۰۳۔ ۱۰۰۴۔ ۱۰۰۵۔ ۱۰۰۶۔ ۱۰۰۷۔ ۱۰۰۸۔ ۱۰۰۹۔ ۱۰۱۰۔ ۱۰۱۱۔ ۱۰۱۲۔ ۱۰۱۳۔ ۱۰۱۴۔ ۱۰۱۵۔ ۱۰۱۶۔ ۱۰۱۷۔ ۱۰۱۸۔ ۱۰۱۹۔ ۱۰۲۰۔ ۱۰۲۱۔ ۱۰۲۲۔ ۱۰۲۳۔ ۱۰۲۴۔ ۱۰۲۵۔ ۱۰۲۶۔ ۱۰۲۷۔ ۱۰۲۸۔ ۱۰۲۹۔ ۱۰۳۰۔ ۱۰۳۱۔ ۱۰۳۲۔ ۱۰۳۳۔ ۱۰۳۴۔ ۱۰۳۵۔ ۱۰۳۶۔ ۱۰۳۷۔ ۱۰۳۸۔ ۱۰۳۹۔ ۱۰۴۰۔ ۱۰۴۱۔ ۱۰۴۲۔ ۱۰۴۳۔ ۱۰۴۴۔ ۱۰۴۵۔ ۱۰۴۶۔ ۱۰۴۷۔ ۱۰۴۸۔ ۱۰۴۹۔ ۱۰۵۰۔ ۱۰۵۱۔ ۱۰۵۲۔ ۱۰۵۳۔ ۱۰۵۴۔ ۱۰۵۵۔ ۱۰۵۶۔ ۱۰۵۷۔ ۱۰۵۸۔ ۱۰۵۹۔ ۱۰۶۰۔ ۱۰۶۱۔ ۱۰۶۲۔ ۱۰۶۳۔ ۱۰۶۴۔ ۱۰۶۵۔ ۱۰۶۶۔ ۱۰۶۷۔ ۱۰۶۸۔ ۱۰۶۹۔ ۱۰۷۰۔ ۱۰۷۱۔ ۱۰۷۲۔ ۱۰۷۳۔ ۱۰۷۴۔ ۱۰۷۵۔ ۱۰۷۶۔ ۱۰۷۷۔ ۱۰۷۸۔ ۱۰۷۹۔ ۱۰۸۰۔ ۱۰۸۱۔ ۱۰۸۲۔ ۱۰۸۳۔ ۱۰۸۴۔ ۱۰۸۵۔ ۱۰۸۶۔ ۱۰۸۷۔ ۱۰۸۸۔ ۱۰۸۹۔ ۱۰۹۰۔ ۱۰۹۱۔ ۱۰۹۲۔ ۱۰۹۳۔ ۱۰۹۴۔ ۱۰۹۵۔ ۱۰۹۶۔ ۱۰۹۷۔ ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹۔ ۱۱۰۰۔ ۱۱۰۱۔ ۱۱۰۲۔ ۱۱۰۳۔ ۱۱۰۴۔ ۱۱۰۵۔ ۱۱۰۶۔ ۱۱۰۷۔ ۱۱۰۸۔ ۱۱۰۹۔ ۱۱۱۰۔ ۱۱۱۱۔ ۱۱۱۲۔ ۱۱۱۳۔ ۱۱۱۴۔ ۱۱۱۵۔ ۱۱۱۶۔ ۱۱۱۷۔ ۱۱۱۸۔ ۱۱۱۹۔ ۱۱۲۰۔ ۱۱۲۱۔ ۱۱۲۲۔ ۱۱۲۳۔ ۱۱۲۴۔ ۱۱۲۵۔ ۱۱۲۶۔ ۱۱۲۷۔ ۱۱۲۸۔ ۱۱۲۹۔ ۱۱۳۰۔ ۱۱۳۱۔ ۱۱۳۲۔ ۱۱۳۳۔ ۱۱۳۴۔ ۱۱۳۵۔ ۱۱۳۶۔ ۱۱۳۷۔ ۱۱۳۸۔ ۱۱۳۹۔ ۱۱۴۰۔ ۱۱۴۱۔ ۱۱۴۲۔ ۱۱۴۳۔ ۱۱۴۴۔ ۱۱۴۵۔ ۱۱۴۶۔ ۱۱۴۷۔ ۱۱۴۸۔ ۱۱۴۹۔ ۱۱۵۰۔ ۱۱۵۱۔ ۱۱۵۲۔ ۱۱۵۳۔ ۱۱۵۴۔ ۱۱۵۵۔ ۱۱۵۶۔ ۱۱۵۷۔ ۱۱۵۸۔ ۱۱۵۹۔ ۱۱۶۰۔ ۱۱۶۱۔ ۱۱۶۲۔ ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴۔ ۱۱۶۵۔ ۱۱۶۶۔ ۱۱۶۷۔ ۱۱۶۸۔ ۱۱۶۹۔ ۱۱۷۰۔ ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ ۱۱۷۳۔ ۱۱۷۴۔ ۱۱۷۵۔ ۱۱۷۶۔ ۱۱۷۷۔ ۱۱۷۸۔ ۱۱۷۹۔ ۱۱۸۰۔ ۱۱۸۱۔ ۱۱۸۲۔ ۱۱۸۳۔ ۱۱۸۴۔ ۱۱۸۵۔ ۱۱۸۶۔ ۱۱۸۷۔ ۱۱۸۸۔ ۱۱۸۹۔ ۱۱۹۰۔ ۱۱۹۱۔ ۱۱۹۲۔ ۱۱۹۳۔ ۱۱۹۴۔ ۱۱۹۵۔ ۱۱۹۶۔ ۱۱۹۷۔ ۱۱۹۸۔ ۱۱۹۹۔ ۱۲۰۰۔ ۱۲۰۱۔ ۱۲۰۲۔ ۱۲۰۳۔ ۱۲۰۴۔ ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶۔ ۱۲۰۷۔ ۱۲۰۸۔ ۱۲۰۹۔ ۱۲۱۰۔ ۱۲۱۱۔ ۱۲۱۲۔ ۱۲۱۳۔ ۱۲۱۴۔ ۱۲۱۵۔ ۱۲۱۶۔ ۱۲۱۷۔ ۱۲۱۸۔ ۱۲۱۹۔ ۱۲۲۰۔ ۱۲۲۱۔ ۱۲۲۲۔ ۱۲۲۳۔ ۱۲۲۴۔ ۱۲۲۵۔ ۱۲۲۶۔ ۱۲۲۷۔ ۱۲۲۸۔ ۱۲۲۹۔ ۱۲۳۰۔ ۱۲۳۱۔ ۱۲۳۲۔ ۱۲۳۳۔ ۱۲۳۴۔ ۱۲۳۵۔ ۱۲۳۶۔ ۱۲۳۷۔ ۱۲۳۸۔ ۱۲۳۹۔ ۱۲۴۰۔ ۱۲۴۱۔ ۱۲۴۲۔ ۱۲۴۳۔ ۱۲۴۴۔ ۱۲۴۵۔ ۱۲۴۶۔ ۱۲۴۷۔ ۱۲۴۸۔ ۱۲۴۹۔ ۱۲۵۰۔ ۱۲۵۱۔ ۱۲۵۲۔ ۱۲۵۳۔ ۱۲۵۴۔ ۱۲۵۵۔ ۱۲۵۶۔ ۱۲۵۷۔ ۱۲۵۸۔ ۱۲۵۹۔ ۱۲۶۰۔ ۱۲۶۱۔ ۱۲۶۲۔ ۱۲۶۳۔ ۱۲۶۴۔ ۱۲۶۵۔ ۱۲۶۶۔ ۱۲۶۷۔ ۱۲۶۸۔ ۱۲۶۹۔ ۱۲۷۰۔ ۱۲۷۱۔ ۱۲۷۲۔ ۱۲۷۳۔ ۱۲۷۴۔ ۱۲۷۵۔ ۱۲۷۶۔ ۱۲۷۷۔ ۱۲۷۸۔ ۱۲۷۹۔ ۱۲۸۰۔ ۱۲۸۱۔ ۱۲۸۲۔ ۱۲۸۳۔ ۱۲۸۴۔ ۱۲۸۵۔ ۱۲۸۶۔ ۱۲۸۷۔ ۱۲۸۸۔ ۱۲۸۹۔ ۱۲۹۰۔ ۱۲۹۱۔ ۱۲۹۲۔ ۱۲۹۳۔ ۱۲۹۴۔ ۱۲۹۵۔ ۱۲۹۶۔ ۱۲۹۷۔ ۱۲۹۸۔ ۱۲۹۹۔ ۱۳۰۰۔ ۱۳۰۱۔ ۱۳۰۲۔ ۱۳۰۳۔ ۱۳۰۴۔ ۱۳۰۵۔ ۱۳۰۶۔ ۱۳۰۷۔ ۱۳۰۸۔ ۱۳۰۹۔ ۱۳۱۰۔ ۱۳۱۱۔ ۱۳۱۲۔ ۱۳۱۳۔ ۱۳۱۴۔ ۱۳۱۵۔ ۱۳۱۶۔ ۱۳۱۷۔ ۱۳۱۸۔ ۱۳۱۹۔ ۱۳۲۰۔ ۱۳۲۱۔ ۱۳۲۲۔ ۱۳۲۳۔ ۱۳۲۴۔ ۱۳۲۵۔ ۱۳۲۶۔ ۱۳۲۷۔ ۱۳۲۸۔ ۱۳۲۹۔ ۱۳۳۰۔ ۱۳۳۱۔ ۱۳۳۲۔ ۱۳۳۳۔ ۱۳۳۴۔ ۱۳۳۵۔ ۱۳۳۶۔ ۱۳۳۷۔ ۱۳۳۸۔ ۱۳۳۹۔ ۱۳۴۰۔ ۱۳۴۱۔ ۱۳۴۲۔ ۱۳۴۳۔ ۱۳۴۴۔ ۱۳۴۵۔ ۱۳۴۶۔ ۱۳۴۷۔ ۱۳۴۸۔ ۱۳۴۹۔ ۱۳۵۰۔ ۱۳۵۱۔ ۱۳۵۲۔ ۱۳۵۳۔ ۱۳۵۴۔ ۱۳۵۵۔ ۱۳۵۶۔ ۱۳۵۷۔ ۱۳۵۸۔ ۱۳۵۹۔ ۱۳۶۰۔ ۱۳۶۱۔ ۱۳۶۲۔ ۱۳۶۳۔ ۱۳۶۴۔ ۱۳۶۵۔ ۱۳۶۶۔ ۱۳۶۷۔ ۱۳۶۸۔ ۱۳۶۹۔ ۱۳۷۰۔ ۱۳۷۱۔ ۱۳۷۲۔ ۱۳۷۳۔ ۱۳۷۴۔ ۱۳۷۵۔ ۱۳۷۶۔ ۱۳۷۷۔ ۱۳۷۸۔ ۱۳۷۹۔ ۱۳۸۰۔ ۱۳۸۱۔ ۱۳۸۲۔ ۱۳۸۳۔ ۱۳۸۴۔ ۱۳۸۵۔ ۱۳۸۶۔ ۱۳۸۷۔ ۱۳۸۸۔ ۱۳۸۹۔ ۱۳۹۰۔ ۱۳۹۱۔ ۱۳۹۲۔ ۱۳۹۳۔ ۱۳۹۴۔ ۱۳۹۵۔ ۱۳۹۶۔ ۱۳۹۷۔ ۱۳۹۸۔ ۱۳۹۹۔ ۱۴۰۰۔ ۱۴۰۱۔ ۱

بیت

ای روی در کشیده بیبازار آمده
 خلقی بدین اسم کر تار آمده
 (عجی فریدالدین عطار)

بیت

بیمزارم از آن کهنه خدای که تو داری
 هر لحظه مرا تازه خدای دگر است

بیت

کسی کو ماند در صحرای طامات
 چه داند ذوی مستان خرابات

رباعی

بد کردم و اعتدار بدتر ز گناه
 چون هست درین عذر سه دعوی تپاه
 دعوی وجود و دعوی قدرت و نفس
 لاحون و لا قوه الا بالله

(حضرت سید انور جہانگیر سمنانی)

مندرجہ بالا ابیات و رباعیات کی تفسیر اور ان کا پرمختار بیان کرنیے ہیں۔

پہلے مولفہ لائف پلور تمہید لکھتے ہیں۔

”حریت قد وہ الکبرا میفرمودند کہ بحرا بیات عمرا“ متقدم ہیں

و کلمات فنلا“ کاملین اگرچہ مصلح بحبارات عمراست و لیکن

۱۔ لائف مین ناعر کا نام مذکور نہیں ہے۔

۲۔ ایضاً“

چون بدین تصوف و وفی تعریف و چون میزنم ساسی از اشعار نیست و
 بعضی اشعار خود در توحید و معارف اعتداحتیاج بتأویس نیست
 چنانچه بعضی غزلیات حضرت مولوی و حضرت مولانا محمد شهبان
 مشهور به صریحی و خورشیدی اوحد الدین کرمانی و امثال آن
 مولانا روم که آن دو شعرون هر جن کو او بر لب کما میا می و اگرچه بظاهر
 کفر و زندقه کا اظهار مینماید لیکن متصوفانه تأویس که بعد ده معانی توحید و
 معرفت و تنجید در آن پیدا میشود - نمونه که لغوی لطایفیه ماحوذ حسبذیل و
 تشریحات - ملاحظه موند -

(۱) بهت

لایلی

مادری دارم که آن جفت خدا است

من ازان مادر زنا را زاده ام

" این شعر نیز منسوب به حضرت مولوی است و امثال این اشعار از
 ایشان بسیار واقع شده است و مراد از مادر حقیقت محمد است
 که امّ ذرّیات موجودات و اصل مولودات کائنات بود و جفت
 شدن عبارت از قرآن آن مرتبه است بحضرت احدیست و زنا زادن
 عبارت از وصول است در میان ظهور و در مراتب صدور در مراتب
 عیان ثابتة عکس اسماء صفات و احکام آثار و بطریق عکس
 که مشاهده ذوالعینی ذوالعقلی است و در ایشان نقطه زنا
 عریب نژاد است هر که روح این عروس دیده باشد و زنا باور
 کرده داند " -

(۲) بہت۔

از آن مادر کہ من زادم دگر بارہ ندیم جفت
از انم گہر میخوانند کہ با مادر زنا کردم

• این شعر نسبت نیز منسوب بخضر موسوی قدس سرہ است و
از اشعار نادرہٗ ایشان اکنون کوہ ہوی بسوی معانی وی
دار کہ مراد از مادر عین ثابتہ است کہ محب تکثیر اسما
و صفات و موضع تصور کہ اس صدور اسما ثونی و اسما الہی و
موجودات نامتناہی ہست و لیکن مناسب نمی نماید بقرینہ کہ
در ناء سبحانی عین ثابتہ خود است ہر بہتر است کہ از مادر
عین ثابتہ وی ارادت گردد و غیر و ترسا با صددع نیست چہ
ہر ناء کہ حالت عار و سایر تہز رفتار بعین ثابتہ خود ہرید از
حالت جاریہ و واقعات جاریہ خود از از تا بہ ابد می میرد و
و زنا بہ مادر شدن عبارت از همان وصول است بعین ثابتہ روح
و در لغت معنی زنا بر رفتن است کہ ہمین عروج سالہ است تا
و بعین ثابتہ حویض و بالاتر از عین ثابتہ عروج نیست چنانچہ
تحقیق این مسئلہ بحکم این طایفہ موقوف است

مندرجہ بالا تشریحات بہان صرف بطور نمونہ اتر لہجہ بہان کی گئی ہین کہ ان سے
حسرت سید اثر کی شعر فہمی اور ان کی ناقدانہ صحبت کا اندازہ عوتا ہے و ورنہ حقیقت
یہ ہے کہ متعدد صوفی اور غیر صوفی شاعروں نے ہمیشہ اشعار لہجہ کا مطالعہ کرنے کے
بعد ہی صحیح طور پر مجہد مین آستیر مین کیونکہ اس کتاب مین مختلف واقعات و روایات
اور حکایات کے ہر منظر مین مناسب موقع و محل ہر ان کا استعمال ہوا ہے۔ اتر لہجہ مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ لہائیف کے اوراق میں جو اشعار جا بجا پھرتے ہوئے ہیں اور جن کے ساتھ شاعروں کا نام یا تخلص بھی درج ہے اس کو ذیل میں یکجا کر دیا جائے تاکہ اس کتاب کی ادبی قدر و قیمت کا بخوبی اندازہ ہو سکے۔

مودنا چل الدین رومی -

بشنو از نی چون حکایت میکند
وز جدائیمها عکایت میکند^۱

حان بختہ در نہاید هیچ خام
ہر سخن کوتاہ باید والسلم^۲

مدتی این مشغوی تاخیر شد
مہلتی بایست تا خون شہر شد^۳
دشمن این حرف این دم در نہار
شد مثل سردگون اندر سفر^۴

ای حاتم الدین تو دیدی جان او
حق نمودت با حق احوان^۵ او
گر خدا خواهد کہ پردہ کر در
میلش اندر طمہ با ثان^۶ برد
ور خدا خواهد کہ ہوعد لعیب کر
کم زند در عیب اہل دل^۷ نفر

۱۔ ماحوذ از مقدمہ لہائیف مولفہ نظام یعنی -

۲۔ ایضا^۱

۳۔ ایضا^۲

۴۔ لہائیف ج ۲ ص ۲۷۳

۵۔ ایضا^۳

دانتها چون تیغ پولاد است تیز
 گر نداری تو سپهر وایی^۱ گریز
 بهد این العار بی اسیر میا
 گر ببردن تیغ را نبود حیا^۲
 وعده^۳ باعد حقیقی دلپذیر
 وعده با بعد مجازی ناسه کهر^۴
 وعده اهن کرم کنج روان
 وعده ناهل شد رنج روان^۵
 عثار روح بود و سنائی دوجسم او
 ما از یشی سنائی و عثار آمدیم^۶
 گرفته علم حار فوق قار بودی نه عددی
 بنده اعیان بخارا خواجه^۷ نساج کرد^۸

خواجه حافظ شیرازی -

دُغار من که بمکتب نرفت و خلافت
 پنجره مشقه آموز صد مدد رسعد^۱
 آنانکه طائر را بنشر کیمیا کنند
 آبا بود که کوته^۲ چمنی بها کنند^۳

۱- ایضا

۲- ایضا

۳- ایضا

۴- لایحه ۲ ص ۳۷

۵- لایحه ۱ ص ۲۱۲

۶- ایضا

۷- ماخوذ از مقدمه لایحه مولفه دالام یعنی -

۸- لایحه ۱ ص ۳۲

معشوق چون نقاب ز رخ بر نمی کند
 هرگز حکایتی به تصور چرا کنند^۱
 عفا شکار کردند دایم باز چین
 گاهیندا همیشه باد بدستت دایم را^۲
 نرمن آلوده دامنم چه عجب
 همه عالم گواه عصمت اوست^۳
 خاکساران جهان را بحقارت مذکر
 توجه دانی که درین نرد سواری باشد^۴
 دانش جزو کلمات اوست
 عالم الغیب والشهادت اوست^۵
 کشتی شکستگانم آن باد هرا برجهز
 باشد که باز بینم آن یار آشنارا^۶
 ز روی دوست دل دشمنان چه دریا بد
 چراں مرده را جمع آفتاب کجا^۷
 شکر خدا که هرچه طلب کردم از خدا
 بر منتهای همت خود گامران شد^۸
 بان نند محقر است حافظ
 از بهر نثار حوی نباشد^۹

۱- اینها ۴
 ۲- اینها ۵۲
 ۳- اینها ۷۸
 ۴- اینها ۱۰۲

۱- اینها ۲۵
 ۲- اینها ۴۹
 ۳- اینها ۷۷
 ۴- اینها ۸۱
 ۵- اینها ۱۷۸

بی ساد ه رنکین کن کورت بجز منان سید
 که سالت بی غیر نبود ز راه و رسم منزلها^۱
 غلام هست آنم که زیر چرخ کبود
 ز هر چه رنک تعلی پذیرد آزاد است^۲
 ز بان و سالت تو یابد رها ز توان آب
 ز تاب مجر تو دارد غرار دوزن تاب^۳
 تو چهره دل از نور رقابت برین کذا^۴
 که مبادا که درین خانه نثار باعد^۵
 ز بدن زور ترا دید ه جان بچین باید
 وان کجا مرتبه چشم جهان بچین منست^۶
 حافظ از معتقدان است کرامی دارم
 زانکه بختایین بر روح مکرم با اوست^۷
 آسمان بار امانت نتوانست کشد
 سرعه^۸ فای بنام من دیوانه زدند^۹
 دست از طلب بدارم تا نام من برآید
 با تن رسد بیجانان با جان ز تن برآید^{۱۰}
 آن شد که بار منت صبح برد می
 و هر دو دست داد بد رها چه حاجت^{۱۱}

۱- اینها ص ۲۱۲

۲- ص ۳۱۲

۳- اینها ص ۲۵۲

۴- اینها ص ۴۲

۵- اینها ص ۲۰۴

۶- اینها ص ۲۱۱

۷- اینها ص ۲۱۶

۸- اینها ص ۲۱۱

۹- اینها ص ۴۲

دور است سرآباد رین بادیه هردار
تا غول بیابان نگریدد بسرایت^۱

شعر سعدی شیرازی -

برود د رختان سپرد در تار هوشیار
هر ورقی د فقریت معرفت کرد تار^۲
نه حدت غایتی دارد نه سعدی را سخن بایان
بمیرد تشنه مستقی و دریا صیقلان بانی^۳

چه کنم کرد دایم در فرمندی پی
ز قدر رفیقت بد رنانه می
که باشند مستقی که ایمان خیر
بمهمان دارالسمت تقی^۴
تمتع ز هر گونه یافتم
ز هر شرمی سوشه یافتم^۵

عفو بمحبوب کسی ره نرید
که هرگز بمنزور نخواهد رسید^۶
محالست سعدی که راه صفا
توان رفت جز در پی مصطفی^۷

۱- ماخوذ از مدد مه* دیباج مولفه نظام یمنی
۲- اینجا* ص ۴۹
۳- اینجا* ص ۶۶

۱- اینجا* ص ۲۰
۲- اینجا* ص ۴۶
۳- اینجا* ص ۵۵

میا زار مورق نه دانه د است
 که جای د دارد و جای غیرین جو. است^۱

مثنوی بر اشعار -

یکی پرسید از آن کم کرده فرزندی
 که این روشن شهر پیر خرد مند
 ز مصر بوی پیراهن شنیدی
 چرا در جایه گنجانده بدی
 بیفت احوان ما برین جهانست
 دمی پیدا و د پیر دم نهانست
 بی بر تارم اغسی نهانم
 بی پریشانی سود نهانم
 اگر در رویه بر حالی بماندی
 سر دست از دو عالم بر فشانده^۲

خواجہ نظامی گنجوی -

تبع از العار زبان ساختم
 هر که برآمد سرشاندا ختم^۳
 د و هندی برآید ز هندوستان یکی
 یکی دزد باشد د تر با سبان^۴

۱- اینها بر ۱۶۲
 ۲- اینها

۳- اینها ۱۰۰
 ۴- اینها ۶۶

مـا بـمـیـرـا تـنـا بـد نـی
 ۱ تا نزنند تنی د و دستی بسی
 لعبت بازی بر این برده است
 ۲ از بی بازیچه ببرده نشست
 دیده دل محرم این برده ساز
 ۳ تا چه برون آید ازین برده راز
 هر آنچه از خدا خواستم زمین فیما
 ۴ خدا داد برداد کردم بسیار
 چه خوش گفتم چمنید باز آ زن
 ۵ که در برده با کور به جای زن
 زنی کو نماید به بیگانه روی
 ۶ ندارد شکوه خود و غم شوی
 اگر نا امید بتر کرد بدست
 ۷ بدست آورد هر مرادی که هست

امیر خسرو -

گرچه زنند تنی د و دستی بسی
 ۸ تا ندعد حد نماید نسی

۱- ایضا ۴۷
 ۲- ایضا ۳۳۰
 ۳- ایضا
 ۴- ایضا
 ۵- ایضا ۴۷

۱- ایضا ۴۷
 ۲- ایضا
 ۳- ایضا
 ۴- ایضا ۳۳۰

د بد به* خسرو ہم عد بلند

۱
خلقه در کور نظامی دند

هر قوم راست را می دینی و قبله گاهی

۲
ما قبله راست کردیم بر سمت نجده می

امیر خسرو یک اثر مشهور شعر اور اس زیر بحر منقار یک متعلق از چہ نظامیہ میں ٹوٹی

تاجیک در باب اس در نہیں ہیں۔ لیکن دوسری شاہوں میں یہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ میں

کی نماز کے بعد حضرت نظام الدین اویسا اور ان کے مرید حضرت امیر خسرو دہلوی جمنا کے

منار پر سرخو ہوئے تو دیکھا کہ غیر مسلم مرد و عورت اعلان کر رہے سورج کی پوجا کر رہے ہیں۔

چند وہ ان کا قبلہ* دینی سمجھتے ہیں۔ اس واقعے پر متاثر ہو کر حضرت نظام الدین اویسا

نیر فی البدیہہ مصرعہ لکھا۔

۱
ہر قوم راست را می دینی و قبله گاهی

حضرت امیر خسرو نیر اس مصرعہ پر برجستہ سرہ لگائی چہ میں قبلہ یہ مراد خود ان کے

پیر و مرید حضرت نظام الدین اویسا ہیں۔

۲
ما قبله راست کردیم بر سمت نجده می

ابو سعید ابوالخیر۔

من ہی تو دمی ترار نتوانم کرد

۱
'حسان ترا شمار نتوانم کرد

۲
گر ہر تن من زبان بود ہر موی

۳
یہ شعر تو از ہزار نتوانم کرد

حورا سدااره* د نارم عفزد
 رضوان ز تعجب گفت خود پرگفزد
 به خان سده بر آن بر صرمد زد
 ابدان ز بهم چند در مصعد زد^۱

فتنه از گهزی و دامن در کشی
 تیر اندازی کمان یغیان کشی
 با تو نتوان گفت این و آن مکن
 باد غاهی هر چه سواهی آن کشی^۲
 مولد لایف کیر جهان کیر صابین حضرت ابوسعید ابوالخیر سیر کاسی رباعیان
 منسوب بی باقی همین مکر - در بالا من صرفا نهین رباعیات کو ندر بنا کما هر چه من
 ان در نام کی نماند می ملتی میر -
 صاحب مراد انجیاد کله^۳ حسب ذیل رباعی بجای لایف همین در میر -
 از نسخه* نامه الهی که تویی
 وای آئینه جهان غای که تویی
 بهرون ز تو نیست هر چه در عالم هست
 در سود ببال هر آنچه سواهی که تویی^۵

۱- ایضا* بر ۱۸۱
 ۲- ایضا* بر ۲۲

۳- ایضا* بر ۱۸۲

۴- مراد از حضرت همین نجم الدین کبری

۵- ایضا* بر ۲۹

حضرت سید عبدالرزاق نورالعین کا نام اگرچہ لٹا ہند میں بکثرت آتا ہے لیکن یورو
نٹاب کیر مالعیہ پر باوجود یہ بات کہن جبر واضح نہیں ہوتی کہ وہ صاحبِ ایران شاعر بھی تھے۔
البتہ سرمائیہ جگہ دو شعرا ان پر نام حیر منسوب کر کے نقل کیا ہے۔ مہینہ جو حبیب ہند میں۔

جمالت آفتاب ہر دہر باد

۱
ز حویں روں خوبت خوبتر باد

مماں ممت را معجو شہیار

۲
رہ شاہان عالم زہر بر باد

حضرت قاضی شہاب الدین دہلوی کا نام کی عالمانہ حیثیت و اہمیت کا اعتراف
خود حضرت سید اشرف نے کیا ہے ان کا صرف ایک قطعہ درج ہے جو انھوں نے حضرت سید اشرف
نصیری سے منقول کیا تھا۔

چہ خورشید بست تابان از جبینہ

کہ خورشید فلک زود رہ برد

بگوھر سید است دریاں امواج

۳
کہ دریاں جہان چون فلزہ کرد

اسی طرح شہج واحد کا بھی ایک قطعہ ملتا ہے جو انھوں نے قاضی شہاب الدین دہلوی سے منقول کیا تھا۔

لشکر علم تو بہ تیج بیان

از عجم تا عرب گرفتہ دیار

چون گرفتہ عراق عربیت

۴
فارسی را بہ واحدی بکند ار

۱۔ لٹا ہند ۱۳۳۱ء

۲۔ ایضاً

۳۔ لٹا ہند ۱۳۳۲ء

۴۔ ایضاً ۱۳۳۱ء

حضرت مولانا علی کا بھی جو اپنے عہد کے علما اور حضرت علامہ والدہ ہند وی کے خاص
 خلفا میں سے تھے وہ اپنے قلعہ درج کیا گیا ہے۔

مرید علی را از پیر ارشاد

جهان آمد مبارکباد کرده

در آورده بسر قہدارادت

ز بند روزگار آزاد کرده^۱

سلمان ساوجی کا حسب ذیل قلعہ بھی درج ہے۔

روز محتر کہ من از خواب کران برخیزم

محبو تر گم بجماعت ذکران برخیزم

گر در آنجای عہد ان عمت را طلبند

من بخون غرن کفن نعرہ زنان برخیزم^۲

مثنوی "گلشن راز" سے ماخوذ حسب ذیل اشعار مدحیہ ہوں۔

تفکر رفتن از باطل سوی حق

بجزواند رہ بدیدن کج مالق

حکیمان کا اند رہن کردند تصنیف

چہن گفتند در ہنگام تعریف

کہ چون در در شود طاعت تسور

نخستین نام او باند تذکر

وزو چون بگذرد ہنگام فطرت

بود نام وزاندر عرف عبرت

تسور گان بود بہر تد بیر

بنزد اہر عقل آمد تفر^۱

حضرت شیخ روز بہان - منسوب صرف اید - رباعی ملتی میر -

آنم کہ جہان جو حقہ منت منت

این قوت ہی نہ قوت یشت منت

این کون و مکان و ہرجہ د رہن عاصم منت

در قبضہ قدرت د وادشت من است^۲

حسب ذہب قلمہ گیر متعلق مولفہ لٹایف میر بہ لہ ما میر کہ حضرت شیخ بہا^۳ اندین نقیبند

اے بار بار دہراہا کرتیر تعیر ہ اے لہیر بہ گمان ہوتا عیر کہ غائب^۴ یہ انہین کی تھیں ہو -

سہ نشان بود ولی را ز تخت آن ہمینی

کہ چون روی او بچینی د - تو بد و دراید

دوم آنکہ در مجالس جو سخن نند ہمینی

عمہ راز ہستی خود بہ حد یث می رہاید

سوم آن بود ہمینی ولی اہر عاصم

کہ بہیچ عضو او را حرکات بد نیاید^۵

اولیایہ کرام گیر ملفوظات اور حالات اور واقعات کی فضیلت گیر بہان گیر ضمن میں

درد وی طوسی گیر شاہنامہ میر سے بھی اید شعر لٹایف مہین نقی ہوا میر -

ہر آنکر کہ عہ نامہ خوانی کند

اگر زن بود پہلوانی کند^۶

۱- شاہف - ا م ۳۱۰

۲- ایٹا^۳ م ۱۳۰

۳- ایٹا^۴ م ۱۴

۴- ماحوذ از مقدمہ^۵ لٹایف مولفہ حاجی نظام ہمینی

سنائی غزنوی سے منسوب صرف ایدہ عمر لٹا ہے مہینہ در ہے ۔
 اہد است و نما را زو معزوں
 ممد است و نیاز ازو مخدوں^۱
 مودنا شعر الدین خجہ کہی کی بھی ایدہ رباعی نفا ہوئی ہے ۔
 ہر نقد کہ بر تختہ ہستی پیدا است
 آنصورت آنکر است تان نفو آراست
 د ریای کہن جو ہر زند موجی
 موجہ خوانند در حقیقت د رہاست^۲
 شعر عواجی سیر منسوب صرف بھی ایت غزل لٹا ہے مہینہ در ہے ۔
 سماعی در دہ ای ملرب بہنبار
 کہ ایمان افکند در نسب کفار
 ازو شہفور مستان بہبود و زار
 وزو منصور رنمان ہر سردار
 بنوید سیدہ موفی را غبار
 ز مرتابا کند مستان بہدار
 قلند زو بود از سوہ بہزار
 ہر قمد حیدری مستان ہر تار
 ہر آن عالم کہ دارد در دل افکار
 بہ قوالان دہد در آن و دستار

ملحانان ازو سوزند و کنار

بہشت سو خرقہ د ہگر سو زنار

سرود خواجگی میثوئی ہربار

ہون آتش د رہن د گان و بازار

ازین حالت کہ گوید باتو اخبار

د رہن صلحہ شی چون نیست ہتبار

شی خواجگی کے ان اشعار کو لایف مین اگرچہ "عز" کہا گیا ہے لیکن مثبت کے

لحاظ سے یہ "مثنوی" معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ عز مین صرف صلحہ کے د ونون مصرعے

مرد و اور ہم تائید ہوتی ہیں اور بقیہ اشعار کے صرف د و سر مصرعے مین تائید اور

رد ہد کی بابت کی جاتی ہے۔ جبکہ مثنوی مین ام زیر ہر مکر ہر جہ ہے د ونون مصرعے

مرد و اور ہم تائید ہا صرف ہم تائید ہوتی ہیں۔ چونکہ منہ رجبہ با ذالیا کے د ونون

مصرعے ہم تائید ہیں ہا لہذا ان کو "عز" نہیں کہا جاسکتا۔

لایف مین کیسا کہ کسی ڈنڈہ صلحہ مین کہا گیا ہے اور بدھون پر بھی "عز"

نو "مثنوی" اور "مثنوی" کو "عز" یا "قلعہ" نو "رباعی" اور "رباعی" کو

"قلعہ" لہذا یہ لیا ہے۔ ام از عدوہ جیسا کہ اوپر ذیل اشعار سے ظاہر ہے ہ بیشتر

جہون پر "مثنوی" کا شعر آخر مین ہونیر کے باہر د رہبان مین منہا ہے جو کتاب کی

عین مصرع ہوتی ہے۔

خواجہ اوحد الدین کرمانی سے حسب ذیل شعری تحلیقات لایف مین منسوب کی گئی ہیں۔

بہت۔

کہ جہان صورتست و معنی د دست

ور بمعنی دار ثنی عمہ اوست

مثنوی در اشعار -

چیزی که وجود او بخود نیست
 هستی نهادن از خرد نیست
 هستی که بی پیام دارد
 او نیست و لید نام دارد
 تا جنبه دست هست ما دام
 سایه متحرک است تا کام
 چون سایه ز دست یاست سایه
 پیر نیست جدا ز اس سایه
 هست اس و لید هست مثالی
 ه نزد یه حکیم نیست جز حق
 بر نقش خود است فتنه نما
 کمر نیست درین میان تو سوار
 خود انت حقیقت و بشنید
 و آن روی که خود نمود خود دهد
 پیر از یقین که نیست والله
 موجود حقیقی سوی الله

رباعی -

سپه است مرا بر سر خضر بودن
 د ربای مراد دوست بی سر بودن

عصیر گرفته کا فری را بکئی

غازی جو تونی رواست کا فری بودن^۱

گذشتہ صفحہ میں جن عزلوں و مشنوں و رباعیوں و فلعاہ اور متفرق اشعار کو درج کیا گیا ہے ان پر عدوہ عربی اور فارسی کے اور بھی بہت سے اشعار ظاہر ہیں جن میں میں نے صرف یہاں ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ جیسا کہ مولد لایف کا شعر "عرب" پر ظاہر ہے وہ جو بھی شاعر ہے اور جو تواتر کرتا تھا انہوں نے اس کتاب میں ہر صنف اشعار نقل کی ہیں اور سو دیکھتے ہوئے یہ دیکھنا غلط نہ ہوگا کہ وہ نقد شعر کا پابند و موافق مذاں نہ تھے۔ مگر اس پر باوجود ان کے اپنے تشنیر یعنی "عرب" پر منسوب ہو کر کتاب میں اس شعر بھی نہیں ملتا جس کی وجہ شاید ان کی انکار ہو۔

مولد لایف لکھتے ہیں کہ ابن العربی کے مناقب میں بغداد میں لکھی گئی ایک کتاب^۲ میں درج ہے کہ ان کی تصانیف کی تعداد پانچ سو ہے زیادہ ہے۔ جب کہ خود انہوں نے اپنے ایک رسالے^۳ میں اپنی ڈھائی سو تصانیف کا ذکر کیا ہے۔ ابن اکبر کی تصانیف کی تعداد پر متعلق حضرت سید ابروف کے حسب ذیل ارشادات مدللہ ہوں۔

"وقتیکہ ابن فہر بحضرت شیخ عبدالرزاق کاغی درگاہان مشرف شدہ از حضرت شیخ اکبر تفریبا" نقل کردندی از مناسبت کبار بغداد در مناقب و کتابی بھی کردہ است و در آنجا آورده کہ تصنیفات حضرت شیخ قدر اللہ سرہ از پانصد زیادہ است و حضرت شیخ بالتمار یعنی از اصحاب رسالہ در فہرست مصنفات

۱۔ کتاب ۷۱ ص ۷۱

۲۔ کتاب ابراہیم کے صنف کا نام لایف میں درج نہیں ہے۔

۳۔ ابن اکبر کے مذکورہ باب رسالہ کا نام لایف میں درج نہیں ہے۔

خود نوشته اند در آنجا زیادہ از دوست و ہمنماہ کتاب را نام
برده اند بیشتر در تصوف و معنی در غیر آن^۱

نام یعنی "نیر" مثنوی "مودنا روم" کی وجہ تصنیف کی بابت حضرت سید اشرف کا
یہ ملفوظات نقل کیا ہیں کہ حاتم الدین چلبی نے جو مودنا روم کی چھٹی مرتبہ تحریر کیا
مرتبہ ان "نیر" الہی نامہ "اور "مطلب الشہر" کی ترقی پر کوئی کتاب تصنیف کرنے کی
درخواست کی۔ مودنا نے ان کی درخواست پر فوراً "انیر" دستار دیا۔ کاغذ نگاہ اور
ان کی حالت میں دیکھا اور فی البدیہہ عمر لدھوانہ لکیر۔ اس وقت مودنا نے صرف افکار
عمر دور تحریر جو مثنوی کی دفتر اول کی آغاز میں ملتے ہیں۔ ان کی بعد مودنا نے
حاتم الدین چلبی نے فرمایا کہ

"..... بہتر از آنکہ از ضمیر عما این داعیہ سر بزند از عالم عیب
در دلم این الفا کردند کہ این نوع کتابی علم نام کردہ
ہشود۔"^۲

تالیف کی پہلی جلد (لدلہد دوم) میں فارسی کی دو ماہ "نار شاعر یعنی
نظامی گنجوی اور امیر خسرو دہلوی کی شاعری کا ایک تقابلی مطالعہ بھی مختصراً درج ہے
جو حسب ذیل ہے۔

"تربیا" از حضرت خواجہ نظام الدین گنجوی میفرمودند
مثنویہای ہنچگانہ وی کہ بنام ہنچ شمع اشتہار یافتہ اند کہ
اکثر اینہا اگرچہ بحسب صورت افسانہ است اما از روی حقیقت
کشف حقایق و بیان معارف و دقائق را بہانہ و ابیات عریف و
کلمات لطیف لطف ایقان شعر برآست کہ مر کہ در مقولہ عریف شای

۱۔ ماخوذ از مقدمہ "تالیف" مولفہ حاجی نظام یعنی۔
۲۔ ایضا۔

مواخذ می‌کند یا از روی جدی می‌درآید بسیار غوم است
البته وی ضرر می‌گردد چنانچه خود در مخزن الاسرار باین
انبار کرده اند -

تبعی ز العارزیا ساختم

هر که برآمد سر انداستم

در هنگام تاجیف و ایام تصنیف از ارباب جدی که در کتاب
حراجه مواخذ خواهند گرد الحارت فرموده بودند -

دو هند و برآیند ز هندوستان

یکی دزد باشد در تاجیکان

از آوان تصنیف اس یومنا هر که در موله غریف ایشان

از روی حناد برآید و یا اخذ حیات بنا کرده البته ضرر

بوی سراید کرده خصوصاً حضرت امیر خسرو شهرین سخنان بسیار

از بار مساوات را امدار متایله کرده اند چنانچه از مفاد

بیاید بکر مفهوم میرسد و آن اینست -

منه بصیرات نیاید کسی

تا نزنند تبعی دودستی بسی

حضرت خسرو در متایله گفتند -

نرجه زند تبعی دودستی بسی

تا ندیدد حق نیاید کسی

ایضا

دبد به خسرویم شد بلند

غلغله در کور نامی زدند

چون علو و مگاہرہ باینبجا رسید شبی تیج جہان سوز و غنجر عالم
 افروز از غلاف صفت برآمد ہ ہرفروں خسرو و معرکہ انعار و مجاہدہ
 اذار رسید ہ بود کہ ورنہ بقاء حرارت دایم النہ والدین در میان
 آمد ۰۰۰۰ فرمودند کہ فرزند ما استاز سرور در گزیرید و جرم او
 بے بختید فرمودند کہ تیج مردان خاص نباشد و بیکار نرود
 بہ تیج چون باد خزان در بالیں ہ ریح رانندہ بعضی مہدویند کہ
 آستید مبارک خود د راز دردد و در تحت تیج نہادند ہ

مذکورہ بناء روایت اگرچہ تحقیق کی کسوٹی پر پورن نہیں اترتی لیکن اقتباس بہا لا
 مین نصامی لنبوی اور امیر خسرو کی شاعری کا جو موازنہ ہوا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے
 کہ د و شاعروں کے کم کا تقابلی مطالعہ ہی فارسی میں تنقید کا ابتدائی نقشہ رہا ہے۔
 چنانچہ تاریخ ادبیا ہ فارسی کی کتابوں میں اکثر و بیشتر ایسے شاعر ہیں جن کے معائن کا
 موازنہ کسی دوسرے شاعر سے آ بھی کیا جاتا ہے جو پہلی پہن تہ کروں سے شروع ہوا تھا۔
 منرفی ادب خصوصاً عربی ہ فارسی اور اردو میں اس سبب تنقید کو بہت زیادہ مہدویت
 حاصل رہی ہے۔ چنانچہ پہلی نعمانی کی کتاب "موازنہ" انیسویں دور اور دوسرے نظام الدین
 کے متعدد مقامات جن میں "آت و ناسخ" "صحفی و انشا" "میر و خودا"
 "ذوق و عجب" "حافظ و سعدی" "انور و خاقانی" وغیرہ کا تقابلی مطالعہ ہوتا
 تھا تھا ہے ان سے اس دعوی کا ثبوت ملتا ہے۔

جن متصوفانہ اصنامات کو مولیٰ شاعروں نے استعمال کیا ہے اس کے مبالغہ و معانی
 پر مستعدایہ مستقب باب لٹایف میں قائم کیا گیا ہے۔ لٹایف میں اس سے تیرہ شاعروں کے
 محترم خاص ارزاں کے اشارے کی تنقید پر مشتمل اسے سراہا اور باپ بھی ہے جو تصوف و طریق

کا مشرب رخصتہ تھے۔ لہذا اگرچہ شعرا کے فارسی کے احوال اور منتخب اشعار پر مبنی نہیں ہیں لیکن اس کتاب کے باب پنجاہ و چہارم کو جس کا عنوان "در ذکر بعض شعرا کہ از مشرب مافی و سوفیہ و تالیفہ علیہ مری" ہے، اگر الگ کر دیا جائے تو اسے ایسا مستقل تذکرہ کا درجہ حاصل ہو جائے گا۔ اس باب میں جن تیرہ موفی شاعروں کا تذکرہ ہوا ہے ان کے نام حسب ذیل ترتیب سے آئیں ہیں۔

(۱) رود کی سمرقندی۔ (۲) حکیم سنائی غزنوی۔ (۳) عین فرید الدین عطار۔

(۴) عین شرف الدین مسلح بن عبد اللہ السدی۔ (۵) عین لغزالدین المعتمد بن عراقی۔

(۶) امیر حمینی۔ (۷) شیخ اوحید الدین اصفہانی۔ (۸) افضل الدین طغانی۔

(۹) نظامی گنجوی۔ (۱۰) شیخ کمال عجمی۔ (۱۱) مولانا محمد شہرین مشہور بہ مری۔

(۱۲) سلطان الشعرا امیر خسرو دہلوی اور (۱۳) حسن سجری شاعر نامی۔

ان تیرہ شاعروں میں سے صرف رود کی اور نظامی گنجوی کے احوال و آثار "لباب الدلیاب" (سید الدین محمد عوفی) میں درج ہیں جب کہ "تذکرہ" دولت شاہ "صرف دہلی شاعروں یعنی اوحید الدین اصفہانی اور محمد شہرین مری کے ذکر سے خالی ہے۔ جہاں تذکرہ کی کا تعلق ہے تو اس کے زمانے سے قریب ترین کتاب جس کے ذریعہ ہمیں پہلی مرتبہ اس کے احوال و آثار کا علم ہوتا ہے، چہار مقالہ (عروسی سمرقندی) ہے۔ لیکن چہار مقالہ اور تذکرہ "دولت شاہ" میں اس شاعر کے پہنا یا نابینا ہونے کا کوئی ذکر نہیں ہے جب کہ لہاب الدلیاب اور لیلیٰ اعرافی دونوں میں اس کو مادر زاد نابینا بتایا گیا ہے۔ چنانچہ ان دونوں کتابوں کے بعد اقتباسات ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

لباب الدلیاب میں ہے کہ

"مولد او رود ک سمرقند بود و از مادر نابینا آمد۔"

بسر نہ امت چشم طاهر بستہ داشت"

لٹایف اعرافی مین ہے کہ

”وی از ماورا^۱ النہر است و از مادر نابینا زادہ^۲۔“

لباب الالباب مین اس غاعر کی شان و شوکت کیر بارے مین جو بیان ملتا ہے وہ چار مقالہ سے مماثل ہے۔

”چنانکہ گویند اورا د ویت غلام بود و چار صد عتر

د در زیر بندہ^۳ او میرفت۔“^۴

لٹایف کے بیان مین بھی چار مقالہ اور لباب الالباب سے مماثلت ہے۔

”گویند کہ اورا د ویت غلام و چار صد عتر در زیر

بار و رخت او میرفت۔“^۵

جبکہ تذکرہ^۶ د ولت غاہ مین صرف اس قدر ہے کہ

”چون رود کی در گذشت د ویت غلام عند و ترک گذاشت۔“^۷

رود کی کیر اشعار کی تعداد سے متعلق لباب الالباب اور لٹایف کیر مند رجعات

مماثل مین۔ مثلاً^۸۔

”العبد علی الراوی اشعار او صد د فقر آمدہ است۔“^۹

لیکن لٹایف مین اس اطلاع پر حسب ذیل اضافہ بھی ہے۔

”در عرج عین مذکور است کہ اشعار او پنجاہ ہزار سجد بودہ است۔“^{۱۰}

رود کی کا وہ مشہور قصیدہ جس کا ایک مصرع————

ہوی جوی مولمان آمد ہمین

ہے اور جس زیر بارے مین ہمین سب سے پہلے ”چار مقالہ۔ معلوم ہوا ہے اس کا ہر منظر

۱۔ لباب الالباب ص ۲۷۱

۱۔ لٹایف ج ۲ ص ۲۶۱

۲۔ تذکرہ د ولت غاہ جامع کردہ مرزا محمد

۲۔ لٹایف ج ۲ ص ۲۶۱-۲۶۲

عمرانی، ملکہ الکتاب بمبئی،

۱۸ نومبر ۱۸۸۲ عیسوی ص ۸

۳۔ لباب الالباب ص ۲۷۱ و لٹایف ج ۲ ص ۲۶۲

۴۔ لٹایف ج ۲ ص ۲۶۲

بھی لطایف میں بہت ہی سادہ اور مختصر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ البتہ لطایف میں یہ اضافہ بھی ہے کہ

”در بعضی تواریخ ابن حکایت را سلطان سنجر و امیر معزی نسبت کنند۔“

مگر یہ اضافہ در وجوہ سے قابل قبول نہیں۔ ایک تو یہ کہ صرف ”در بعضی تواریخ“ کہہ کر بات قائل دی گئی ہے۔ اور تاریخ کی کسی ایسی کتاب کا بھی حوالہ نہیں دیا گیا ہے اور دوسری یہ کہ ”چهار مقاله“ میں جو رود کی سے قریب ترین زمانے کی تصنیف ہے سلطان سنجر اور امیر معزی کے بارے میں الدنسیہ ابن حکایت درج ہے۔ عروض سے ایسی شخصیات فاضل غلطی کا امکان نہیں ہے کہ اس لیے سلطان سنجر اور امیر معزی کے مابین یہاں آئیے ہوئے واقعے کو امیر نصر بن احمد اور رود کی سے منسوب کر دیا ہو۔

لطایف کے باب بنیاء و چهارم میں اگرچہ ”لباب الالباب“ کا نام کہیں نہیں ملتا لیکن ان دونوں تذکروں میں رود کی سے متعلق اطلاعات میں جو غیر معمولی مماثلت ہے اس کی بنا پر یہ قیاس جاعتا ہے کہ لطایف کا ایک ماخذ ”لباب الالباب“ بھی رہا ہوگا۔ رود کی، سنائی، طار، سعدی، امیر حسینی، خاقانی، نظامی کنجوی،

کمال خجندی، امیر خسرو اور امیر حسن سجزی کی شخصیات اور شاعری اور ان کے انکار و خیالات پر اتنی کثرت سے مقالات لکھی گئی ہیں کہ لطایف میں مندرجہ ان کے احوال و آثار کو نہ بیان نقل کرنے کی ضرورت ہے اور نہ گنجائش۔ البتہ اوحد الدین اصفہانی اور محمد میرین مغربی کے جن کے نام سے تذکرہ دولت شاہ خالی ہے، کے احوال و آثار سے متعلق لطایف کو اولین ماخذ کا درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں مولف لطایف کے بیان کو سور ذیل میں نقل کیا جائے۔ ملاحظہ ہو۔

شعخ اوحد الدین اصلیهائی -

" چنان اجتماع افتاد که وی از اصحاب شعخ اوحد الدین کرمانیست
این نسبت به ازانست وبرا دیوان اعمار است در غایت لطایف
و ترجمعات وی مستعمل بر خطایق و معارف و مثنوی بیروزن اسلوب
حد یقه * سنائی جام جم در آنجا بر لطف درج کرده و ازان
مثنوی این ابیات است -
اوحدی عصمت سان سختی دید

تا غیبی روی نیک پختی دید

سر گفتار با مجازی نیست

باز گردیده کهن بیبازی نیست

سالها چون فلک بسر گشتم

تا فلک وار دیده در گشتم

بر سرهای چله داشته ام

چون از بهر ذله داشته ام

در درون خلوتت با یارم

وز بیرون در میان بازارم

کرده بهند جمال خلوت من

ره ندارد کسی به خلوت من

تا در من بدوست هموست

سوزها گرد سر من است

و وی تصدیق * رائیه حکیم سنائی را جواب نهگو گفته و عدد ابیات او

مد و هشتاد خواهد بود و مطلع او اینست -
 سر بهود من ندارد یار
 چون توان عد ز بخت هر خورد ار
 کار با ما یکست در همه شهر
 و آن یکی تن نمی دهد در کار
 عمد می نیست با که گویم راز
 محرمی نیست تا بنالم زار
 قبری قبر وی در مراعیه تهریز است و تاریخ در آنجا نوشته نمان
 و ثلثین و سیصمائه * -

محمد شهرین مغربی -

* مولانا محمد شهرین مشهور بحضری قدس سره وی مرید شیخ اسمعیل سببی
 است که ویراز اصحاب شیخ نورالدین عبدالرحمن محمد اسفرانی است
 قدس سره در بعضی سیاحت خود بدریا * مغرب از دست یکی
 از اصحاب شیخ معی الدین عربی خرده بوئید و کشف خطای و
 دقایق ازانجا کرده و کمالات ویراز تصنیفات وی که دیوان
 مصلح دارد بتخصیص جام جهان نهای که مجموعه کلیه علم تصوف
 در آنجا در کرده الحی توان گفت که بی نظیر است که هیچ یکی
 ازین طایفه ازان نوع تصنیف موجز و مختصر جامع وصول و فروع
 و تصوف دست نداده و صحبت بخواجه کمال خبندی که موجب مطلع
 وی بود در لطیفه * باید مذکور شده است وقتی شیخ اسمعیل سببی
 فریاد نداد چله می نشاند خدمت مولانا را نیز تکلیف کرده

مولانا ابن غزل گفتہ و پھر ریاضت —

تا صبر تو دہد ہم وز ذات گذشتیم

از جملہ صفات از ہی* آن ذات گذشتیم

استحسان کرد ند وفات وی در سندہ تبع و ثمانین و سیمایہ ہود —

فارسی کا وہ شاعر خود فراموش جس کی غزلیات میں بی خودی و سرستی، سوز و گداز، نالہ و درد اور وارفتگی کی کھلیات بدرجہ* اتم مصور ہوتی ہیں، اس کا نام فرالدین ابراہیم عراقی ہے۔ ان کی زندگی کے حالات و کرایف پر متعلق ہماری معلومات بہت ہی مختصر ہیں اور جو کچھ معلوم ہے اب وہ اس کا واحد مآخذ "نظرات الانس" رہا ہے۔ قرون وسطی کے عالم اسلام کی تہذیب و ثقافتی تاریخ، مولفہ و منابع، علما و فضلا اور شعرا و ادبا کے حالات زندگی اور ان کے علمی و ادبی آثار کی دریافت کے لیے جس "روح مورخین" نے نظرات کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا ہے، اسی طرح عراقی کے احوال و آثار کے لیے بھی صرف اسی کتاب پر تکیہ کیا جانا رہا ہے۔ جیسا کہ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے نظرات کے بنیادی مآخذ میں سے ایک کتاب لطایف بھی رہی ہے اور چونکہ عراقی نے ہمارے میں نظرات پر متعدد رجعات، لطایف میں دی گئی تصحیحات سے لفظ بہ لفظ مماثلت میں اور دولت شاہ کے بیانات، لطایف اور نظرات سے مختلف، اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ عراقی پر لطایف کو بنیادی مآخذ کا درجہ حاصل ہے۔

لطایف سے منسلک تذکرہ* شعرائے فارسی کے متعدد رجعات کی روغن میں اس کتاب کی ادبی قدر و قیمت کا تعین کرنے پر پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کچھ "لباب الالباب" کی بابت بھی عرض کر دیا جائے جو ۶۱۸ ہجری میں ہندوستان میں لکھی گئی اور جس کو فارسی

زبان و ادبیات کے محققین نے اولین تذکرے کا درجہ دیا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں
پروفیسر براؤن کی حسب ذیل تحریر مدللہ ہو۔

”عزت این کتاب لباب الادبیات در این است کہ در این فن تقریباً“

یادگار وحید است اگرچہ قبل از آن چند تذکرہ های دیگر در
احوال و آثار شعرائی کس نوشته شدہ از قبیل مناقب الشعراء ابو طاهر
حاتونی وغیرہ ولی اکثر آنها دستخیز حوادث و ہائیمان مرور
زمان گشتہ الا کتاب چہار مقالہ شب نظامی عروضی سمرقندی کہ در
اوایل قرن سادس نوشتہ شد و در سنہ ۱۳۰۵ در دارالخلافہ طهران
مطبوع گردید در آن کتاب ہم اگرچہ ضمناً از گروہی از مشاہیر شعراء
معتقد میں ذکر رفتہ است ولی مقصود اصلی مؤلف غیر از آن بودہ
است بحدت این کتاب لباب الادبیات کہ اصل مرام مؤلف همین بودہ
است کہ حتی الحدود و از عامہ شعرائی مشہور ذکر و از افکار ابکار
و منتخب اشعار ایشان بر سبیل نمونہ یاد گاری در سہیف کتاب خود
گذارد چنانچہ در این جلد دوم کہ نصف کتاب باشد از احوال صد و
صست و نہ شاعر ایرانی کہ قبل از زمان شمسعدی بودہ اند ابرار
کردہ و از اشعار ایشان نمونہ ہا آوردہ ۳۰۰۰۔

فارسی شعرا کے تذکروں کی تاریخ میں لباب الادبیات کی اولیت اور فن تذکرہ نویسی

کے معیار پر مناقب الشعراء حاتونی اور چہار مقالہ کے پورا نہ اترنے کی جو دلیلین
اقتباس مذکورہ بالا میں پروفیسر براؤن نے دی ہیں، تقریباً وہی عدم محمد قزوینی نے
بھی حسب ذیل اقتباس میں پیش کی ہیں۔

۱۔ مقدمہ ۱۰۰۰ وارد براؤن بر جلد دوم مقدمہ ۱۰۰۰ مصحح ۱۰۰۰ لباب الادبیات
مرتبہ ۱۰۰۰ سعید نفیسی ۹

• اهمیت اصل این تالیف در آن است که آن قدیمترین تذکره است

که در ترجمه "احوال شعراء" فارسی نوشته شده است یا به عبارت

اصح و احسن قدیمترین تذکره است که بدست ما رسیده است و در

کتاب دیگر عیبه تذکره میدانیم که قبل از لباب الالباب تالیف

شده است یکی مناقب الشعراء لابی طاهر الخاتونی در اواخر پنجم و

اوایل قرن ششم هجری مهتر بسته است و دیگر چهار مقاله لنظام الدین

احمد بن عمر بن علی النظامی المروزی اسمرقندی که در حدود سده

۵۵۰ تالیف شده است ولی هیچکدام ازین دو تالیف را نمیتوان

حقیقه از قبیل تذکره الشعراء بمعنی مصطلح یعنی کتابی که مقصود

اصلی مولف آن ترجمه "احوال شعراء" باشد بعد اما مناقب الشعراء اگرچه

شاعرا از میان رفته است و نمیدانیم مونیخ آن چه بوده ولی

قربیب یقین است که تذکره شعراء نبوده بدلیل این که دولت شاه

(که لباب الالباب را ندیده بوده است و از وجود آن نیز اطلاع

نداشته و درین عکس نیست) در مقدمه تذکره خود ادعا میکند

که تاریخ و تذکره و حالات شعراء فارسی را هیچ آفریده از فضلا

خطب ننموده با وجود آنکه خود او یکی در موضع از مناقب الشعراء

نقل مینماید و اگر مناقب الشعراء حقیقه تذکره شعراء بوده است

دولت شاه این تناقض واضح را بین قلوب و قلم خود مرتکب نمی شده است

و شاید مناقب الشعراء عبارت بوده است از بعضی حکایات ادبی

راجع به محاضرات و مناظرات شعراء منتخباتی از اشعار ایشان

والله اعلم بحقیقه الامر و اما چهار مقاله نظامی مروزی (که اکنون

کتابیات

مطبوعات -

۱۳۹ هـ	د علی ه مطبع مجتہائی	شیخ عبدالحق محدث د علی ی	اخبار الانصار
۱۳۸ هـ	دهور ه مطبع نولکنور	شیخ فرید الدین عطار	تذکرۃ الاولیا
۱۳۷ هـ	لکهنؤ ه نامی پریس	سید اقبال احمد رضوی	تاریخ غبرار مند جونپور -
۱۳۱ هـ	لکهنؤ ه مطبع نولکنور	ملا محمد قاسم مند و شاه استرآبادی	تاریخ فرستہ
۱۳۸ هـ		حمد اللہ مستوفی بکوعتراید و ارد ہراوہ	تاریخ گد ہد ہ
۱۳۶ هـ	د علی ہ جمال پرنٹنگ پریس	عبد الماجد د رہا بادی	تفسیر ماجد ی
۱۳۰ هـ	دهور ه مطبع پنجابی	سید عمار علی	تفسیر عمدۃ البیان
۱۸۸۷ هـ	بمبئی ہ مطبع الکتاب	د ولت شاہ سمرقندی	تذکرہ د ولت شاہ
۱۷۵ هـ	کتاب سرفراز خوئی پریس	حیات سید اشرف جہانگیر سمنانی ڈاکٹر سید وحید اشرف	
۱۳۷۱ هـ	تہران	خواند میر	حبیب السیر جلد سوم
۱۳۵ هـ	دهور ه مطبع نولکنور	مفتی غلام سرور دہوری	خرینۃ الاصفا جلد سوم
۱۳۲ هـ	دهور ه منبجر اللہ والی کی نومی د کان -	میر خرد ہ مترجم نامعلوم	سیراؤنلیا (ارد و ترجمہ)
۱۴۰۰ هـ	کراچی ہ محفل ذوقیہ	شاه محمد ذوقی	سر د لبران
۱۳۰۹ هـ	علی کرم ہ مطبع فیر عام	عہلی نعمانی	غیر العیم جلد دوم
	بمبئی ہ مطبع الکتاب	محمد بن یحیی دہمی	غیر گلشن راز
۱۳۵۱ هـ	کابل ہ	خواجہ عبد اللہ انصاری بتمصحیح عبد الحی حبیبی قندھاری	شہادۃ انصاریہ

فلسفیه و فلسفیه

- قاموس الکتب اردو چند اول
کراچی و انجمن ترقی اردو و
پاکستان - ۸۶۱
- کشف المحجوب
عبد الواحسن علی
بن عثمان شبهری
پکوشه و النعمین و کوفسکی
- کتاب الفلموی
عبد احمد شهاب الدین الفلموی
برای ترجمه از الفلموی علی شهابی
لغت نامه د خدا (شارب نایبی — طلسمات)
تهران ۸۲۶
۲۱۹۴۲
- لغت نامه د خدا (حریف آزار — حسن فروختن)
تهران ۲۵۰
- لغت نامه د خدا (خالد بن صبر — خانه)
تهران ۲۵۰
- لغت نامه د خدا (جیلات — جرازه)
تهران ۲۵۱
- لباب الالباب
سید ابدین محمد عوفی
مرتبه محمد نفیسی
- مذتوبات عرف الدین
عبد عرف الدین احمد
بن یحیی منیری
- مناظر من شرح
مدکوة المصابیح
مودنا قلب الدین د هروی
- ماند و ه ناد آباد
عدم یزدانی
مترجم مرزا محمد بشیر
- نزهة الحواری
عبد الحی بن فرالدین
الحسینی (مدبر)
ندوة العلماء لکهنو
- نقاط الانوار
مودنا عبد الرحمن جامی
پکوشه مهدی توحید ی پور
- لکهنو و مطبع نولکتنور
لکهنو و مطبع نولکتنور
۸۲۸
- حیدرآباد و
دایرة المعارف العثمانیه
۸۲۷
- تهران
۸۲۱

فلمی مصنفات -

تاریخ محمدی	محمد شہور بن ملا شہوری	معرونہ مولانا آزاد - نمبر عبد السلام لاہوری مسلم یونیورسٹی ۵۷ ۳۸
سیر محمدی	شیخ محمد علی سامانی	• نمبر حبیب کنج ۲۲ ۲۹
سجاد اشرفی	سید نذیر احمد فاضل	معرونہ کتاب خانہ کھوجہ فیہ آباد
مذتوبات شیخ محب اللہ الہ آبادی	محب اللہ الہ آبادی	معرونہ مولانا آزاد - نمبر سجاد الہ ۲۹۷ • ۲۱ ۱۲
مکتوبات اشرفی	سید عبد الرزاق نورالحمن	• نمبر سجاد الہ ۲۹۷ • ۲۱ ۱۲
مراۃ اسرار	عبد الرحمن جدتی	• نمبر عبد السلام ۲۹۸ ۲۹

ENGLISH BOOKS:

HISTORY OF PERSIA PERCY SYKES LONDON 1951
 SHORTER ENCYCLOPAEDIA OF ISLAM LEIDEN 1953
 ARTICLE "TASHAWWUF" LOUIS MASSIGNON
